جملہ حقوق محفوظ

اِنَّ ھٰذِہٖ تَذْکِرَۃٌ

سیرۃ الشافعی

یعنی

امام شافعی علیہ الرحمۃ کی سوانح عمری

جس میں اُن کے مذہب کی خصوصیات کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور بتلایا ہے
کہ مذاہب اربعہ میں مذہب امام شافعی کا کیا پایہ ہے

از

مولانا مولوی نجم الدین صاحب سیوہاری

حسب فرمائش

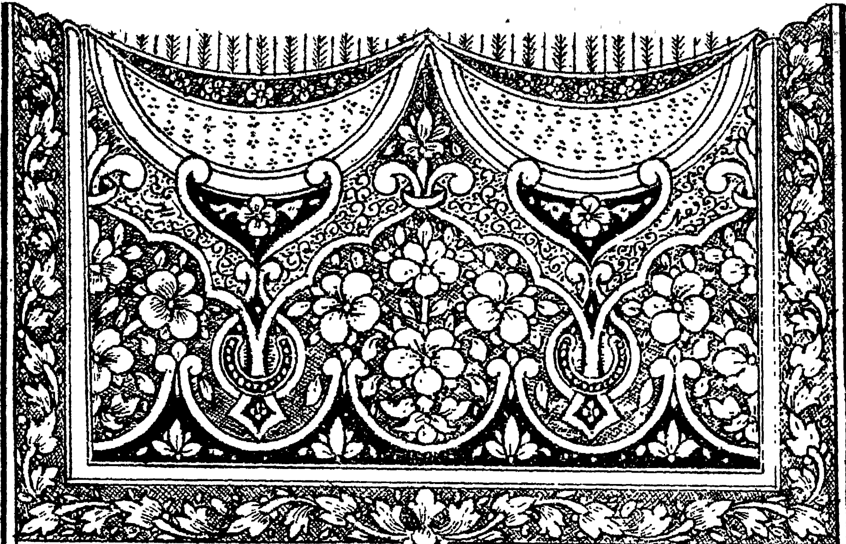
دار الاشاعت پنجاب

سنہ ۱۸۹۹ء

مطبع رفاہ عام لاہور میں چھاپی گئی

قیمت فی جلد

فہرست مضامین



بسم اللہ الرحمن الرحیم

امام شافعیؒ کا نام و نسب و ولادت

امام شافعی کا نام محمدؒ۔ کُنیت ابُوعبداللہ۔ لقب ناصر الحدیث ہے۔ شافعی نسبت ہے طرف اُنکے جد اعلیٰ شافع بن السائب کے۔ انکا سلسلۂ نسب عبد مناف تک اِس طور پر منتہی ہوتا ہے۔ محمد بن ادریس بن العباس بن عثمان[۱] بن شافع[۲] بن السائب[۳] بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن المطلب بن عبد مناف۔ عبد مناف میں امام شافعی کا نسب رسُولِ خُدا صلعم سے ملجاتا ہے نسب کے لحاظ سے جو بڑی سے بڑی بزرگی اور شرافت حاصل ہوسکتی تھی۔ وُہ امام صاحب کو بوجہ قریشی ہونے کے پوُرے طور پر حاصل تھی۔ امام شافعی کی والدہ قبیلۂ ازد

[۱] خلافت ابوالعباس سفاح تک زندہ رہے [۲] اُنہوں نے صغیر سنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال باکمال دیکھا ہے صحابہ میں معدُود ہیں [۳] بنی ہاشم کے علم بردار تھے۔ بدر کی لڑائی میں مُسلمانوں نے انکو گرفتار کرلیا تھا مگر فدیہ دیکر چھُوٹ گئے اور اپنی خوشی سے اِسلام قبول کیا۔

سے تھیں۔ جو یمن میں ایک نہائت معزز قبیلہ ہے اور جسکی نسبت رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے

کہ اَلْاَزْدُ اَزْدُ اللّٰہِ یعنی ازد خدا کا قبیلہ ہے۔ بعض روایتوں میں امام شافعیؒ کی والدہ کو ہاشمیہ

حضرت امام حسنؓ کی نسل سے بیان کیا ہے۔ لیکن یہہ قول صحیح نہیں معلوم ہوتا اور اس قول کی

تردید خود امام شافعی کی کلام سے بھی ہوتی ہے چنانچہ حاکم نے بسند صحیح بیان کیا ہے کہ امام

شافعی فرماتے تھے کہ علی بن ابیطالبؓ میرے چچا اور خالہ کے بیٹے ہیں[۵۱]+

امام شافعی کی والدہ نہائت فہیم اور ذکی الطبع تھیں۔ انکی ذکاوت طبع اور خوبی فہم

کی متعدد نقلیں مشہور ہیں۔ کہتے ہیں کہ انکو ایک مرتبہ ایک مرد اور ایک عورت کے ہمراہ کسی

معاملہ میں قاضی مکّہ کے محکمہ میں گواہی دینے کے لئے حاضر ہونا پڑا۔ قاضی نے دونو عورتوں

کے جدا جدا اظہار لینے چاہے۔ انہوں نے گواہی دینے سے انکار کیا اور کہا کہ خدا نے

دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی برابر صرف اسی غرض سے قرار دی ہے کہ اگر ایک عورت

صورت واقعہ بھول جائے تو دوسری اُسے یاد دلاوے۔ اور اپنے دعویٰ کے ثبوت میں قرآن مجید

کی یہہ آیت پیش کی اِنْ تَضِلَّ اِحْدٰھُمَا فَتُذَکِّرَ اِحْدٰھُمَا الْاُخْرٰی یعنی اگر ایک عورت صورت واقعہ

بھول جائے تو دوسری اُسے یاد دلاوے۔ قاضی نے مجبور ہوکر دونو عورتوں کے اظہار ایک ساتھ لئے[۵۲]

امام شافعی کے والد ادریس اصل میں تبالہ کے باشندے تھے جو حجاز میں ایک چھوٹا سا قریہ

ہے۔ مگر انہوں نے اپنی اوائل عمر میں ہی تبالہ چھوڑ کر مدینے میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ چونکہ مدینے

---

۵۱ اس قول کا مطلب یہہ ہے کہ امام شافعی کے جد اعلیٰ سائب بن عبید کی والدہ (شفا بنت ارقم بن ہاشم بن عبد مناف) کی والدہ (خلدہ بنت اسد بن ہاشم) حقیقی بہن تھی فاطمہ بنت اسد والدہ علی بن ابیطالب کی۔ اس لحاظ سے فاطمہ والدہ علی بن ابیطالبؓ خالہ ہوئی امام شافعی کی ایک دادی کی۔ اسلیے امام شافعی کا والدۂ علی کو خالہ کہنا مجازاً صحیح ہوا۔ اور حضرت علی کا امام شافعی کے چچا کا بیٹا ہونا انکی نسب سے ظاہر ہے۔ توالی التاسیس۔ ۵۲ دیکھو توالی التاسیس۔

ہیں انکی گذر اوقات نہایت عسرت سے ہوتی تھی اس لئے مجبورًا مدینے سے شام چلے گئے اور عسقلان میں سکونت اختیار کی۔ اور شام ہی میں انکا انتقال ہوا +

امام شافعیؒ اپنے باپ کے انتقال سے چند روز بعد سن ڈیڑھ سو ہجری ۱۵۰ میں یعنی اُسی سال میں جس میں حضرت امام ابو حنیفہؒ نے وفات پائی موضع غزہ مضافات عسقلان میں پیدا ہوئے[۵۱] بعض روائتوں سے یہہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خاص اُسی روز پیدا ہوئے۔ جس روز حضرت امام ابو حنیفہؒ نے رحلت کی۔ شیخ ابن حجر لکھتے ہیں کہ میں نے امام شافعیؒ کی ولادت اور امام ابو حنیفہ کی وفات کا مہینہ کسی تاریخ میں نہیں پایا۔ لیکن تاریخ ابن خلکان سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے ماہ رجب میں وفات پائی۔ اگر ابن خلکان کا یہہ قول صحیح ہو اور ساتھ ہی اسکے اس روائت کو بھی تسلیم کر لیا جائے کہ امام شافعیؒ کی ولادت اور امام ابو حنیفہؒ کی وفات ایک ہی دن واقع ہوئی۔ تو امام شافعیؒ کی ولادت کا مہینہ بھی ماہ رجب ہی سمجھنا چاہئے +

امام شافعیؒ کہاں پیدا ہوئے۔ اس باب میں چار مختلف روائتیں ہیں جن میں غزہ۔ عسقلان۔ مدینہ۔ یمن محلِ ولادت بیان کئے گئے ہیں۔ ان میں مدینے اور یمن کی روائت محدثانہ نظر میں صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ البتہ غزہ اور عسقلان کی روائت صحیح ہے۔ ربیع بن سلیمان کو جو امام شافعیؒ کے ایک نہائت مستند شاگرد تھے غزہ اور عسقلان کے درمیان تردد تھا۔ میری رائے میں ان دونو روائتوں میں تطبیق دینا کچھ مشکل نہیں۔ کیونکہ غزہ مضافات عسقلان میں ایک قریہ تھا پس جن روائتوں میں امام شافعیؒ کا محل ولادت غزہ بیان کیا گیا ہے وہاں مراد خاص قریۂ ولادت ہے اور جہاں عسقلان بتلایا گیا ہے وہاں وُہ شہر مراد ہے جسکے مضافات میں غزہ واقع ہے۔ امام شافعیؒ کے اس قول سے بھی کہ وُلِدتُ بِغَزّةَ وَحَمَلَتنِی اُمِّی اِلَی عَسقَلان یعنی میں غزہ

---

[۵۱] دیکھو توالی التاسیس۔

میں پیدا ہوا اور وہاں سے مجھے میری ماں عسقلان لیگئی۔ ہمارے بیان کی پوری تائید ہوتی ہے۔[۵۱]

امام شافعیؒ کے ایّامِ طفولیّت اور تحصیلِ علم کا بیان

جسوقت امام شافعیؒ کی عُمر دو برس کو پہونچی اور اُنکی مُدت رضاع ختم ہوگئی۔ اُسوقت اُنکی والدہ اُنکو عسقلان سے حجاز لیگئی اور اپنے قبیلے ازد میں سکونت اختیار کی۔ دس سال کی عمر تک اُنھوں نے وُہیں اپنے ننھال میں نشو ونما پایا اور وُہیں تحصیل علم شروع کی۔[۵۲] چونکہ امام صاحب کے ماموں آسودہ حال تھے اس لئے دس سال کی عُمر تک انکا زمانہ طالبعلی نہائت بیفکری اور آرام سے بسر ہوا۔ گو کسی تاریخ سے اس امر کا ثبوت نہیں ملتا کہ اُنھوں نے کس عُمر میں تحصیل علم شروع کی مگر اتنا یقینی طور پر ثابت ہے کہ اُنھوں نے سات برس کی عُمر میں قرآن مجید اور دس برس کی عمر میں موطا امام مالکؒ حفظ کرلیا تھا۔[۵۲]

جسوقت امام صاحب کی عُمر دس برس کی ہوئی اُسوقت اُنکی والدہ کو یہہ ایک اندیشہ پیدا ہوا کہ شافعیؒ یہاں رہکر کہیں اپنا نسب ضائع نہ کردے۔ اہلِ عرب کو اپنا نسب محفوظ رکھنا اور اُس کا یاد رکھنا اُنکے خیالات کے مطابق کوئی امر عجیب نہ تھا۔ خاصکر قریش کے لئے تو یہہ امر ایک بڑا سرمایۂ ناز تھا۔ اپنی نسب کی برتری اور پاکیزگی کے باعث اُن لوگوں کو دوسری قوموں پر ہمیشہ فخر رہا ہے۔ وُہ اپنی نسبوں کو زبانی یاد رکھنا منجملہ اپنے کمالات کے سمجھتے تھے۔ امام صاحب کی والدہ کا دل بھی عرب کے اس عام خیال کے گہرے اثر سے خالی نہ رہا تھا اس لئے اُنھوں نے اپنے بیٹے کو نسب یاد کرنے کے لئے اُنکے چچا کے پاس مکّہ بھیجدیا۔ امام صاحب کے چچّا نہائت غریب اور مفلوک الحال شخص تھے۔ اُنکی شدّتِ افلاس کیوجہ سے امام صاحب کو تحصیلِ علم میں نہائت دشواریاں

۵۱ دیکھو توالی التاسیس۔ ۵۲ دیکھو توالی التاسیس۔

پیش آئیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں اوّل ایک نسّاب کے پاس گیا کہ اس سے علمِ انساب حاصل کروں۔ اُسنے کہا کہ تو ابھی اس کام میں جلدی نہ کر۔ بلکہ جس شئے میں تیرا نفع ہے اُسے حاصل کر یعنی کسب۔ لیکن میرا یہہ حال تھا کہ مجھے بجز تحصیل علم کے اور کسی چیز میں لذّت ہی نہ آتی تھی۔ جس عالم سے کوئی حدیث یا مسئلہ سُنتا۔ اُسے فوراً یاد کر لیتا۔ اور ہڈیوں پر لکھ لیتا۔ اور ایک مٹکے میں جمع کرتا جاتا۔ اور جب کوئی معلّم کسی لڑکے کو کوئی مطلب سمجھاتا تو مَیں اُسے بھی یاد کر لیتا[۵۱]۔ غرض اسی طریق پر امام شافعیؒ نے علمِ ادب و تاریخ میں کافی ملکہ بہم پہنچا لیا اور اب ہمہ تن فقہ کی جانب توجہ کی +

مسلم بن خالد زنجی علم فقہ میں اعلیٰ درجہ کا فضل و کمال رکھتے تھے اور اس زمانہ میں مکے میں بڑے نامور مُفتی تھے۔ اُنھوں نے ابن شہاب زہری۔ عُمرو بن دینار۔ ابن جریج وغیرہ تابعین سے حدیث سُنی تھی۔ مسجد الحرام میں ابن جریج کے بعد انہیں کا حلقۂ درس جاری تھا۔ اور مکّے میں اُنہیں کے فتویٰ پر عمل کیا جاتا تھا۔ ابن جریج کے شاگردوں میں سب میں ممتاز یہی تھے اور اُنکی فقہ میں کمال مہارت رکھتے تھے۔ یہہ ابن جریج وہ شخص ہیں جنہوں نے سب سے اوّل حدیثوں کو جمع کیا اور تدوین فقہ کی بُنیاد ڈالی۔ عطا بن ابی رباح کے بعد مسجد الحرام میں انہیں کا درس جاری تھا اور یہی مکّے میں بڑے مُفتی اور فقیہہ خیال کئے جاتے تھے۔ اِن وُجوہ سے امام شافعی نے مسلم بن خالد زنجی کی شاگردی کی عزّت حاصل کر کے اُنسے علمِ فقہ حاصل کرنا شروع کیا۔ مسلم بن خالد زنجی بھی جوہر شناس شخص تھے۔ امام صاحب کی کمال ذہانت اور ذکاوتِ طبع کیوجہ سے اُنسے نہائت محبّت کرتے تھے۔ غرض امام شافعیؒ نے مسلم بن خالد زنجی سے تین برس تک فقہ ابن جریج اور علم حدیث کی تعلیم پائی[۵۲]۔ جب امام شافعیؒ کی عمر تیرہ برس کی

---

[۵۱] دیکھو توالی التاسیس [۵۲] دیکھو مناقب الشافعی للرازی و توالی التاسیس۔

ہوئی تو اُنکے کانوں تک امام مالک کے فضل وکمال کی صدا بھی پہنچی۔ امام مالکؒ اس مقدس شہر کے رہنے والے تھے جس میں دس برس تک کلامِ الٰہی نازل ہوتا رہا۔ اور جو وحیِ الٰہی اور حدیثِ رسُول کا اصلی مرکز تھا اور خُلفاءِ راشدین اور فُقہا وصحابہ کا اصلی مرجع تھا۔ اِس میں کچھ شک نہیں کہ اُس زمانہ کی اِسلامی دُنیا میں دار العلم ہونیکا جو فخر حرمین کو حاصل تھا وہ اور کسی شہر کو نہ تھا۔ سعید بن المسیب کا جو فُقہاءِ سبعہ سے تھے یہہ مذہب تھا کہ اہلِ حرمین سے زیادہ کوئی فقیہہ نہیں[1]۔ امام شافعیؒ کے زمانہ میں اگرچہ مکّہ بھی دار العلم تھا مگر امام مالکؒ کے علم کی برکت سے جو شرف مدینہ طیبہ کو حاصل تھا وہ کسی دُوسرے شہر کو نصیب نہ تھا۔ امام مالک علمِ حدیث کے اوّل امام ہیں۔ اُنکا اکثر سلسلہ روائت صِرف دو واسطوں سے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ اور حضرت عمرؓ۔ عبد اللہ ابن عمر۔ جابر بن عبد اللہ۔ عائشہ و دیگر فُقہائے مدینہ و فقہائے سبعہ کی فقہ کا تمامتر دار مدار انہیں پر ہے۔ اور انکے اقوال کے سب سے زیادہ حافظ یہہ ہی تھے[2]۔ نافع مولیٰ ابن عمر۔ زہری۔ محمد بن المنکدر وغیرہ تابعین سے روائت کرتے ہیں۔ اِنکی کتاب موطا عُلما میں اعلیٰ درجہ کی صحیح اور مُستند خیال کیجاتی ہے۔ امام شافعیؒ کا قول ہے کہ قرآن مجید کے بعد تمام کتابوں میں سب سے زیادہ صحیح اور قابلِ اعتبار موطا ہے۔ روائت حدیث میں امام مالکؒ کا ہم پایہ کوئی شخص نہیں۔ امام محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ کے نزدیک امام مالک کی سند تمام سندوں میں سب سے اعلیٰ ہے۔ امام مالک کا حلقۂ درس خاص مسجد نبوی میں جاری تھا۔ اِسلامی دُنیا کے ہر اقطار سے بیشمار لوگ انکی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور موطا[3] سُنتے۔ اوزاعی۔ یحییٰ بن سعد۔ امام محمد وغیرہ نے انہیں کے حلقۂ درس سے فیضِ تعلیم پایا تھا[3]۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ نے باوجود اپنے کمالِ علم وفضل کے اُنکے آگے زانوئے شاگردی طے کیا[4]۔ ابن وہب کہتے ہیں کہ میں نے

[1] دیکھو انصاف۔ [2] دیکھو انصاف [3] دیکھو اتحاف النبلاء صفحہ [4] دیکھو سیرۃ النعمان۔

مدینے میں منادی کو ندا کرتے سُنا کہ سوا امام مالک کے کوئی شخص فتویٰ نہ دے +

جب امام شافعیؒ نے امام مالکؒ کے کمالات و فضائلِ علمی اور اُنکے فیضانِ صحبت کے آثار و حالات سُنے تو اُن کے دل میں بھی اُنکی خدمت میں حاضر ہونے اور اُن سے استفادہ حاصل کرنے کی اُمنگ پیدا ہوئی اور اُنہوں نے سفرِ مدینہ کا عزم کیا۔ لیکن چونکہ اسوقت وُہ سخت افلاس کی مصیبت میں مُبتلا تھے اور مدینے جانیکا اُنکے پاس کوئی سامان نہ تھا۔ اِسلیئے مجبُور ہوکر مصعب بن الزبیری کے پاس جاکر مُلتجی ہوئے کہ آپ میرے قبیلہ میں سے کسی شخص سے میری سفارش کیجیئے اِسوقت میرا فقر سے جو حال ہے وُہ خدا ہی پر خُوب روشن ہے۔ مصعب بن الزبیری نے کسی شخص سے اُنکی سفارش کردی جس سے انکو سَو دینار ملگئے اور وُہ مدینہ جا پہنچے۔ مدینہ کو روانہ ہونے سے پہلے امام شافعیؒ مسلم بن خالد زنجی سے ایک سفارشی خط امام مالک کے نام لکھوا کر لیگئے۔ مدینہ پہنچتے ہی سب سے اوّل امام مالکؒ کے مکان پر گئے۔ اِتفاق سے اُسوقت امام مالکؒ اپنے زنانہ مکان میں تشریف رکھتے تھے۔ امام شافعیؒ نے دروازہ پر کھڑے ہوکر نہائت ادب اور شرعی طریقہ کے ساتھ اپنا حاضر ہونا ظاہر کیا۔ امام مالکؒ نے بغرضِ دریافتِ حال اولاً اپنی خادمہ کو باہر بھیجا لیکن پھر وُہ خود جلد باہر تشریف لائے۔ اور نہائت خُلق کے ساتھ امام شافعیؒ کا حال دریافت کیا۔ امام شافعیؒ نے مسلم بن خالد زنجی کا سفارشی خط اُنکی خدمت میں پیش کیا۔ امام مالکؒ نے خط کو پڑھکر پھینک دیا۔ اور فرمانے لگے سبحان اللہ! کیا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم کا علم اس قابل ہوگیا ہے کہ وُہ وسائل اور رسائل کے ذریعہ سے طلب کیا جائے[۱۵]۔ بیان کیا گیا ہے کہ امام شافعیؒ کے پاس حاکمِ مکّہ اور حاکمِ مدینے کے بھی سفارشی خطوط موجود تھے اور وُہ بھی اُنہوں نے

[۱۵] دیکھو توالی التاسیس۔

امام مالکؒ کی خدمت میں پیش کئے تھے۔ ممکن ہے کہ ان حکام کے خطوط کی وجہ سے اور بھی امام مالکؒ کو غصہ آیا ہو۔ امام شافعیؒ نے جسوقت امام مالکؒ کا ناخوش ہونا معلوم کیا نہائت عجز کے ساتھ اپنا حال عرض کیا اور نہائت موثر و فصیح تقریر کے ساتھ اپنا اشتیاق اور تحصیل علم کی رغبت اور اپنے جمیع حالات بیان کئے۔ امام مالکؒ علم فراست میں بھی یکتا تھے۔ امام شافعیؒ کی تقریر سنکر انکے چہرہ کو بغور دیکھا اور سر سے پانوں تک نظر کر کے پوچھا مَا اِسْمُكَ یعنی تمہارا نام کیا ہے۔ امام شافعیؒ نے جواب دیا "محمدؐ"۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ اِتَّقِ اللّٰهَ فَسَيَكُوْنُ لَكَ شَانٌ۔ یعنی اے محمد خدا سے تقویٰ کرتے رہنا کسی دن تیری بڑھتی شان ہوگی[۱]۔

امام مالکؒ کے درس کا طریق عام محدثین سے کسیقدر مختلف تھا یعنی عموماً محدثین کے درس کا یہہ دستور تھا کہ اُستاد خود پڑھتا اور تمام شاگرد بغور متوجہ ہوکر اُس کی قرأت سُنتے امام مالکؒ کے درس میں یہہ طریق جاری نہ تھا بلکہ اُنکے درس کا یہہ دستور تھا کہ تمام شاگرد ایک حلقے میں بیٹھتے تھے اور ایک اُن میں سے باوازِ بلند پڑھنا شروع کرتا اور باقی شاگرد اُسکی قرأت سُنتے تھے اور خود امام مالکؒ قاری کی طرف متوجہ ہوتے اگر شاگردوں میں سے کسی کی سمجھ میں کوئی مطلب نہ آتا یا اُسے کسی قسم کا شک و شبہہ رہتا تو وہ فوراً اُسی وقت دریافت کرلیتا۔ اس طریق پر امام مالکؒ کو نہاۃ اصرار تھا[۲]۔ چنانچہ اُنھوں نے امام شافعیؒ سے بھی فرمایا کہ تم اپنے لئے کوئی قاری تلاش کرو تاکہ وہ تمہارے لئے موطا پڑھے۔ امام شافعیؒ نے عرض کیا کہ میں خود موطا حفظ پڑھ سکتا ہوں[۳]۔

غرض امام شافعیؒ نے امام مالکؒ سے موطا پڑھنے کے بعد علمِ فقہ حاصل کرنا شروع کیا

---

[۱] دیکھو توالی التاسیس [۲] دیکھو اتحاف النبلا۔ [۳] دیکھو توالی التاسیس۔

اور اُس میں نہائت کمال بہم پہنچایا اور جب تک امام مالکؒ زندہ رہے اُنہیں کی صحبت اختیار کی۔ اگرچہ اس عرصہ میں امام شافعیؒ نے مدینے کے اور بھی چند مشائخ کبار مثلاً ابراہیم بن سعد الانصاری عبد العزیز بن محمد الدراوردی۔ محمد بن اسمٰعیل بن ابی فدیک۔ عبد اللہ بن نافع الصائغ وغیرہ سے استفادہ کیا۔ اور اُنسے کثرت سے حدیثیں روائت کیں مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ بڑا سرمایۂ نازِ جسنے شافعی کو امام شافعیؒ بنایا۔ امام مالکؒ ہی کا فیضانِ صحبت و تعلیم تھا[۵۱]۔ روائت حدیث کی جرح و تعدیل اور اُنکی حالتِ ذہنی کی جانچ پڑتال میں علم فراست کو بھی کچھ کم دخل نہ تھا۔ اِسی لئے امام شافعیؒ نے فقہ امام مالکؒ میں اعلیٰ درجہ کا کمال حاصل کر چکنے کے بعد علم فراست کی تحصیل کے لئے یمن کا سفر اختیار کیا۔ اور اس علم میں بھی اُنہوں نے وہ رُتبہ پایا کہ کم کسی کو حاصل ہوا ہوگا۔ چنانچہ اُنہوں نے اس فن میں بہت سی کتابیں بھی تصنیف کر ڈالیں[۵۲]+

قبیلۂ ہذیل تمام قبائلِ عرب میں اپنی زبان کی شائستگی اور فصاحت میں نامور تھا۔ امام شافعیؒ نے اُس سے علمِ فصاحت و لغت حاصل کیا۔ اور اس علم میں بھی وہ اس درجہ کمال کو پہنچے کہ اصمعی جیسا جلیل القدر لغوی اور ادیب اُنکی شاگردی کو اپنے لئے موجب اعزاز و افتخار[۵۳] سمجھتا تھا۔ ان جُملہ علوم سے فارغ ہونے اور فقہ مالکی کے فقیہہ بن چکنے کے بعد امام شافعیؒ نے فقہ حنفی کی طرف توجہ کی اور فقہ حنفی کے رُکنِ اعظم یعنی امام محمد سے فقہ ابوحنیفہ اخذ کرنا شروع کیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں اُسکے جمیع اصول و فروع میں کامل درجہ کی لیاقت بہم پہنچائی شیخ ابن حجر لکھتے ہیں کہ فقہ کی ریاست مکہ میں ابن جریج کو اور مدینہ میں امام مالک کو اور عراق میں امام ابوحنیفہ کو پہنچی تھی۔ امام شافعیؒ نے ابن جریج کا تمام علم انکے چار بڑے بڑے نامور اور جلیل القدر شاگردوں سے حاصل کیا۔ یعنی مسلم بن خالد زنجی۔ سعید بن سالم۔ عبد العزیز بن ابی رواد۔

[۵۱] دیکھو مناقب الشافعی للرازی [۵۲] دیکھو توالی التاسیس [۵۳] دیکھو توالی التاسیس اور تاریخ ابن خلکان۔

عبد اللہ بن الحرث المخزومی سے۔ اور امام مالکؒ کا علم خود حضرت امام مالکؒ سے اور امام ابو حنیفہ کا علم اُنکے خاص شاگرد رشید امام محمد سے۔ پس اس طریق پر امام شافعی نے جمیع اہل حدیث اور اہل رائے کے علوم اور کمالات کو اپنے میں جمع کر لیا تھا یہہ مصالحہ تھا جس سے امام شافعیؒ نے تدوین حدیث کی عالیشان عمارت بنائی۔ اور وہ اصول اور قواعد ایجاد کئے[۱] کہ جب تک دنیا میں دین محمدی باقی ہے امام شافعیؒ کا نام صفحہ عالم پر سنہری حروف میں چمکتا رہیگا۔ امام شافعیؒ کے شیوخ اور اساتذہ کی تعداد جن سے اُنہوں نے علم حدیث و فقہ و قرآت حاصل کیا اس کثرت سے ہے کہ اسکا استقصا پورے طور پر ناممکن ہے اور اکثر تو ان میں ائمہ فن ہیں جنکے اقوال پر بخاری۔ مسلم وغیرہ محدثین کا تمامتر دارومدار ہے۔ ہم انکا ذکر علم حدیث کے ساتھ دوسرے حصہ میں کرینگے انشاء اللہ تعالیٰ۔ امام شافعیؒ کے فضل و کمال کی وجہ سے اُنکے اساتذہ بھی انکا نہائت اعزاز کرتے تھے اور اُنکے ساتھ بے انتہا تعظیم و تکریم سے پیش آتے تھے۔ امام شافعیؒ خود فرماتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ امام مالک کے پاس چند خراسانی گھوڑے اور مصری خچر موجود تھے اتفاق سے امام مالک کے سامنے میرے منہہ سے اُنکی تعریف نکل گئی۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ یہہ تمام گھوڑے وغیرہ میری طرف سے آپکے لئے ہدیہ ہیں میں نے کہا کہ آپ ان میں سے اپنے لئے ایک تو رہنے دیجئے فرمانے لگے کہ مجھے اس بات سے خدا تعالیٰ کے رُوبرو شرم آتی ہے کہ جس زمین میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک مدفون ہے میں اُسے گھوڑوں یا خچر وغیرہ جانوروں کے قدموں سے پامال کروں[۲] +

امام محمد بھی امام شافعیؒ کی نہائت تعظیم کرتے تھے اور اُنکے ساتھ کمال اعزاز و احترام سے پیش آتے تھے۔ ایک دن ہارون الرشید کے دربار کو جا رہے تھے راہ میں امام شافعیؒ ملے جو انکی ملاقات کو آتے تھے۔ امام محمد اُسی وقت گھوڑے سے اُتر پڑے۔ اور نوکر سے کہا کہ خلیفہ کے پاس جا کر میری طرف سے

---

[۱] حجۃ اللہ البالغہ [۲] مناقب الشافعی للرازی

عُذر بیان کر کہیں اسوقت حاضر نہیں ہو سکتا۔ امام شافعیؒ نے کہا آپ دربار میں تشریف لیجائیں۔ میں پھر کسی وقت حاضر ہونگا امام محمدؒ نے کہا نہیں وہاں جانا کچھ ایسا ضرور نہیں [51]۔

حضرت سُفیان بن عیینہؓ سے اگر کوئی شخص کسی آئت کی تفسیر یا کوئی فتویٰ دریافت کرتا تو وُہ امام شافعیؓ کی طرف اشارہ کر کے فرماتے کہ ان سے دریافت کر لو اور انکی مجلس میں امام شافعیؓ کو نہائت اعزاز کے ساتھ جگہ ملتی تھی اور خود بھی بعض اوقات امام شافعیؓ کی ذہانت وطباعی کے باعث اُن سے بعض آیتوں اور حدیثوں کی تفسیر دریافت کرتے۔ اور اُسکو سُنکر بے انتہا تعریفیں کرتے تھے [51]۔

امام شافعیؓ کی عمر بہ مشکل پندرہ برس کی ہوئی تھی کہ مسلم بن خالد زنجی نے انکو عام طور پر فتویٰ دینے کی اجازت دی اور فرمایا خدا کی قسم تیرے فتویٰ دینے کا وقت آگیا [52]۔ غرض امام شافعیؓ کے اساتذہ اُنکی بیحد عزت کرتے تھے اور جس طریق تعظیم وتکریم سے وُہ اس زمانہ کے بڑے بڑے جلیل القدر شیوخ اور اساتذہ سے ملتے تھے وُہ ہی طریق امام شافعیؓ کے ساتھ ملحوظ رکھا جاتا تھا۔

بیان اقسام عُلومِ امام شافعیؓ

یوں تو امام شافعیؓ نے بہت سے عُلوم میں اعلیٰ درجہ کا کمال حاصل کیا تھا مگر [1]علم قرأت [2]علمِ تفسیر [3]علمِ حدیث [4]علمِ فقہ [5]علمِ کلام [6]علمِ لُغت [7]علمِ طب [8]علمِ تاریخ [9]علمِ انساب [10]علمِ مناظرہ [11]علم ادب [12]علمِ نحو [13]علمِ عروض [14]علمِ فراست میں تو اُنہوں نے خصوصیت کے ساتھ شُہرت دنیاوی حاصل کی تھی۔ قرأتِ قرآن میں جو خُوبی اور کمال امام شافعیؓ نے پیدا کیا تھا ایسا بہت کم لوگوں کو حاصل ہُوا ہوگا۔ خاص فن قرأت کے علاوہ قُدرت نے امام شافعیؓ کو ایسا مؤثر لہجہ اور دلکش آواز بخشی تھی کہ جسوقت وُہ قرآن مجید پڑھنا شروع کرتے تھے لوگوں کے رونے کی آواز بلند ہوتی۔ بعضوں کی

---

[51] دیکھو توالی التاسیس۔ [52] دیکھو توالی التاسیس۔

ہچکی بندھ جاتی اور بہتیرے بیخود ہو ہو کر اُنکے آگے گر پڑتے اور یہانتک نوبت پہنچتی کہ انکو لوگوں کی بیہوشی اور کثرتِ بکا کے باعث اپنی قرائت موقوف کرنی پڑتی[۵۱]

اسکا باعث صرف امام شافعیؒ کی خوش الحانی ہی نہیں تھی بلکہ اس میں بڑا دخل انکی خلوصِ نیت اور اُس مؤثر و دلکش طریق کو تھا جس طریق سے اُنہوں نے قرآن مجید کی تعلیم پائی تھی۔ امام شافعیؒ کی سند قرأتِ قرآن مجید سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس طریق کے قاریوں کو اَور قاریوں پر ایک خاص قسم کا امتیاز حاصل تھا اور ساتھ ہی اسکے وُہ لوگ قرآن مجید کی تفسیر میں بھی اعلیٰ درجہ کا کمال رکھتے تھے۔ امام فخر الدین رازی امام شافعیؒ کی قرأتِ قرآن مجید کی سند کے باب میں مناقب الشافعیؒ میں لکھتے ہیں

کہ قَرَءَ الشَّافِعِیُّ الْقُرْاٰنَ عَلٰی اِسْمٰعِیْلَ بْنِ قُسْطُنْطِیْنَ وَکَانَ شَیْخُ مَکَّۃَ وَھُوَ عَلٰی شِبْلِ بْنِ عَبَّادٍ وَمَعْرُوْفِ بْنِ مِشْکَانَ وَھُمَا عَلٰی عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ کَثِیْرٍ وَھُوَ عَلٰی سَیِّدِ الْمُفَسِّرِیْنَ ابْنِ عَبَّاسٍ وَھُوَ عَلٰی سَیِّدِ الْقُرَّاءِ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ وَھُوَ عَلٰی صَاحِبِ الْوَحْیِ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ[۵۲]

اِس سند میں اگرچہ کل قُرّا اور قاریوں پر فوقیت رکھتے ہیں مگر ان میں سے مجاہد و ابن عباس و ابی بن کعب وُہ قُرّا ہیں جنکی نسبت خصوصیت کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ انکا ہمسر تمام دُنیا میں کوئی نہیں ہوا۔ امام بخاری کا تفسیر قرآن میں تمامتر دارومدار مجاہد پر ہے۔ مؤلفِ مشکوٰۃ لکھتا ہے کہ مجاہد تابعین اور مکے کے فقہا اور قاریوں میں سے ہے۔ اہل مکہ میں یہہ نہائت مشہور ہے اور جو عُلما رنہایت مشہور ہیں اُن میں ایک یہہ ہے قرأت اور تفسیر میں امام تھا اس سے ایک جماعت نے روائت لی ہے حضرت ابن عباس قرأتِ قرآن میں ایسا کمال رکھتے تھے کہ آنحضرت کے لب ہائے مُبارک کے جُنبش کی بھی نقل ادا فرماتے تھے اور کیوں نہ فرماتے جبکہ خود پیغمبر خُدا صلّی اللہ علیہ وسلم نے انکو اپنے سینۂ مُبارک سے لگا کر اس طرح پر دُعا فرمائی اَللّٰھُمَّ عَلِّمْہُ الْکِتَابَ یعنی اے بارِ خُدا اس کو

۵۱ دیکھو مناقب الشافعی امام رازی ۵۲ مناقب الشافعی امام

قرانِ مجید کا علم سکھادے۔ یہ حضرت ابی بن کعب سودہ سید القرّار کے لقب سے ملقب ہیں۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قرآن مجید چار شخصوں سے سیکھو۔ عبداللہ بن مسعود۔
سالم۔ معاذ۔ ابی بن کعب۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ ہم میں ابی بن کعب سب سے بڑھکر قاری ہیں۔[۱]

امام شافعیؒ سے مشہور قرأتوں کے علاوہ بعض خاص قرأتیں بھی منقول ہیں لیکن جو قرأتیں ان سے نقل کی گئی ہیں ان میں بالضرور کوئی نہ کوئی ایسا ظاہری یا باطنی نکتہ پایا جاتا ہے جس سے وہ قرأتیں نہایت پُر لطف اور شیریں معلوم ہوتی ہیں اور طبیعت بے ساختہ اُن کے قبول کرنے کیطرف مائل ہوتی ہے چنانچہ ہم ایسی قراءتوں کی مثالیں دُوسرے حصّے میں امام صاحب کی علمی زندگی کے تذکرہ میں بیان کرینگے انشاء اللہ تعالیٰ۔

ادب و شاعری ایک ایسی چیز ہے جو اہلِ عرب کے جملہ فنون کی جان اور انکی قومی زندگی کی رُوح و روان ہے۔ وہ اُنکے لئے وصف اکتسابی نہیں ہے بلکہ ایک فطری و خلقی وصف ہے جو ہر اہلِ عرب کا بچّہ اپنی ماں کے پیٹ سے اپنے دل و دماغ میں لیکر پیدا ہوتا ہے۔ امام شافعیؒ کا جو اعلیٰ رُتبہ بلحاظ قوم و نسب کے تھا ویسا ہی اعلیٰ درجہ خُدا نے ادب و شاعری کے کمالات میں دیا تھا۔ مگر اُنھوں نے اپنے اہل زمانہ کی طرح اِس عطیّۂ الٰہی کو اُمراء وقت کی مدح سرائیوں یا ہجوگوئیوں میں صرف نہیں کیا۔ خُدا تعالیٰ نے جو قوّتِ جذب اور معنی آفرینی کا وصف اُنکے دل کو بخشا تھا اسکو وہ اس سے برتر اور اعلیٰ سمجھتے تھے کہ دُنیا کے فانی اور ذلیل مقاصد میں اسے صرف کیا جائے انکا کلام عموماً بے ثباتیٔ دُنیا و دیگر مکارمِ اخلاق و نصائح پر مشتمل ہے۔ انکے الفاظ نہایت سلیس اور ترکیبیں بالکل قدرتی ہیں۔ غیرمانوس اور غریب الفاظ سے اجتناب کلّی کیا گیا ہے۔ الفاظ کی بندش بتاتی ہے کہ وہ نہایت بے تکلّفی سے نظم کہتے تھے۔ باوجود اس بے تکلّفی کے بعض مواقع میں تمثیل و

---

[۱] دیکھو صحیح بخاری۔

تشبیہہ و دیگر صنائع کا التزام کر کے کلام میں نمکینی اور چستی پیدا کرتے ہیں۔ ہم اس جگہ انکا کچھ کلام بطور نمونہ نقل کرتے ہیں +

للامام الشافعی	امام شافعی کہتے ہیں
اذا اصبحت عندی قوت یومٍ	اے نیک بخت جب میرے پاس ایک دن کا
فخل الھمّ عنّی یا سعید	رزق موجود ہو تو میری روزی کا غم چھوڑ دے۔
ولا یخطر ھموم غد ببالی	اور کل کی روزی کا غم میرے دل میں کبھی نہیں
فان غدا له رزق جدید	گذرتا کیونکہ کل کے لئے اور نیا رزق ہے۔
اسلم ان اراد اللّٰهُ امرًا	خدا جو کچھ چاہتا ہے میں اُسے تسلیم کرتا ہوں۔
واترك ما ارید لما یرید	اور اپنا ارادہ اس کے ارادہ پر چھوڑ دیتا ہوں۔
وله	
لا خیر فی حشو الکلام	جب تو بات کی اصلیت سمجھ جائے تو پھر
اذا اھتدیت الی عیونه	فضول بک بک کرنے کا کچھ فائدہ نہیں ہے
والصمت اجمل بالفتی	اور آدمی کے لئے بے محل کلام کرنے سے
من منطق فی غیر حینه	یہہ زیادہ بہتر ہے کہ وہ خاموش ہی رہے۔
وعلی الفتی لطباعه	ہر شخص کی پیشانی پر ایک نشان ہوتا ہے جسکو
سمة تلوح علی جبینه	پڑھکر اس کی طبیعت کا حال معلوم ہوسکتا ہے
من ذا الذی یخفی علیك	ایسا کون شخص ہے کہ تو اسکے دوست کو دیکھے
اذا نظرت الی قرینه	اور پھر اس کا حال تجھ سے پوشیدہ رہے۔

وَلَہٗ

عواقب مکروہ الامور خیار
وایام شر لا تدوم قصار
ولیس بباق بوسها ونعیمها
اذا کر لیل ثم کر نہار

سخت امور کا انجام اچھا ہوتا ہے۔ اور مصیبت کے دن چھوٹے ہوتے ہیں اور وہ سدا نہیں رہتے انکی تکلیف اور ان کی خوشی ایک حال پر نہیں رہتی ہے بلکہ رات کے بعد دن آتا ہے۔

وَلَہٗ

ما حك جلدك مثل ظفرك
فتول انت جمیع امرك
واذا قصدت لحاجة
فاقصد لمعترف بفضلك

اگر تیرے بدن میں کھجلی اٹھے تو اسکا کھجانیوالا اپنے ناخونوں سے بہتر کوئی نہیں۔ اپنے ہر کام کو خود ہی سنبھال۔ اور جب تجھے کوئی ضرورت پڑے تو ایسے شخص کے پاس جا جو تیری بزرگی کا قایل ہو

وَلَہٗ

اری نفسی تکلفنی امورا
یقصر دون مبلغهن مالی
فلا نفسی تطاوعنی بشح
ولا مالی یبلغنی فعالی

میں خیال کرتا ہوں کہ میرا نفس مجھے ایسے کاموں کی تکلیف دیتا ہے جو میرے مال کی رسائی سے باہر ہیں۔ سو میرا دل نہ حرص کی تابعداری کرتا ہے نہ میرا مال مجھے میرے کاموں تک پہنچاتا ہے۔

وَلَہٗ

احب من الاخوان کل مواتی
وکل غضیض الطرف عن عثراتی

میں اپنے ہر ہمخیال بھائی سے محبت رکھتا ہوں اور ہر ایسے شخص سے جو میری لغزشوں سے اغماض کرے۔

* غالبًا یہ اشعار امام صاحب کے ابتدائی عسرت کے زمانے کے ہیں۔

يصاحبني في كل امرٍ احبه
ويحفظني حيًا وبعد وفاتي
تصفحت اخواني فكان اقلهم
على كثرة الاخوان اهل ثقات
فمن لي بهذا الامر ليت اني اصبته
فقاسمته مالي مع الحسنات

اور جس کام کو میں پسند کروں اس میں وہ میرا ساتھ
دے میرے جیتے جی اور مرنے کے بعد میرا محافظ بنا رہے
سو میں نے اپنے لئے بھائی تلاش کئے۔ بھائی ملے
تو بہتیرے مگر بھروسے کے قابل بہت کم نکلے۔ پس
میری اس مشکل کو آسان کرنے والا کون ہے۔ کاش
وہ مجھے ملے کہ میں اس پر اپنا کل مال متاع بانٹ دوں۔

ولہ

يامن تغدر بالدنيا وزينتها
والدهر ياتي على المبنى والباني
ومن يك عزه الدنيا وزينتها
فعزة عن قليل زائل فان
واعلم ان كنوز الارض من ذهبٍ
فاجعل كنوزك من برٍ وايمانٍ

دُنیا اور دُنیا کی زینت پر دھوکا کھانے والو یاد رکھو
کہ زمانہ مکان اور بانی مکان دونوں کو پامال کریگا۔
جسکو دُنیا کی عزت اور زینت پسند ہو اسکو ہو رہے
عزت جلد جانیوالی اور فنا ہونیوالی ہے جان رکھو کہ
دُنیا میں خزانے سونے سے بھرے جاتے ہیں مگر تم
اپنے خزانے نیکی اور ایمان سے بھرو۔

ولہ

اذا رافقت في الاسفار قومًا
فكن لهم كذي الرحم الشفيق
يعيب النفس ذا وبصر وعلم
واعمى العين عن عيب الرفيق

جب کسی کے ساتھ سفر کرنے کا تم کو اتفاق ہو تو اپنے
ہمراہیوں کے ساتھ سگے بھائیوں کی سی محبت کرو دانا
اور صاحب علم شخص اپنے عیب کو دیکھتا ہے اور اپنے
رفیق کے عیب سے چشم پوشی کرتا ہے۔

ولہ

ولا تاخذن بعثرة كل قوم
ولكن قل هلم الى الطريق
فان تاخذ بعثرتهم يقلوا
وتبقى فى الزمان بلا صديق

یہہ ٹھیک نہیں کہ تم سب لوگوں کی غلطیاں پکڑا
کرو بلکہ انکو یہہ سمجھاؤ کہ بھائی اس راستے پر چلو
غلطیاں پکڑتے رہوگے تو انکی تعداد کم ہوجائیگی
جسکا نتیجہ یہہ ہوگا کہ دنیا میں تمہارا کوئی دوست نہ رہیگا۔

وله

تركت مطامعى وارحت نفسى
فان النفس ما طمعت تهون
واحييت القنوع وكان ميتا
وفى احيائه عرضى مصون
اذا طمع الم بنفس عبد
علته مذمة وعلاه هون

میں نے لالچ کو چھوڑ دیا ہے اور اپنے آپ کو آرام دیا۔
نفس جسقدر لالچ کرتا ہے اُسی قدر وہ ذلیل ہوتا ہے
میں نے قناعت کو جو بالکل مُردہ تھی زندہ کیا۔ اور
قناعت کی زندگی میں میری عزت کی بھی حفاظت
ہے جب انسان کے دل میں لالچ گھر کر لیتا ہے تو
وہ آدمی روز بروز بُرا اور ذلیل ہوتا چلا جاتا ہے۔

وله

اذا ما خلوت الدهر يوما فلا تقل
خلوت ولكن قل علىّ رقيب
ولا تحسبن الله يغفل ساعة
ولا ان ما يخفى عليه يغيب
غفلنا لعمر الله حتى تداركت
علينا ذنوب بعدهن ذنوب

کسی روز تو اکیلا ہو تو یہہ مت کہہ کہ میں تنہا
ہوں بلکہ یہہ کہ مجھ پر ایک نگہبان ہے۔
اللہ کو ایک ساعت کے لئے بھی یہہ مت سمجھ
کہ وُہ غافل ہے یا پوشیدہ چیزیں اس سے بھی
پوشیدہ ہیں۔ بخدا ہم غفلت میں پڑے رہے یہانتک
کہ آخرکار پے در پے گناہوں نے ہم کو دبا لیا۔

وله

فیالیت انّ اللہ یغفر ما مضیٰ
ویاذن فی توبا تنا فنثوب

کاش اللہ ہمارے گذشتہ گناہوں کو بخشدے
اور ہماری توبہ قبول کرے کہ ہم ثواب پائیں ۔

وَلہٗ

اذا ہبت ریاحک فاغتنمہا
فعقبیٰ کلّ خافقۃ سکون
ولا تغفل عن الاحسان فیہا
فلا تدری السّکون متی یکون

جب تک ہوائے زمانہ تیرے رُخ پر رہے تو اسکو
غنیمت جان کیونکہ ہر متحرک کا انجام سکون ہے
اور ایسے وقت میں احسان کرنے میں غفلت نہ کر
کیا معلوم کہ وہ سکون کب ہو جائیگا ۔

وَلہٗ

لعمرک ما الرزیّۃ ہدم دار
ولا شاۃ تموت ولا بعیر
ولکنّ الرزیّۃ موت حرٍّ
یموت بموتہٖ خلق کثیر

تیری جان کی قسم گھر کا گرنا کوئی بڑی مصیبت
نہیں ہے ۔ نہ بکری یا اُونٹ کا مرنا ۔ بلکہ شریف
شخص کی موت جس کے مرنے سے ایک جہان
مرجاتا ہے بڑی مُصیبت ہے ۔

وَلہٗ

انّی بلیت باربع یرمیننی
بالنّبل عن قوس لہن صریر
ابلیسُ والدّنیا ونفسی والھویٰ
انّی یفر من الھویٰ نحریر

مُجھ کو چار چیزوں سے پالا پڑا ہے ۔ جو مُجھ پر
گونجنے والے تیر برساتی ہیں ۔ شیطان ۔ دُنیا ۔
نفس ۔ ہوا و ہوس ۔ یقیناً دانشمند ہوا و ہوس
سے بھاگتا ہے ۔

وَلہٗ

اذا کنت لا تدری ولا انت بالّذی
تسایل من یدری فکیف اذن تدری

جب تو خود نہیں جانتا اور نہ جاننے والوں سے
پُوچھتا ہے تو پھر کس طرح جان سکتا ہے ۔

ولو كنت تدري او تدريت لم تكن
تخالف من يدري على علم من يدري

اگر تو جانتا ہوتا یا جاننے کی کوشش کرتا تو
تو جان بوجھ کر جاننے والے کا مخالف نہ ہوتا۔

وَلَهُ

حسبي بعلمي ان نفع
ما الذّل الا في الطمع
من راقب الله رجع
من سوء ما كان صنع
ما طار طير فارتفع
الا كما طار وقع

میرا علم میرے لئے کافی ہے بشرطیکہ نفع
بخشے ذلّت ہے تو صرف طمع میں ہے ۔ جو
شخص خدا سے ڈرتا ہے تو وہ اپنے بُرے
اعمالوں سے باز آجاتا ہے۔ وہ ایسا کونسا
پرندہ ہے جو اُڑکر بلند ہوا ہو اور جس طرح اڑا ہو
اُسی طرح پھر نیچے نہ اُترا ہو۔

وَلَهُ

لا تأس في الدُّنيا على فائت
وعندك الاسلام والعافية
ان فات امر كنت تسعى له
ففيهما من فائت كافية

دُنیا میں کسی ضائع ہونیوالی چیز پر افسوس نہ کر
جب کہ تیرے پاس اسلام اور عافیت ہے۔
اگر کوئی امر جس کے لئے تو کوشش کرتا رہا تھا فوت
ہوجائے تو ان دونوں کو اسکی تلافی کیلئے کافی سمجھ

وَلَهُ

المرء يحظى ثم يعلو ذكره
حتى يزين بالذي لم يفعل
وترى الشقي اذا تكامل عيبه
يشقى ويخلى كلّ ما لم يعمل

صاحب نصیب شخص کی اُونچی اُونچی تعریفیں کیجاتی ہیں
یہانتک کہ ایسے کارنامے اسکی طرف منسوب کیے جاتے ہیں جو اُسنے
نہیں کیے اور بدنصیب کا یہہ حال ہے کہ جب اسکے عیب کامل ہوجاتے
ہیں تو وہ بدبخت ہوجاتا ہے اور ہر ناکردہ عیب اُسپر تھوپا جاتا ہے۔

وَلَہٗ

وانزلنی طول النوئے دار غُربۃ
یجاورنی من لیس مثلی یشاکل
فجانبتہ حتی یقال سجیۃ
ولوکان ذا عقل لکنت اعاقلہ

طُول جدائی نے مجھ کو ایسی دار غربت میں پہنچایا کہ مجھے غیر جنس کو ہمسایہ بنانا پڑا - میں اس سے کنارہ کرتا رہا - یہانتک کہ یہہ میری عادت مشہور ہوگئی - اگر اُسے عقل ہوتی تو میں اُسے سمجھاتا بھی

وَلَہٗ

ومن الشقاوۃ ان تحب
ومن تحب یحب غیرک
اوان ترید الخیر للانسان
وھو یرید ضیرک

یہہ نہائت بدنصیبی کی بات ہے کہ تم تو کسی کے ساتھہ محبت کرو اور وُہ شخص تمہارے سوا کسی اور سے محبت رکھے یا تم کسی شخص کی خیر خواہی کرو اور وُہ تمہاری بدخواہی کرے -

وَلَہٗ

اذا المشکلات تصدین لی
کشفت حقائقھا بالنظر
وان برقت لی مخیل السحاب
عمیاء لا تجلیھا الفکر
معقبۃ بغیوب الغیوم
وضعت علیھا حسام البصر
ولست بامّعۃ فی الرّجال
اسائل ھذا وذا ما الخبر

جب مجھے مشکلات پیش آتی ہیں تو میں غور کے ساتھہ ان کی حقیقت معلوم کرلیتا ہوں اور اگر تاریکی والے گھرے بادل نمودار ہوتے ہیں جس میں فکر کی روشنی کام نہیں دیتی تو میں اُن پر بصارت کی تلوار رکھتا ہوں - اور میں ایسا سست رائے شخص نہیں ہوں کہ ہر کس و ناکس سے سوال کرتا پھروں +

ولکنّنی مدارۃ الاصغرین
اقضی بما قد مضی ما غبر

میرا دل اور زبان قوی ہیں - میں حال کو ماضی پر قیاس کرلیتا ہوں -

---

وَلَہٗ

شکوت الی وکیع سوءَ حفظی
فاوصانی الی ترک المعاصی
لانَّ الحفظ فضلٌ من الٰہٖ
وفضلُ اللّٰہِ لا یُعطی لعاصٍ

میں نے اپنے اُستاد وکیع سے کم حافظے کی شکائت کی اُنہوں نے مجھے گناہوں کے ترک کرنیکی نصیحت کی - کیونکہ قوت حافظہ اللہ کے فضل کی نشانی ہی اور اللہ کا فضل گنہگار پر نہیں ہوتا -

---

وَلَہٗ

واکثر من الاخوان ما استطعت انّهم
بطون اذا استنجدتهم فظهور
ولیس کثیرا الف خل لعاقل
وان عدوا واحدا لکثیر

تجھ سے جہانتک ہوسکے اپنے بھائیوں کو بڑھا کیونکہ جسوقت تو اُن سے مدد چاہیگا تو وُہ تیرے لئے پشت وپناہ ہونگے عاقل کے لئے ہزار دوست بھی بہت نہیں ہیں - مگر دشمن ایک بھی بہت ہی -

---

وَلَہٗ

ومنزلۃ السفیہ من الفقیہ
کمنزلۃ الفقیہ من السفیہ
فھٰذا زاھدٌ فی علم ھٰذا
وھٰذا فیہ ازھد منہ فیہ
اذا غلب الشقاء علی سفیہ
تنطّع فی مخالفۃ الفقیہ

بیوقوف کا مرتبہ فقیہہ کے نزدیک ایسا ہی ہی جیسا فقیہہ کا مرتبہ بیوقوف کے نزدیک - بیوقوف شخص فقیہہ کے علم کا تارک ہے - اور فقیہہ اسکے علم کا تارک اس سے بڑھکر ہے - جب بیوقوف پر بدبختی غالب ہوتی ہے تو وُہ فقیہہ کی مخالفت میں زباندرازی کرتا ہے -

وله

المرءُ ان كانَ عاقلا ورعا
يشغله عن عيوبهم ورعه
كما العليل السّقيم يشغله
عن وجع النّاس كلهم وجعه

جو شخص عاقل اور پرہیزگار ہوتا ہے اسکی پرہیزگاری
اسکو لوگوں کی عیب گوئی سے روکے رکھتی ہے
جیسے سخت بیمار کو اس کی بیماری تمام لوگوں کی
بیماریوں سے غافل کر دیتی ہے۔

وله

اراني ارى نفسي تتوق الى مصر
ومن دونها ارض المفاوز والقفر
فوالله ما ادرى اللفوز والغنى
اساق اليها ام اساق الى قبري

میں اپنے نفس کو مصر اور اسکے علاوہ اس کے
جنگل اور بیابانوں کی سیر کا مشتاق پاتا ہوں
بخدا میں نہیں جانتا کہ میں اپنی مراد دلی اور غنا
کی طرف پہنچایا جاؤنگا۔ یا قبر کی طرف۔

وله

يا راكبا قفْ بالمحصب من منى
واهتف بساكنها خيفها والناهض
سحرا اذ افاض الحجيج الى منى
فيضا كما نظم الفرات الفائض
ان كان رفضا حب آل محمد
فليشهد الثقلان اني رافضي

اے شتر سوار منا کے مقام محصب میں ٹھہر اور
صبح کو جسوقت حاجی سیل فرات کی طرح منا کیطرف
چلیں تو خیف اور ناحض کے رہنے والوں کو
پکار کر کہدے۔ کہ اگر آل محمد کی محبت ہی رفض
ہے۔ تو دونوں جہان گواہ رہیں کہ بے شک
میں رافضی ہوں۔

وله

قالوا ترفضت قلت كلّا
ما الرفض ديني ولا اعتقادي

لوگ کہنے لگے کہ تو تو رافضی ہوگیا ہے۔ میں نے
جواب دیا کہ میرا دین یا اعتقاد رافضیوں کا سا نہیں ہے

لکن توالیت غیر شك
خیر امام وخیر هادی
ان کان حب الولی رفضا
فاننی ارفض العباد

لیکن میں سب سے اچھے امام اور اچھے ہادی کے ساتھ
دوستی رکھتا ہوں۔ اور اگر اس ولی کے ساتھ
دوستی رکھنے سے ہی آدمی رافضی ہو جاتا ہے
تو کچھ شک نہیں ہے کہ میں سب سے بڑا رافضی ہوں۔

وله

اذا نحن فضلنا علیا فاننا
روافض بالتفضیل عند ذوی الجهل
وفضل ابی بکر اذا ما ذکرته
رمیت بنصب عند ذکری للفضل
فلا زلت ذا نصب ورفض کلیهما
بحبیهما حتی اوسد فی الرمل

جب ہم نے علی فضیلت دی تو بے شک ہم
بسبب تفضیل کے جاہلوں کے نزدیک رافضی ہیں
اور جس وقت میں فضائل ابوبکر کا ذکر کرتا ہوں تو
اسوقت مجھ پر ناصبی ہونیکی تہمت لگائی جاتی ہے
غرض بوجہ محبت ہر دو میں رافضی اور ناصبی دونوں
ہوں اور اسی حال میں ایک روز قبر میں جا سوؤنگا

وله

یا اهل بیت رسول الله حبکم
فرض من الله فی القرآن انزله
کفاکم من عظیم القدر انکم
من لم یصل علیکم لا صلوة له

اے اہلبیت رسول خدا تمہاری محبت اللہ تعالی نے
قرآن مجید میں جو اس نے نازل کیا ہی فرض ٹھہرائی ہے
تمہارے شان کی عظمت کے لئے یہہ بات کافی ہے کہ
جس نے تم پر درود نہیں پڑھا اسکی نماز قبول نہیں۔

وله

وذی حسد یغتابنی حیث لا یری
مکانی ویثنی صالحا حیث اسمع

حاسد میری پیٹھ پیچھے تو میری غیبت کرتے ہیں اور
میرے روبرو جب میں انکی باتیں سنتا ہوں تو میری

تورعت ان اغتابه من ورائه
وما هو اذ یغتابنی متورع

بہت تعریف کرتے ہیں میں نے پرہیز کیا کہ اسکی پیٹھ پیچھے اسکی برائی کروں۔ مگر وہ پرہیزگار نہیں کیونکہ وہ میری غیبت کرتا ہے

وله

اذا لم تصن عرضا نفسا ولم تخش خالقاً
وتستحی مخلوقا فما شئت فاصنع

جب تجھے اپنی عزت کا پاس نہیں اور خدا کا خوف نہیں اور لوگوں سے حیا نہیں تو جو جی چاہے سو کر۔

اگرچہ امام شافعی نے شاعری کی طرف توجہ نہیں کی اور جوں جوں انکے علم و فضل کا پایہ بلند ہوتا گیا انکو شعر سے نفرت ہوتی گئی لیکن عرب اور پھر قریش ہو کر یہہ کب ممکن تھا کہ شاعری سے جو انکے رگ و ریشے میں ماں باپ کے خون اور سرزمین عرب کی ہوا نے بھر دی تھی خالی رہتے۔ شاعری کو برا کہتے جانتے تھے اور قصد کرتے تھے کہ شعر نہ کہوں مگر اشعار بلا قصد انکی زبان سے نکلتے تھے۔ چنانچہ ایک مقام پر وہ اس امر کی خود تصریح کرکے کہتے ہیں کہ اگر علما کے نزدیک

ولولا الشعر بالعلماء یزری
لکنت الیوم اشعر من لبید

شعرگوئی مذموم نہ ہوتی تو میں آج لبید سے بھی بڑھکر شاعر ہوتا۔

نقل ہے کہ عباس الازرق جو ایک مشہور شاعر گذرا ہے ایک مرتبہ انکے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے ابو عبداللہ میں نے چند اشعار کہے ہیں اگر تو مثل انکی کہدے تو میں شعرگوئی سے توبہ کرونگا پھر اس نے یہہ اشعار پڑھے *

ما همتی الا مقارعة العدا
خلق الزمان وهمتی لم تخلق
والناس اعینهم الی سلب الغنی
لا یسالون عن الحجی والا ولق

دشمنوں سے لڑنے کے سوا اور کسی کام کی مجھ میں ہمت نہیں۔ زمانہ پرانا پڑ گیا مگر میری ہمت پرانی نہیں ہوئی لوگوں کی آنکھیں اسباب دولتمندی کی طرف لگی ہیں۔ وہ عقلمندی اور بے وقوفی کو نہیں پوچھتے ہیں۔

* توالی التاسیس۔

لوکان بالحیل الغنی لوجدتنی	اگر غنا کا حصول حیلوں پر ہوتا تو تو مجھ کو ضرور ہی
بنجوم اقطار السمّاء تعلّقی	کنارہ ہائے آسمان کے تاروں پر پہنچا پاتا۔

امام شافعیؒ نے فی البدیہہ یہہ اشعار کہے۔

انّ الّذی رزق الیسار فلم یصب	جس شخص کو خدا نے آسودہ حال کیا پھر اُس نے
حمدا ولا شکر الغیر موفق	نہ خدا کی حمد کی نہ شکر ادا کیا وُہ بے توفیق ہے۔
الجدید نی کلّ امر شاسع	نصیب ہر امر بعید کو قریب کر دیتا ہے اور
والجدّ یفتح کلّ باب مغلق	نصیب ہی ہر بند دروازے کو کھول دیتا ہے۔
فاذا سمعت بان مجدودا حوی	سو اگر تو سُنے کہ صاحب نصیب نے ایک خشک لکڑی
عودا فاثمر فی یدیه فصدق	ہاتھ میں لی اور وہ پھل لے آئی تو تو اس کو باور کر لے۔
واذا سمعت بان محروما اتیٰ	اور جب تو یہہ سُنے کہ بدنصیب پانی پینے گیا اور
ماء لیشربه فغاض محقق	وُہ پانی میں دھس گیا تو تو یہہ بھی سچ سمجھ۔
ومن الدلیل علی القضاء وکونه	تقدیر الٰہی کے ہونے پر ایک یہہ بڑی دلیل ہے کہ
بوس اللبیب وطیب عیش الاحمق	دانا عُسرت میں مبتلا ہیں اور احمق عیش اُڑا رہے ہیں
لوکان بالحیل الکبیر وجدتنی	اگر بڑائی حیلوں پر منحصر ہوا کرتی تو تو میرا تعلق
باجل اسباب السمّاء تعلّقی	بڑے بڑے اسباب آسمانی کے ساتھہ پاتا۔
لکن من رزق الحجی عدم الغنی	لیکن جسے عقل دی گئی ہے وُہ رزق سے محروم رکھا
ضدان مفترقان ای تفرّق	گیا ہے۔ یہہ دونوں ایسی ضدیں ہیں جنکا جمع ہونا
ولربما عرضت نفسی فکرة	محال ہے۔ بارہا میرے دل میں ایسا خیال آیا کرتا ہے
فاود منها انّنی لم اخلق	جس سے دل یہہ چاہنے لگتا ہے کہ کاش میں پیدا ہی نہ کیا جاتا۔

من لا يحبّ العلم لا خير فيه ولا يكن
بينك وبينه معرفة ولا صداقة +
من اظهر شكرك بما لم تأت اليه
فاحذر ان يكفر نعمتك فيما اتيت
اليه + من علامة الصّديق ان يكون
لصديق صديقه صديقا + انّك
لا تقدر ان ترضي النّاس كلّهم فاصلح
ما بينك وبين الله ثم لا تبال بالنّاس +
من استغضب فلم يغضب فهو حمار +
من استرضي فلم يرض فهو شيطان +
التّلطّف في الحيلة اجدى من الوسيلة
لا تشاور من ليس في بيته دقيق + ما ضحك
من خطا رجل الا ثبت صوابه في قلبه +
ترك العبادة ذنب مستحدث + ليس
من المروة ان يخبر الرّجل بسنّه +
من تعلّم القرآن عظمت قيمته و
من نظر في الفقه نبل قدره ومن
كتب الحديث قويت حجّته ومن
نظر في اللغة رقّ قلبه ومن نظر في الحساب

تیری ایسی مہربانی کا شکر گذار ہو جو تو نے نہیں کی
ہے۔ تو تو ڈر کہ وہ کہیں تیری ایسی مہربانی کا انکار
نہ کرے جو تو نے اس پر کی ہے۔ دوست کی پہچان
یہہ ہے کہ دوست کے دوست کا دوست ہو۔ سب کو
تو ہرگز خوش نہیں رکھہ سکیگا پس تو خدا کے ساتھ
اپنا معاملہ صاف رکھہ اور لوگوں کی کچھ پروا نہ کر جسکو
غصہ دلایا جائے اور اُسے غصہ نہ آئے وُہ گدھا
ہے۔ اور جو راضی کرنے سے راضی نہ ہو وہ شیطان ہے
حُسن تدبیر وسیلے سے زیادہ نافع ہے۔ جسکے گھر میں آٹا
نہیں اس سے مشورہ کیا لینا۔ جسکی غلطی پر ہنسی
کیجائے اسکے دل میں ضرور اصلاح پیدا ہوتی ہے۔
خدا کی عبادت نہ کرنا گناہ اور بدعت ہے کسی شخص کو
اسکی عمر بتلانی مناسب نہیں۔ قرآن کی تعلیم سے
آدمی کی قدر۔ اور فقہ سے عزت بڑھتی ہے۔ حدیث
لکھنے سے قوت دلیل۔ لغت پر غور کرنے سے
رقت قلب۔ حساب سیکھنے سے متانت رائے حاصل
ہوتی ہے۔ جو بدی سے نہ بچا اسکو علم نے کیا کام دیا۔
جو تجھ سے چغلی کھاتا ہے وُہ تیری بھی چغلی کھائیگا۔
جو اوروں کی باتیں تجھکو سناتا ہے وہ تیری اوروں کو

[illegible] لم يصن نفسه
لم ينفعه علمه + من نم لك نم بك
ومن نقل اليك نقل عنك + من اذا
ارضيته قال فيك ماليس فيك كذالك
اذا اغضبته قال فيك ماليس فيك +
ليس العاقل الذی يدفع بين الخير والشر
فيختار الخير ولكن العاقل من يختار
اخيرهما + ما اوردت الحق والحجة على احد
فقبلها منی الاهبته واعتقدت مودته
ولا كابرنی على الحق احد ودافع الحجة
الاسقط من عينی + اشد الاعمال ثلثة
الجود من قلة والورع فی خلوة وكلمة حق
عند من يرجی ويخاف + العلم حر
وطالبه عبد فان خدم العبد قبله العلم
وان تبختر عليه فالعلم اولی بان يتبختر
عليه + الكلام يقظة العقل والسكوت
نومه فانظر كيف مراعاتك له فی يقظته
ونومه + العاقل من عقله عقله عن
كل مذموم + لو علمت ان شرب الماء البارد

سنائیگا جو شخص خوشی میں تیرے وہ اوصاف بیان
کرے جو تجھ میں نہیں وہ ناراضی میں وہ عیوب
بیان کریگا جو تجھ میں نہیں - عاقل وہ شخص نہیں
جو خیر اور شر میں پڑکر خیر کو ہی اختیار کرے بلکہ وہ
جو بہترین بات اختیار کرے جب کبھی میں نے حق اور
حجت کسی پر پیش کی اور اسنے اسے قبول کرلیا تو میرے
دل میں اسکی ہمیشہ ہیبت اور مودت بیٹھی اور جس نے
مجھے حق پر مکابرہ اور مجادلہ کیا وہ ضرور میری آنکھوں
سے گرگیا - تین کام بڑے ہی مشکل ہیں قلت میں
سخاوت - خلوت میں تقوی - اور بیم ورجا کی جگہ صاف
صاف سچ بات کہدینی - علم آزاد ہے اور طالب علم
اسکا غلام - غلام خدمت کریگا تو آقا اسے قبول کریگا
اور اگر ناز کریگا تو علم کا حق ناز برداری پر زیادہ ہے
کلام عقل کی بیداری ہے اور خاموشی اسکی خواب
ہے - پس سوتے جاگتے ہر حال میں اسکا لحاظ
مناسب رکھو - عاقل وہ ہے جس کی عقل اسے
برائی سے روکے - اگر مجھے معلوم ہو کہ ٹھنڈے
پانی پینے سے انسانیت پر بٹا لگتا ہے تو میں
کبھی پانی نہ پیوں - جلدی موجب محرومی ہے

ينقص من مروتي شيئاً ماشريته +
العجلة توجب الحرمان والرفق وسيلة
الى الوجدان + عاشر كرام الناس تعش
كريما ولا تعاشر لئام الناس فتنسب
الى اللوم + من صدق في اخوة انسان
قبل علله وسد خلله وغفر زلله + من
اعتذر عن ذنب لم يذنبه فقد اوجب
على نفسه ذنبا + السفلة من تكون
اكرامه لمخالفيه اكثر من اكرامه لاهل
مذهبه لانه يريد ان يجعل العدو
وليا بنفاقه وذلك لايكون + لاسرور
بعدل صحبة الاحرار ولاهم بعدل
فراقهم + لاتقصر في حق اخيك اعتمادا
على مودته + ان الله خلقك حرا فكن
كما خلقك + من سمع باذنه صار حاكيا
ومن اصغى بقلبه صار واعيا ومن وعظ
فعمل صار هاديا + من وعظ اخاه سرا
فقد نصحه وزانه ومن نصحه علانية
فقد فضحه وشانه + الحرية هي الكرم

اور آہستگی موجب کامیابی شریفوں کی صحبت
بزرگ اور بروں کی صحبت برا بناتی ہے۔ جس نے
سچی طرح انسان کا حق برادری ادا کیا اس کی
خرابیاں دور ہوئیں۔ اور گناہ بخشے گئے۔ ناکردہ
گناہ کا عذر کرنا اپنے ذمے گناہ لینا ہے۔ بیوقوف
آدمی اپنے مخالفین کی عزت اپنے اہل مذہب
سے بھی زیادہ کرتا ہے وہ ریاکاری کے ساتھ
دشمنوں کو دوست بنانا چاہتا ہے اور یہہ ہو
نہیں سکتا۔ نہ شرفا کی صحبت چھوڑنی کچھ خوشی
ہے نہ جدائی چھوڑنی کچھ رنج۔ بھائی کی محبت کے
بھروسے پر اسکے حق میں کوتاہی نہ کر۔ اللہ نے
تجھے آزاد پیدا کیا پس آزاد ہی رہ۔ کان سے
سننے والا راوی ہے۔ دل سے سننے والا
واعی۔ اس پر عمل کرانیوالا ہادی۔ اپنے بھائی
کو علیحدگی میں سمجھانا نصیحت وزینت ہے اور
علانیہ نصیحت کرنی رسوائی وبدنامی ہے۔
شرافت کرم اور تقوی کا نام ہے جس میں یہہ
دونوں وصف ہوں وہ شریف ہے۔ تواضع
اہل کرم کی نشانی ہے اور تکبر لئیم اشخاص کی

والتقوی فاذا اجتمعا فی شخص فهو مُ +
التواضع من اخلاق الکرام والتکبر من
شیم اللئام + الودیعة لایقبلها الاخائن
او احمق + اذا کثرت علیك الحوائج
فابدا باهمها + من احب الدنیا کان
عبد الاهلها + فقر العلماء فقر اختیا
وفقر الجہال فقر اضطرار + من رضی
بالقنوع زال عنه الخضوع + من احب
ان یفتح الله علی قلبه نور الحکمة
فعلیه بالخلوة وقلة الاکل وترك مخالطة
السفهاء وبغض العلماء الذین لیس
معهم دین ولا ادب + لا تتکلم فیما
لایعنیك فانك اذا تکلمت بالکلمة
ملکتك ولم تملکها + العلم جهل عند
اهل الجهل کما ان الجهل جهل عند
اهل العلم + کفی للعلم فضیلة انه
یدعیه من لیس فیه وکفی للجهل سوءًا
بان یتبرأ منه من هو فیه ویغضب
اذا نسب الیه + الکرم یغطی عیوب الدنیا

امانت کو اہل خیانت قبول کرتے ہیں یا اہل
حماقت۔ جب تجھ پر کام کی کثرت ہو تو پہلے
سب سے اہم کام کو شروع کر۔ دُنیا کا شائق
اہل دُنیا کا غلام ہے۔ علماء کا فقر اختیاری
ہے اور جُہلا کا اضطراری۔ جو قناعت پر راضی
ہوا عجز اس سے زائل ہوا۔ جو یہہ چاہے کہ
میرے دل پر اللہ کا نُور حکمت کھلے تو وہ خلوت
اختیار کرے۔ قلت طعام اور نادانوں کی
صُحبت ترک کرے اور جو علما نہ دین کے کام
کے ہیں۔ دُنیا کے ان سے بچے۔ بیفائدہ بات
مت کر۔ بات مُنہہ سے نکلکر تجھ پر قابُو پائیگی۔
تیرا قابُو اُس پر نہیں رہیگا۔ اہل علم کے نزدیک
جہل جہالت ہے اسی طرح اہل جہل کے نزدیک
علم جہالت ہے۔ علم کی فضیلت میں یہہ کافی
ہے کہ بے علم اسکے مدعی ہیں۔ اور جہالت
کی بُرائی میں یہہ کافی ہے کہ جاہل اپنے جہل کا
مُنکر ہے۔ جاہل کہلانے سے غصہ ہوتا ہے
سخاوت دُنیا اور آخرت کے عیبوں کی
پردہ پوش ہے۔ دل زبانوں کے لیے رکھیے ہیں

ففقد سرور مع حرمان اخبر فكيف اذا اجتمعا على اكتساب وزر واقول انى معزيك لا انى على طمع من الخلود ولكن سنة فما المعزى بباق بعد موته ولا المعزى ولو عاشا الى حين۔

خوشی جاتی رہے اور خیر سے محرومی ہو جائے چہ جا کہ گناہ کے ہوتے یہ دونوں جمع ہو جائیں میں تیری تعزیت اس امید پر نہیں کرتا کہ میں ہمیشہ رہونگا بلکہ اسلئے کرایسا کرنا سُنت ہے ورنہ چند روز کے بعد مر کر تو نہ ماتم دار رہیگا نہ ماتم کنندہ۔

طب۔ علم طب میں امام شافعی نے نہایت وسیع معلومات پیدا کی تھیں۔ بقراط اسطاطالیس۔ جالینوس۔ فرفوریوس وغیرہ حکما یُونان وروم اور جاماسپ۔ بزرجمہر وغیرہ حکما فارس کی تصانیف پر انکو نظر تھی اور اُنکے اقوال ومذاہب انکو خُوب محفوظ تھے۔ بعض اوقات اپنے زمانے کے اطبا سے مسائل طبیہ پر اُنکی گفتگوئیں بھی ہوئیں۔ ان گفتگوؤں میں جنہیں مناظرات کہنا چاہئے امام شافعی کی رائیں ہمیشہ صائب قرار پائیں۔ امام شافعی اس بات پر بہت افسوس کیا کرتے تھے کہ اہل اسلام یہود ونصاریٰ کے مقابلے میں علوم کی شاخ طب میں کیوں پیچھے رہ گئے ہیں۔ اُن کا قول تھا کہ انسان مرکب ہے جسم اور روح سے پس علم بھی اصل میں دو ہی ہیں ایک جسم کا علم یعنے علم طب اور ایک روح کا علم یعنے علم فقہ۔ وہ کہا کرتے تھے کہ اہل اسلام نے علم طب کو کھو کر یہود ونصاریٰ کو آدھے علم کا مالک بنادیا ہے۔ اُنکا یہ بھی قول ہے کہ انسان کو ایسی بستی میں ہرگز نہیں رہنا چاہئے جہاں کوئی طبیب یا فقیہہ نہ ہو۔ کیونکہ انسان کو اصلاح دین اور اصلاح بدن دونوں کی ہمیشہ سخت ضرورت رہتی ہے۔

لغت۔ علم اللغۃ میں امام شافعی کا کیا پایہ تھا اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ امام شافعی گو خُود اہل زبان تھے۔ مگر اُنہوں نے اپنی عمر کا ایک حصہ کثیر تحصیل علم لغت میں صرف کیا۔ بیس برس تک وہ تحصیل لغات میں مصروف رہے۔ اُنہوں نے ہذیل کے دس ہزار

اشعار مع اعراب و غرائب لُغت کے صرف حصول علم اللغتہ ہی کی غرض سے حفظ کئے تھے۔ یہہ ہی وجہ ہے کہ متقدمین اور متاخرین ائمہ لُغت نے اس فن میں امام شافعی کی کمال معرفت اور انکے اعلیٰ درجہ کی لُغت دانی کا اعتراف کیا ہے۔ اور بڑے بڑے مسلم ادیب اور لُغت دان جنکے کلام کیطرف علم لُغت میں رجوع کیا جاتا ہے انکو اس علم میں حُجت قرار دیتے ہیں۔ **اصمعی** جو علم ادب کی رُوح رواں ہے بیان کرتا ہے کہ میں نے دیوان ہذلیین اور اشعار شنفری قریش کے ایک جوان لڑکے سے پڑھے ہیں جس کا نام محمد بن ادریس ہے۔ **مبرد** کا قول ہے کہ شافعی لُغت میں حُجت ہے۔ **جاحظ** کا بیان ہے کہ میں نے کسی شخص کی تالیفات امام شافعی کی تالیفات سے بہتر نہیں پائی ہیں۔ انکی زبان کیا تھی۔ موتی پروتی تھی! **ابو العباس ثعلب** کا قول ہے کہ شافعی لُغت کا خزانہ ہے۔ اور وُہ بیشک اس قابل ہے کہ اُس سے لغات اخذ کئے جائیں۔ امام **ابو منصور ازہری** نے جو ایک نہائت عظیم الشان لغوی ہے اور جسکی کمال عربیت پر موافق و مخالف کسی کو بھی کلام نہیں ہے اس امر کا اقرار کیا ہے کہ بیشک امام شافعی کو اس علم میں کمال تبحر حاصل ہے اور اس مصنف نے خاص انکے الفاظ مشکلہ کی شرح میں ایک کتاب تصنیف کی ہے جسکے دیباچے میں نہائت مبالغہ کے ساتھ انکی بے انتہا تعریف بیان کی ہے۔ امام **ابو سلیمان خطابی** جو علم لُغتہ کے ایک رُکن خیال کئے جاتے ہیں خاص امام شافعی ہی کے شاگرد تھے اور وہ ان کی کمال عربیت کا اعتراف کیا کرتے تھے۔ **ابو الحسن علی ابن ابی القاسم الخراخی** صاحب کتاب مختصر العین جنکی عظمت و جلالت پر تمام اسلامی دُنیا کو اتفاق ہے اور جنکی نسبت جمیع اہل خراسان نے متفق اللفظ ہو کر یہہ کہا ہے کہ تمام مُلک خراسان میں اُن سے بڑھکر کوئی شخص علم لُغت کا ماہر نہیں ہوا امام شافعی کا بے حد مداح تھا اور ان سے استفادہ کرنے پر بہت فخر و ناز کیا کرتا تھا۔ اس کے اشعار میں سے* یہہ تین شعر بھی ہیں

* مناقب الشافعی للامام الرازی۔

تلقیت دینی عن قریش وھاشم	یعنے میں نے اپنا دین قریش اور ہاشم سے حاصل کیا ہے
ومن بیتہ کان الحطیم وزمزما	اور اس شخص سے کہ حطیم اور زمزم اسکا مکان ہیں۔
ففزت بدین الابطحی محمد	پس میں محمد ابطحی کا دین پاکر اپنی مراد کو پہنچ گیا۔
وبالعروۃ الوثقے لن ینفصما	اور مجھے وہ مضبوط سہارا ملگیا ہے جسے کبھی جنبش نہیں
ادین بدین الشافعی وھدیہ	ہو سکتی میرا دین وہی ہے جو شافعی کا دین ہے
وابرأ الی اللہ فمن تجنبھا	اور جو شافعی کا طریق ہے اور جو ان باتوں سے
بیزار ہے میں اور میرا خدا اس سے بیزار۔	

مشہور نحوی نفطویہ کی ایک مستقل کتاب ہے جس میں اُس نے امام شافعی کے الفاظ فصیحہ کا ذکر کیا ہے۔ غرض ایسا کوئی مشہور لغوی اور نحوی نہیں گذرا جس نے امام شافعی کو علم لغت میں اُستاد مسلم اور حجت نہ قرار دیا ہو یا انکی لغت دانی میں کسی قسم کا کلام کیا ہو۔

امام شافعی سے آیت ذٰلک ادنیٰ الا تعولوا کی جو تفسیر منقول ہے اس پر بعض مفسرین نے نکتہ چینی کی ہے اور بعض کوتاہ اندیشوں نے ان پر کتاب اللہ کی تحریف تک کا الزام لگادیا ہے علامہ جار اللہ زمخشری صاحب کشاف نے جو عربیت کے ایک رکن اعظم ہیں اور جن پر خود ادب عربی کو ناز ہو سکتا ہے ان کم مایہ مفسرین کی غلطی کو دُور کیا ہے اور وہ تفسیر شافعی کی صحت پر معقول توجیہات بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ شافعی نامور علماء میں سے ہے اور شریعت

کلام الشافعی من اعلام العلم وائمۃ	کا امام اور مجتہدین کا سرتاج ہے اسکا کلام
الشرع ورؤس المجتھدین حقیق بالحمل	مستحق اس امر کا ہے کہ اُسے درستی اور صحت پر
علے الصحۃ والسداد وان لایظن بہ تحریف	محمول کیا جائے اور اس میں تحریف کا گمان
کان اعلے کعبا واطول باعا فی کلام العرب	نہ کیا جائے کیونکہ وہ کلام عرب میں ایسی وسیع

من ان یخفی علیہ مثل ہذا المواضع۔	اور اعلیٰ درجہ کی لیاقت اور قابلیت رکھتے تھے

کہ ان پر اس قسم کے مواضع ہرگز مخفی نہیں رہ سکتے تھے۔

امام فخرالدین رازی لکھتے ہیں کہ بڑے بڑے آئمہ لغت کی شہادت امام شافعی کے حق میں اس درجہ تواتر کو پہنچی ہے جیسے حاتم طائی کی سخاوت۔ اور حضرت علی مرتضیٰ کی شجاعت۔ اور انکا کلام علم لغت میں اسی طرح حجت ہے جس طرح دیگر ائمہ لغت کا۔ بلکہ اس اعتبار سے کہ اصمعی جیسے ادیب نے بھی ان سے استفادہ کیا ان کو تمام آئمہ لغت اور ماہران نحو پر فوقیت ہے جیساکہ ہماری اوپر کی تقریر سے بخوبی ظاہر ہوا۔

ادب اور لغت کے علوم کو امام شافعی نے اس کمال کے درجے کو پہنچایا تھا کہ وہ انکو اکتسابی علوم ہی نہ سمجھتے تھے بلکہ طبعی علوم جانتے تھے اور کیونکر طبعی نہ جانتے جبکہ وہ ماں کے دودھ کے ساتھ اور مکہ کی آب وہوا کے ساتھ شیر خوارگی کے زمانے سے انکی رگ وپے میں داخل ہونے شروع ہوئے تھے جب بغداد میں امام شافعی اور محمد بن حسن کے درمیان مناظرات ہوئے اور انکا معاملہ ہارون رشید تک پہنچا تو ہارون رشید نے امام شافعی کو اپنے روبرو طلب کیا اور ان سے پانچ چیزوں کی نسبت سوال کیا۔ اوّل قرآن۔ دوم سنت۔ سوم لغت عربی چہارم شعر پنجم طب۔ ہر ایک چیز کی نسبت سوال کیا کہ اس باب میں تم کیا کیا جانتے ہو۔ امام صاحب نے قرآن اور سنت اور شعر اور طب کے بہت سے اقسام اور انواع نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کئے لیکن جب ہارون رشید نے عربی لغت کی نسبت سوال کیا تو امام شافعی نے صرف اسقدر کہا کہ ھی مبدانا وطباعنا والسنتنا یعنے عربی لغت کا آپ کیا پوچھتے ہیں۔ عرب کی خاک سے ہم پیدا ہوئے اور عربی ہی ہماری گوشت پوست اور خون ومزاج میں داخل ہوئی اور وہی ہماری اور ہمارے باپ دادا کی زبان ہے۔

تواریخ۔ عرب کا علم ادب خود عرب کی ایک مفصل تاریخ ہے جو شخص اشعار جاہلیت کا عالم ہے وہ گویا ایام العرب سے واقف اور ملک عرب کا مورخ ہے۔ لیکن امام شافعی کی نظر اس سے وسیع تھی۔ انکی معلومات تاریخی کس حد تک تھیں اسکی تفصیل ہم کو کسی کتاب سے نہیں ملی لیکن یافعی اپنی مشہور تاریخ مرأت الجنان میں لکھتا ہے وکان (الامام الشافعی) اعرف الناس بالتواریخ جس سے اتنا پتہ تو لگتا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے علما میں سب سے بڑھکر علم تاریخ کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔

علم نجوم میں امام شافعیؒ کی نسبت نہایت عجیب عجیب خارج از عقل اور خلاف قیاس روایتیں بیان کیجاتی ہیں جنکی صحت پر ایک ایسے شخص کو جو ہر بات میں حقیقت اور واقعیت کا طالب ہو اور اپنی تحریر میں خوش اعتقادی کو بالکل دخل دینا نہیں چاہتا کسی طرح یقین نہیں آسکتا۔ عموماً جس طرح سے بزرگوں کے خارج از عقل اور خلاف قیاس بے سروپا کرامتیں اور پیشگوئیاں بیان کیجایا کرتی ہیں۔ اُسی طرح علم نجوم میں امام شافعیؒ کی پیش گویاں بیان کی گئی ہیں +

میرے خیال میں اگرچہ یہہ روائتیں صحیح نہیں معلوم ہوتیں مگر ان سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ وُہ اس علم سے جیسی کچھ اس کی حقیقت اور اصلیت ہے بخوبی ماہر تھے وہ نجومیوں کے مقرر کردہ قواعد و اصطلاحات مثلاً منازل۔ رجوع۔ استقامت۔ سعود و نحوس۔ تاثیرات کواکب رفتار سیارات۔ اسباب تغیر و تبدل موسم و فصول وغیرہ سے بخوبی واقف تھے اور اصل علم نجوم میں انکو قوی ملکہ حاصل تھا مگر آخر میں وہ اس علم سے بہت کچھ بیزار ہو گئے تھے اور کبھی اسکی طرف التفات نہ کرتے تھے[۱]

علم فراست میں تو امام شافعیؒ نے نہایت درجہ کمال بہم پہنچایا تھا اور اس علم کی تحصیل کے لئے انہوں نے یمن کا سفر بھی اختیار کیا تھا۔ اس علم کی نسبت انکے بہت سے قصے مشہور

[۱] مناقب الشافعی - ۵۲ از توالی التاسیس -

ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں ہو سکتا کہ انکو اس علم سے ایک خاص مناسبت تھی جو شوق و مہارت
سے اور بھی بڑھ گئی تھی۔ وہ اکثر آدمی کی صورت سے اُسکی صفات ظاہری و باطنی ٹھیک طور پر
معلوم کر لیتے تھے چنانچہ خود امام شافعی کا بیان ہے کہ جب میں نے یمن میں تحصیل علم فراست
سے فراغت پائی تو اسکے چند اجزا اپنے ہمراہ لیکر واپسی مکان کا قصد کیا اثنائے سفر میں ایک روز
اتفاق سے ایک گانو میں مجھے شام ہو گئی اور میں اس فکر میں اِدھر اُدھر پھرنے لگا کہ مجھے
کہیں رات بسر کرنے کے لئے کوئی جگہ ملجائے۔ ناگاہ مجھے ایک شخص اُبھری پیشانی نیلی
آنکھوں والا نظر آیا جو اپنے مکان کے قریب ٹہل رہا تھا۔ ایسی شکل بموجب علم فراست کے
نہائت ذنارت اور کمینگی پر دلالت کرتی ہے۔ میں نے اس شخص سے شب باشی کے لئے
جگہ طلب کی۔ اُس نے مجھے ایک نہائت عمدہ آرام کے مکان میں اُتارا اور رات کو کھانے
اور خوشبویات وغیرہ سے میری تواضع کی اور میرے گھوڑے کے گھاس دانے وغیرہ کا بھی
کافی طور پر انتظام کر دیا اور میرے لئے لحاف بچھونے کا بھی پُورے طور پر اہتمام کیا۔ میں اسکی
اس قسم کی نیک سیرتی اور مہمان نوازی کو دیکھکر اپنے دل میں تعجب کرنے لگا کہ علم فراست تو
اس شخص کی نہائت کمینگی اور ذنارت پر دلالت کرتا ہے اور یہہ شخص نہائت شریف اور با اخلاق
معلوم ہوتا ہے حقیقت میں علمِ فراست کوئی چیز نہیں۔ اور بے شبہہ یہہ علم باطل ہے اِسوقت
میں نے اپنے دل میں پُورے طور پر ٹھان لیا کہ جب میں گھر پہنچ جاؤنگا اسوقت ان اجزا
کو ضرور پانی سے دھو ڈالونگا۔ غرض رات بھر وہاں قیام کرکے صبح کو میں نے وہاں سے کُوچ
کا ارادہ کیا اور اپنے خادم کو گھوڑا تیار کرنے کا حکم دیا۔ جسوقت میں وہاں سے روانہ ہونے لگا
میں نے اُس شخص کا نہائت شکریہ ادا کیا اور محبت کے ساتھ اس شخص سے کہنے لگا کہ اگر کبھی
آپکا مکے آنیکا اتفاق ہو اور ذی طویٰ میں گذر ہو تو محمد بن ادریس کا مکان دریافت کر لینا۔

وہ شخص میرا یہہ کلام سنکر کہنے لگا کہ یُوں تو میں آپ کا ہر طرح سے مطیع اور تابعدار ہوں مگر ذرا آپ یہہ تو فرمائے کہ آپ کا مجھپر کبھی کا کوئی احسان تو نہیں تھا۔ یا میرے ذمے کوئی آپکی امانت تو نہیں تھی۔ میں نے جواب دیا کہ نہ میرا آپ پر کوئی احسان تھا اور نہ آپ پر میری کوئی امانت تھی۔ وہ شخص کہنے لگا کہ پھر میں نے جو رات آپ کے واسطے قسم قسم کے تکلفات کئے انکی قیمت کہاں ہے؟ میں نے دریافت کیا کہ انکی کیا قیمت چاہئے۔ اُس شخص نے تفصیل وار ہر شئے کی قیمت بیان کرنی شروع کی کہ اسقدر قیمت کھانیکی اور اسقدر سالن کی۔ اور اسقدر لحاف بچھونے کی۔ اور اسقدر گھوڑے کے گھاس دانہ کی۔ میں نے کل حساب جوڑکر اپنے خادم کو حکم دیا کہ اسقدر درہم اس شخص کو دیدے جب میرے خادم نے کل قیمت اسکو دیدی تب میں نے اُس سے دریافت کیا کہ اور تو کچھ باقی نہیں رہا؟ اُس نے جواب دیا کہ ابھی مکان کا کرایہ اور باقی ہے۔ میں نے وہ بھی اپنے خادم سے دلا دیا۔ اور اسوقت پھر میرا اعتقاد ان اجزا کی طرف بڑھ گیا۔ اور میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ بیشک یہہ علم حق ہے[1]۔

حمیدی اُستاد امام بخاری سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں اور امام شافعیؒ مکے سے باہر نکلے ابطح میں ہم کو ایک شخص ملا میں نے امام شافعیؒ سے کہا کہ بھلا آپ فراست سے یہہ تو معلوم کیجئے کہ اس شخص کا کیا پیشہ ہے۔ امام شافعیؒ نے اُسے دیکھکر کہا کہ یہہ شخص بڑھئی یا درزی معلوم ہوتا ہے میں نے اُس شخص کے پاس جاکر دریافت کیا تو اُس نے جواب دیا کہ میں پہلے تو بڑھئی کا کام کرتا تھا مگر اب چند روز سے میں نے نجاری چھوڑکر درزی کا پیشہ اختیار کرلیا ہے[1]۔

جسوقت امام شافعیؒ نے مالکیہ کے رد میں کتاب لکھی اُسوقت تمام لوگوں نے والی مصر کے پاس جاکر اس امر کی شکایت کی۔ والیٔ مصر نے امام شافعی کو شہر سے باہر نکلجانے کا حکم دیا۔ امام شافعی نے والی کے چہرہ کو دیکھکر اس سے تین روز کی مہلت چاہی۔ والی نے کچھ سوچ سمجھکر منظور کرلی۔

---

[1] مناقب الشافعی امام رازی۔

جب تیسری شب آئی تو والی کو اچانک موت نے آگھیرا اور جان بحق تسلیم کی۔ شائد بعض لوگوں کو اس واقع کے تسلیم کرنے میں کسی قسم کا تردد ہو مگر یہہ ایک تاریخی واقعہ ہے جس سے کسی طرح انکار نہیں ہوسکتا۔ یہہ بات کوئی انکی کرامت کی دلیل نہیں اور نہ اس میں کوئی استبعاد عقلی ہے ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ امام شافعی کو فن طبابت اور فن فراست ہر دو میں بہت بڑا دخل تھا۔ علامات اور قرائن سے اکثر اطباء اس قسم کی باتیں معلوم کر لیتے ہیں +

تیر اندازی کا فن امام شافعی کے زمانے میں نہ صرف عربی سپاہیانہ زندگی کے لوازم میں داخل تھا بلکہ دیندار مجاہدین کی لازمی قابلیتوں میں شمار ہوتا تھا۔ امام صاحب نے اس میں اعلیٰ درجہ حاصل کیا تھا۔ وہ حکمی تیر انداز تھے بمشکل سے انکا کوئی تیر خطا جاتا تھا۔ انکو اس فن میں غیر معمولی کمال حاصل تھا کہ وہ اس پر خود بھی فخر[۵۲] کیا کرتے تھے +

غرض امام شافعی کے کثرت علوم اور انکے کمال تبحر کی کوئی حد نہیں خصوصاً دینیات میں کہ اُن سے پہلے انکی نظیر علماء اسلام میں نہیں مل سکتی ہے مؤلف مشکوٰۃ لکھتا ہے۔ اور فضائل

وَفضائلہ اکثر من ان تحصی کان امام الدنیا وعالم الناس شرقاً وغرباً جمع اللہ لہ من العلوم والمفاخر ما لم یجمع لامام قبلہ ولا بعدہ وانتشر لہ من الذکر ما لم ینتشر لاحدٍ ماسواہ	امام شافعی کے حد احصار اور احاطہ سے باہر ہیں وہ تمام دُنیا کے امام اور شرق و مغرب تمام لوگوں کے عالم تھے۔ خدا نے انکی ذات میں اسقدر علوم اور مفاخر جمع کئے تھے کہ اُنسے پہلے اور انکے بعد کسی امام میں اسقدر علوم اور مفاخر جمع نہیں کئے۔ اور خلقت میں ان کا ذکر اسقدر منتشر ہوا کہ اُنکے سوا اور کسی کا اسقدر نہیں ہوا[*]۔

امام شافعیؒ کی کثرت علوم اور انکے کمال تفقہ اور اجتہاد پر بڑی دلیل یہہ بھی ہے کہ جسوقت

---

۵۱ توالی التاسیس۔ ۵۲ مناقب الشافعی للرازی۔ * اکمال فی اسماء الرجال۔

انہوں نے امام ابوحنیفہ اور امام مالک کی مخالفت کا اظہار کیا وہ ایک ایسا وقت تھا جسمیں بغیر قوی دلائل اور مستحکم براہین کے انکو اپنے جدید مذہب میں کامیابی حاصل کرنا محال تھا۔ تمام دُنیا امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے علم سے پُر تھی۔ بڑے بڑے بادشاہ مثل مامون۔ امین۔ رشید وغیرہ کے دلوں میں انکے کمال عظمت و توقیر بیٹھی ہوئی تھی۔ خاصکر امام ابوحنیفہ کے بڑے بڑے معزز اصحاب مثل قاضی ابو یوسف اور محمد بن حسن شاہی اعلیٰ عہدوں پر مامور اور کاروبار سلطنت میں بہت دخیل تھے۔ پس ایسے وقت میں جبکہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کی مخالفت کا نام لینا بھی ایک بڑا بھاری جرم خیال کیا جاتا تھا اور ہر چہار دانگ عالم میں انہیں کا سکہ بیٹھا ہوا تھا کیا ایک معمولی علم والا مجتہد یا محدث اپنا جدید مذہب جاری کر سکتا تھا؟

امام شافعیؒ نے جسوقت امام ابوحنیفہ اور امام مالک کی مخالفت ظاہر کی تو تمام دُنیا میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہوگیا۔ ہزاروں بڑے بڑے عالم اور فقیہہ یک لخت امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے مذہب سے پھر گئے اور ان کی پہلی سی عظمت و توقیر انکے دلوں سے اُٹھ گئی۔ جو لوگ اپنے قدیمی مذہب پر قائم رہے وہ بھی مذہب شافعی کا مقابلہ نہ کر سکے۔ خود حکام وقت کے خیالات میں بھی روز بروز تبدیلیاں ہونے لگیں اور مذہب جدید روز بروز ترقی پکڑنے لگا۔ فقہا اور مجتہدین کی حالت بالکل بدل گئی۔ امام احمد کا قول ہے کہ اگر امام شافعی نہ ہوتے تو ہمارے کل قضایا اہل رائے کے ہاتھوں میں آ گئے ہوتے ابو ثور جو ایک بہت بڑے فقیہہ اور مجتہد اہل الرائے میں سے تھے انکا مقولہ ہے کہ اگر خدا امام شافعیؒ کے ذریعہ سے مجھ پر احسان نہ کرتا تو میں دُنیا سے گمراہ جاتا۔ اُنہیں ابو ثور سے ایک شخص نے آکر بیان کیا کہ لوگوں میں بڑی گمراہی پھیل گئی ہے وہ کہتے ہیں کہ ثوری امام شافعی سے افقہ تھے۔ ابو ثور نے جواب دیا سبحان اللہ تم ثوری کو امام شافعی کے مقابلہ میں پیش کرتے ہو۔ وہ تو ابراہیم نخعی سے بھی افقہ ہیں[1]۔ یہہ ابراہیم نخعی

[1] مناقب الشافعی امام رازی

حضرت امام ابوحنیفہ کے اُستاد الاستاد ہیں۔ خُدا کی عجیب قدرت ہے کہ ابو ثور جو پہلے خود اہل الرائے کا مذہب رکھتے تھے اور جنھوں نے فقہ امام ابوحنیفہ کے نہایت دقیق اور پیچیدہ پیچیدہ مسائل میں امام شافعی کا امتحان لیا تھا۔ اب وہ انکو امام ابوحنیفہ کے اُستاد الاستاد ابراہیم نخعی سے بھی افقہ بتلاتے ہیں اس سے بخوبی پتہ لگ سکتا ہے کہ امام شافعیؓ نے اہل الرائے کے دلوں پر تھوڑے ہی عرصے میں اپنا سکہ کیسا جمالیا تھا ۔

امام شافعیؓ کے دقت اجتہاد اور کمال تفقہ اور کثرت علوم اس سے بھی بخوبی ثابت ہوتی ہے کہ وہ ان چند شخصوں میں تھے جنکے فتاویٰ مسجد الحرام میں نافذ ہوتے تھے۔ مسجد الحرام میں صرف وہی لوگ فتویٰ دیسکتے تھے جو فقہ اور حدیث اور آثار سلف میں اعلیٰ درجہ کا فضل و کمال رکھتے تھے چنانچہ بنوامیہ کی سلطنت کے زمانہ میں حج کے ایام میں منادی ندا دیتا تھا کہ سوا عطا بن ابی رباح کے اور کوئی شخص فتویٰ نہ دینے پائے۔ صرف حضرت عبداللہ بن عباس عطا بن ابی رباح ابن جریج۔ مسلم بن خالد زنجی۔ سعید بن سالم القداح محمد بن ادریس الشافعیؓ و چند جلیل القدر بزرگ ہیں جو یکے بعد دیگرے مسجد الحرام کے مفتی ہوئے ہیں۔ غرض امام شافعی کے علم کو نہ کوئی مجتہد پہنچا نہ محدث نہ مفسر نہ لغوی نہ ادیب نہ نحوی اور آج بھی ہم امام شافعی کی شان میں وہی راگ گاتے ہیں جو مشہور نحوی لفطویہ نے گایا ہے۔

مَثَلُ الشافعی فی العلماءِ مَثَلُ البدرِ فی نجومِ السماءِ۔ کانَ واللہِ مَعْدِنَ العلوم۔ مِنْ بَیْنِ الناسِ افقہ الفقہاءِ اقتدیٰ بالنبی فی حسن قول۔ وامام البوار للسفہاء۔[1]

یعنے امام شافعی کی مثال علماء میں مثال بدر کی سی ہے آسمان کے باقی ستاروں میں۔ قسم خُدا کی کہ وہ علم کے معدن۔ لوگوں کے سردار۔ فقاہت میں تمام فقہاء سے بڑھے ہوئے تھے اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمدہ باتوں میں اقتدار کی اور سفہا کے لئے ہلاکت قائم کی

[1] مناقب الشافعی امام رازی [2] تاریخ ابن خلکان۔

مصائب و سبب دخول عراق

دار المحن دنیا میں نیک سے نیک اور فرشتہ صفت انسان بھی شریروں اور بدکاروں کی اذیتوں سے نہیں بچ سکتا۔ بلکہ بعض اوقات خود نیکی اور نیکوکاری شریروں کے حسد کا موجب بنکر نیک شخص کے سر پر مصیبتیں لاتی ہے۔ یہی حال امام شافعی کا ہوا۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مکہ میں خلیفہ کیطرف سے ایک والی آیا۔ اور چند معزز قریش نے مجھے کسی سرکاری خدمت پر مامور کرنے کے لئے اُن سے میری سفارش کی۔ چنانچہ انکی سفارش سے اُنہوں نے مجھے عہدہ عامل دینا منظور کر لیا۔ اور میں فوراً ایک عُہدہ پر تعینات ہو گیا۔ میں نے اپنا مکان رہن رکھ کر کچھ سامان تجمل اور آرائش لباس وغیرہ درست کیا اور اپنی خدمات کے سرانجام دہی میں مصروف ہو گیا۔ اور ایسی محنت اور جانفشانی سے کام کیا کہ اس عُمدہ کارگذاری اور حسن خدمات کے صلہ میں میری ترقی کی گئی اور میں نجران کا والی بنایا گیا۔ نجران میں بنو الحرث بن عبد المدان اور موالی ثقیف وہاں کے والی کو بطور رشوت کچھ نذرانہ پیش کیا کرتے تھے اُنہوں نے مجھے بھی وُہی نذرانہ رشوت دینا چاہا۔ لیکن میں نے اس بات کو منظور نہ کیا اور جب میرے پاس وہاں کے لوگ اپنے اپنے مقدمات لائے میں نے اُن سے کہا کہ تم مجھے اپنی قوم میں سے سات آدمی ایسے منتخب کرکے بتادو جنکی جرح اور تعدیل پر تم لوگوں کو اعتماد کامل ہو چنانچہ اُنہوں نے ایسا ہی کیا۔ میں نے اجلاس کے وقت اُن ساتوں شخصوں کو اپنے پاس بٹھلایا جسوقت کوئی گواہ گواہی دیتا تھا۔ میں انکی جرح اور تعدیل پر عمل کرتا تھا یہانتک کہ اسی طریق پر میں نے کل مقدمات کو فیصل کیا۔ میرے اس فیصلہ سے ان لوگوں کو مجھ سے ایک عداوت پیدا ہو گئی اور اُنہوں نے مکے میں جمع ہو کر باہمی مشورہ سے کچھ تدبیریں کیں جس کے سبب میں عراق کو نکالا گیا٭۔

شیخ ابن حجر نے تو امام شافعی کی مصیبت کے واقعہ کو اس طرح پر لکھا ہے جو اوپر بیان ہوا۔

٭ توالی التاسیس

مگر اصل بات یہ ہے کہ کیا خلفائے عباسیہ اور کیا خلفائے بنو امیہ سادات کی بیخ کنی کے درپئے رہتے تھے۔ بنو امیہ تو جگر گوشہ فاطمہ کا خون پیکر بھی سیر نہیں ہوئے تھے۔ ہشام بن عبدالملک کے زمانے میں زید ابن علی نے بغاوت کی۔ بنو امیہ کے زوال پر جب خلافت عباسی کا دور آیا تو ان جانشینوں سے لوگوں کو بڑی بڑی امیدیں ہوئیں۔ مگر ان نئے جانشینوں کی نالائقیوں اور بدکرداریوں کے آگے لوگ پچھلے ظلم بھی بھول گئے منصور نے سادات مظلوم پر جو بیرحمیاں کیں انکی دردناک داستان زمانے کو ہمیشہ یاد رہیگی۔ امام شافعیؒ کے پیدا ہونے سے چار پانچ برس پہلے خاص مدینہ میں محمد نفس ذکیہ نے خروج کیا تھا۔ بیچارے سادات بار بار سر اُٹھاتے تھے اور مارے جاتے تھے مگر وہ جانتے تھے اور دنیا جانتی تھی کہ انکے مارے جانے سے حق خلافت نہیں مرسکتا۔ نفس ذکیہ کے بعد انکے بھائی ابراہیم نے مخالفت کا وہ زور شور دکھایا کہ منصور کے ہوش اُڑ گئے تقدیر کے آگے تدبیر نہیں چل سکتی۔ ابراہیم شکست یاب ہوا اور مارا گیا +

خلفائے وقت کی بیرحمیاں اور اس پر حق خلافت کے دعوے ایسی بات نہ تھی کہ علمائے دین اس پر اغماض کرتے۔ امام ابو حنیفہ جنکا خاندان اہلبیت سے ایک خاص ارادت رکھتا تھا ہشام کے عہد خلافت میں زید بن علی کے ساتھ بغاوت میں شریک ہوئے[۱]۔ منصور کے زمانے میں جب نفس ذکیہ نے خروج کیا تو بڑے بڑے پیشوایانِ مذہب اسکے حامی بنگئے حتیٰ کہ امام مالک نے فتویٰ دیدیا کہ منصور نے بیعت جبراً لی۔ خلافت نفس ذکیہ کا حق ہے۔ اسی طرح رشید کے زمانے میں عبداللہ الحسن بن الحسین بن علی نے اسکے ظلموں سے تنگ ہوکر ایک جمعیت فراہم کی۔ امام شافعیؒ جو محبتِ اہلبیت میں اسقدر بدنام ہورہے تھے کہ بعضے لوگ انہیں رافضی کہنے لگے تھے اس فریق مظلوم کے طرفدار تھے۔ امام شافعی کو خدا نے وہ طلاقتِ لسان اور حسن بیان اور کلام

[۱] تحفہ اثنا عشریہ۔

میں تاثیر بخشی تھی کہ لوگوں کے دل گویا مٹھی میں تھے۔ اس سحر کلام سے جو جادو کا حکم رکھتا تھا۔ رشید اور اُسکے سب عمال کو ہمیشہ اندیشہ ہی لگا رہتا تھا۔ امام شافعی کا طریق عمل اور حکام کے ساتھہ برتاؤ ایک آزاد۔ بیخوف۔ سچے آدمی کا سا تھا جو اپنی دیانتداری پر پورا مطمئن ہو۔ ان وجوہ سے حکام اور عمال کے دل میں انکی طرف سے خواہ مخواہ حسد اور بغض بڑھتا جاتا تھا۔ وہ اگر کسی عامل یا والی کو ظلم کرتا دیکھتے تھے تو اوّل اسکو زبان سے روکتے تھے اگر اس پر بھی وہ بس نہ کرتا تو اُسکے ہاتھہ پکڑ لیتے اور جس طرح ممکن ہوتا اسکو ظلم و ستم سے باز رکھتے۔ اور چونکہ یمن میں انکی بڑی عزت و توقیر تھی اور خلقت کا انکی طرف عام رجحان تھا اسواسطے وہاں کے عمال و حکام انکی مضرت پر بھی قادر نہ تھے۔ ان مختلف وجوہ سے رشید کے عمال اور حکام نے اسکو امام صاحب کے قتل پر برانگیختہ کیا اور مطرف نے رشید کو اس مضمون کا خط لکھکر بھیجا کہ اگر آپ یمن کی خیر چاہتے ہیں تو شافعی کو یہاں سے نکال لیئے۔ جب یہہ خط رشید کے پاس پہنچا تو اُس نے حماد بربری کے نام اس مضمون کا فرمان جاری کیا کہ امام شافعی اور تمام سادات کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیجدے۔ چنانچہ حماد بربری نے امام صاحب اور تمام سادات کو گرفتار اور زنجیروں میں مقید کر کے رشید کے پاس رقہ بھیجدیا۔ رشید نے نہایت بیرحمی اور سخت دلی کے ساتھہ کل سادات کو دس دس کر کے ہر روز قتل کرنے کا حکم دیا اور اس حکم کی تعمیل شروع ہو گئی۔ امام صاحب کے قتل کی بھی ایک دن باری آ پہنچی مگر اسوقت امام صاحب نے ایسی پُر درد اور موثر تقریر کے ساتھہ وعظ کہنا شروع کیا اور اُس میں ایسے طور پر اپنے وجوہ بریت بیان کئے کہ رشید کا دل کانپ اٹھا اور اس نے اسی وقت انکے قتل کا حکم منسوخ کیا۔ مگر پھر بھی اُسکے دل میں امام صاحب کیطرف سے پوری صفائی نہ ہوئی۔ اس لئے چند سے انکو زیر حراست رکھا۔ اس زمانے میں محمد بن الحسن شاگرد حضرت امام ابو حنیفہ رشید کیطرف سے ایک معزز عہدہ پر مامور تھے۔ اور سب اختیارات ہونیکی وجہ سے

کاروبار سلطنت میں بکلی دخیل تھے۔ امام شافعی کو اپنی رہائی کی اس سے بہتر کوئی تدبیر نظر نہ آئی کہ جس طرح ممکن ہو منت سماجت کر کے انکو اپنی حالت پر شفقت دلائی جائے کہ وہ خلیفہ سے انکی سفارش کریں چنانچہ امام صاحب نے محمد بن الحسن کے پاس یہہ شعر لکھکر بھیجے

لست ادری ما حیلتی غیر انی	مجھے اپنی مخلصی کی بجز اسکے اور کوئی صورت نظر نہیں آتی
ارتجی من جمیل جاهك صنعا	کہ میں تمہارے معزز رتبہ سے بھلائی کی توقع رکھتا ہوں
والفتیٰ ان اراد نفع صدیق	اور اگر انسان کسی دوست کا نفع چاہے
فهو یدری ما فی امره کیف یسعیٰ	تو وہ خود جان لیتا ہے کہ اُسکے حق میں سعی و کوشش کا طریق کیا ہے

محمد بن الحسن کے دل پر اس تحریر کا کچھ اثر نہوا۔ انکا دل ایسا کمزور نہ تھا کہ وہ ایک باغی کو چھوڑ کر اس کی بغاوت کو اور مستحکم اور مضبوط کرنا پسند کرتے۔ لیکن پھر بھی امام صاحب کی توقع اُن سے منقطع نہیں ہوتی تھی کیونکہ جب انکی نظر محمد بن الحسن کے فضل و کمال اور فقاہت پر جاتی تھی تو ان کو یہہ پختہ امید بندھتی تھی کہ محمد بن الحسن کو کسی نہ کسی وقت ضرور میرے حال زار پر رحم آئیگا اور وہ ضرور خلیفہ سے میری سفارش کر کے مجھے اس مصیبت سے مخلصی دلائینگے چنانچہ اسی اُمید میں وہ ایک روز محمد بن الحسن کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اسوقت اُن پر علاوہ اُس مصیبت کے جو خلیفہ کیطرف سے نازل ہوئی تھی ایک اور نئی مصیبت یہہ آن پڑی کہ انکے پاس کھانے پینے کو بھی کچھ نہیں رہا تھا۔ اور فاقہ کی نوبت آگئی تھی۔ جسوقت امام صاحب محمد بن الحسن کی خدمت میں پہنچے محمد بن الحسن نے بجائے اسکے کہ ایسی بیچارگی کے وقت میں وہ مذہبی تعصب سے کنارہ کرتے اور ایک مسلمان کی جان بچانے میں کوشش کرتے وہ مذہبی جھگڑا چھیڑ کر بیٹھ رہے اور اہل مدینہ پر طعن و تشنیع کرنے لگے۔ امام شافعی کے دل پر اسوقت جیسا کچھ صدمہ گذرا ہوگا اسکا حال تو انکا ہی دل خوب جانتا ہوگا۔ لیکن اُنہوں نے تھوڑی دیر تو اس خوف سے کہ مبادا انکی مخالفت میں خلیفہ کا غصہ اور عتاب

مجھ پر اُن سے زیادہ نہ ہو جائے صبر کیا اور خاموش بیٹھے سُنتے رہے۔ مگر چونکہ ہر انسان کو اپنا مذہب جان سے بھی زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ آخر اُن سے نہ رہا گیا اور بیساختہ محمد بن الحسن کو مخاطب کر کے کہنے لگے کہ حضرت اگر آپ کا طعن خاص شہر پر ہے تو شہر تو رسُول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت گاہ اور جائے نزول وحی ہے۔ اور اگر اہل شہر پر آپ طعن کرتے ہیں تو وہ ابو بکر و عمر اور مہاجرین و انصار ہیں۔ محمد بن الحسن نے جواب دیا کہ میں انکے احکام پر طعن کرتا ہوں۔ کیونکہ اُنہوں نے ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کرنے میں کتاب اللہ کی مخالفت کی ہے اور میں نے اُنکے ردّ میں ایک نہایت مدلل کتاب لکھی ہے جسکا جواب کوئی نہیں دیسکتا۔ امام صاحب نے کہا کہ میں نے تمہاری وُہ کتاب خُوب غور سے دیکھی ہے اور اس میں شروع بسم اللہ سے لیکر اخیر تک ایک بات بھی صحیح نہیں ہے۔[۵۱] یہہ کہکر امام صاحب نے محمد بن الحسن سے اس مسئلہ میں مناظرہ کرنا شروع کیا اور مسئلہ کی حقیقت اس عمدگی سے ظاہر کی کہ تمام حاضرین نے اسکو تسلیم کر لیا پھر اُنہوں نے محمد بن الحسن پر چند ایسے اعتراض وارد کئے جنکا وُہ کچھ جواب نہ دیسکے۔ اس مناظرہ کے وقت ایک شخص امام صاحب کے الفاظ لکھتا جاتا تھا اور جب مناظرہ ختم ہوا اس نے وُہ الفاظ بجنسہٖ رشید کو جا کر سنائے۔ ہرثمہ بن اعین کا بیان ہے کہ رشید تکیہ لگائے ہوئے لیٹا ہوا تھا۔ جسوقت اُس نے امام صاحب کے مناظرہ کی تقریر سُنی اُٹھ کر سیدھا بیٹھ گیا اور اوّل سے آخر تک بغور سُنا کیا۔ جسوقت تمام تقریر سُن چکا پھر مکرر پڑھنے کا حکم دیا اور دوبارہ نہایت غور سے اس تقریر کو پھر سنا۔ جب دوبارہ اس تقریر کو سُن چکا کہنے لگا کہ شافعی بیشک محمد سے زیادہ عالم ہے۔ اور اُسی وقت امام صاحب کو پانچسو دینار انعام دینے کا حکم دیا۔ ہرثمہ نے پانچسو دینار اپنے پاس سے ملا کر پُورے ہزار دینار امام صاحب کی نظر کئے۔ اور اس طرح پر اُنہوں نے اس بڑی مصیبت سے آخر کار مخلصی حاصل کی۔[۵۲]

---

[۵۱] مناقب الشافعی للرازی۔ [۵۲] توالی التاسیس۔

بعض لوگوں نے یہہ بھی لکھا ہے کہ امام محمد اور قاضی ابو یوسف نے رشید کو امام شافعی کے قتل پر برانگیختہ کیا اور اُنہوں نے اُن سے نہائت مشکل مشکل اور پیچیدہ پیچیدہ چند مسائل بطور چیستاں اور معموں کے دریافت کئے۔ امام شافعی نے اُن تمام مسائل کا نہائت خوبی کے ساتھ جواب دیا۔ اور پھر اُنہوں نے قاضی ابو یوسف اور امام محمد سے دو مسئلے پوچھے۔ قاضی ابو یوسف اور امام محمد سے انکا کچھ جواب نہ بن پڑا۔ آخر رشید کے کہنے سے امام صاحب نے اُن مسئلوں کا بھی مطلب بیان کیا۔ پھر رشید نے نہائت غصہ ہو کر قاضی ابو یوسف اور امام محمد سے کہا کہ تم اِسی شخص کے قتل پر مجھے ترغیب دلاتے تھے اگر تم اپنی ایسی حرکات سے باز نہ آؤ گے تو مجھے اپنا دشمن سمجھنا۔ اس روائت کو امام رازی اور حافظ احمد بیہقی نے اپنی کتابوں میں روائت کیا ہے۔ لیکن یہہ روائت محققین کے نزدیک صحیح نہیں۔ شیخ ابن حجر نے توالی التاسیس میں اس روائت کو موضوع اور مفتریات سے بتلایا ہے۔ اِسی لئے ہم نے اُن مسائل کا بھی ذکر نہیں کیا جو قاضی ابو یوسف اور امام محمد نے اُن سے دریافت کئے تھے۔

وفات امام شافعیؒ

امام صاحب کی موت کا سبب نہائت ہی مشتبہ ہے۔ محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم صاحب الامام الشافعیؒ سے روائت کی گئی ہے کہ میں نے امام صاحب کی وفات سے چند روز پیشتر اشہب بن عبد العزیز فقیہہ مالکی مصری کو دیکھا کہ سجدہ میں پڑا ہوا خدا سے اس طرح پر دُعا مانگ رہا ہے کہ اے بار خدا شافعی کو جلد موت دے ورنہ امام مالک کا علم دُنیا سے بالکل معدوم ہو جائیگا۔ ابن الحکم کہتے ہیں کہ میں نے امام صاحب کے پاس آکر ان سے اس امر کا تذکرہ کیا۔ امام صاحب نے سُن کر یہہ اشعار پڑھے:

تمنا رجال ان اموت وان امت	لوگ میرے مرنے کی تمنّا کرتے ہیں اور اگر میں
فتلک سبیل لست فیها باوحد	مرہی گیا تو یہہ وُہ راہ ہے جسمیں میں ہی اکیلا
وقد علموا لو ینفع العلم عندهم	نہیں ہوں اور وہ اس بات کو خوب جانتے ہیں اگر
لئن مت ما الداعی علی بمخلد	علم نے انکو کچھ نفع دیا ہے کہ اگر میں مرگیا تو مجھ پر
فقل للذی یبغی خلاف الذی مضی	بد دُعا کرنے والا بھی ہمیشہ رہنے والا نہیں ہے
تهیا لاخری مثلها وکان قد	پس اے مخاطب تو اُس شخص سے جو خلاف طریق گذشتہ

کے چاہتا ہے کہدے کہ تو اس کی دُوسری مثل کے لیے بھی تیار ہوجا اور گویا کہ وُہ ہوہی گیا۔ اشہب کی یہہ دُعا قبول ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو لیکن امام صاحب کا انتقال اس دُعا کے چند روز بعد ہی ہوا اور پھر اشہب نے بھی امام صاحب کی موت سے اٹھارہ روز پیچھے وفات پائی۔ اسی بارہ میں ایک شاعر لکھتا ہے

اشهب لما ان دعا ساجدا علی امام طاب فی رمسه	اشہب نے جبکہ ایسے امام کے لئے جو اپنی قبر میں پاک ہے
ما عاش شهرا کاملا بعده وکان کالداعی علی نفسه	سجدہ میں بد دُعا کی تو وُہ پُورا ایک مہینہ بھی

اُسکے پیچھے زندہ نہ رہا اور وُہ مثل اس شخص کے ہوگیا۔ جس نے اپنے ہی نفس پر بد دُعا کی۔[۵۱]

اس روایت سے کوئی ظاہری سبب امام صاحب کی موت کا متحقق نہیں ہوتا۔ اگر اشہب کی دُعا قبول بھی ہوئی ہو تب بھی یہہ انکی موت کا ظاہری سبب نہیں ہوسکتا۔ اسقدر تو تمام مصنفین نے لکھا ہے کہ امام صاحب کو عارضہ بواسیر کا تھا اور انکی وفات کے وقت اس مرض میں اشتداد ہوگیا تھا شیخ ابن حجر لکھتے ہیں کان علیلا شدید العلۃ وربما خرج الدم وھو راکب حتی تمتلی سرواله وخفه یعنی من البواسیر یعنے امام صاحب سخت بیمار تھے اور جب سواری پر بیٹھتے تو بسا اوقات اسقدر خون جاری ہوتا کہ انکا پاجامہ اور موزہ سب بھر جاتا یعنے بواسیر کیوجہ سے۔[۵۲] لیکن اس روایت

---

[۵۱] توالی التاسیس مفصلا و مناقب الشافعی و تاریخ ابن خلکان ترجمۂ اشہب مختصرا۔

سے بھی پورے طور پر یہہ یقین نہیں ہوتا کہ انکی موت کا سبب صرف بوالصیری تھا بلکہ ممکن ہے کہ اسکے علاوہ کوئی اور سبب بھی ہو ۔

شیخ ابن حجر یہہ بھی لکھتے ہیں کہ امام صاحب کی موت کا سبب عام طور پر یوں مشہور ہے کہ انکے اور فتیان بن ابی السمح مالکی مصری کے درمیان کسی مسئلہ میں مناظرہ ہوا تھا۔ اس میں فتیان کیطرف سے کچھ زیادتی ہوئی اور جھگڑے نے طول کھینچا۔ آخر کار یہہ مقدمہ امیر مصر کی عدالت میں گیا جہاں سے فتیان سزایاب ہوا اس لئے اسکو امام صاحب سے عداوت ہوگئی۔ اور اُس نے ایک رات موقع پاکر امام صاحب کے سر پر ایسا گرز مارا جسسے اُنکے سر پر ضرب شدید پہنچی اور یہی ضرب آخر کار اُنکی موت کا سبب ہوا لیکن یہہ قصہ ایسے طور پر روائت نہیں کیا گیا جو قابلِ اعتماد ہو۔ انتہی[۵۱]

اگرچہ شیخ ابن حجر اس قصہ کو روائت کے لحاظ سے قابلِ اعتماد قرار نہیں دیتے لیکن ہم نہیں جانتے کہ اس قصے کی صحت تسلیم کرنے میں کیا مشکلات ہیں۔ اول تو اس قصے کی عام شہرت ہی اسکی صحت کی کافی دلیل ہے۔ نیز خلاصہ تذہیب التہذیب میں بھی امام صاحب کی نسبت لکھا ہے مَاتَ شَهِيْدًا یعنی امام صاحب شہید ہو کر مرے۔ ابو حیان محمد بن یوسف بن علی حیان نے جو نہائت مستند اکابر شافعیہ سے ہیں اور شیخ ابن حجر کے شیخ الشیوخ ہیں ایک نہائت طویل قصیدہ امام صاحب کے مرثیہ میں لکھا ہے اور اس قصیدے کے بعض اشعار جن کو اس واقعہ موت امام شافعیؒ سے بہت تعلق ہے شیخ ابن حجر نے بھی نقل کئے ہیں۔ اس قصیدہ کے دیکھنے سے اس قصہ کی صحت میں کچھ بھی شک وشبہہ نہیں رہتا۔ چنانچہ ہم بھی وہ اشعار جو شیخ ابن حجر نے نقل کئے ہیں اس موقع پر نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں

اَلَا اِنَّ عِلْمَ النَّحْوِ قَدْ بَادَ اَهْلُهٗ	خبردار ہو جا کہ علم نحو والے ہلاک ہو گئے
فَمَا اِنْ تَرٰی فِی الْحَیِّ مِنْ بَعْدِهِمْ حَیًّا	اب قبیلہ میں انکے بعد کوئی زندہ نہیں دکھائی دیتا

[۵۱] توالی التاسیس۔

سأترکه ترک الغزال لظلّه
فاتبع هجرًا دأوسعه نایا
واسمعوا الی الفقه المبارك انّهٗ
یرضیك فی الدّنیا ویعلیك فی الاخری
هل الفقه الا اصل دین محمّدٍ
فجرد له عزما وجد له سعیًا
وکن تابعًا للشافعیؒ وسالکا
طریقته تبلغ به غایة القصیا
سمی الرّسول المصطفی وابن عمّه
فناهیك مجدا قد سما الرتبة العلیا
هو استنبط الفن الاصولی فاکتسی
به الفقه من دیباج انشائه وشیا
وکان الامام الشافعی معظّما
الیه انتهت فی عصره رتبة الفتیا
فما کان مفراحا بمالٍ یصیبه
ولا آسیا حزنًا من فقده الدّنیا
ولا راقه حُسن ولا ساقه هویٰ
الی وجنتی حمٍ ولا شفة لمیا

پس علم نحو ایسا ترک کروں جیسا ہرن اپنے سایہ کو ترک کرتا ہے
پس میں اسکی جُدائی کا تابع ہونگا اور اسکی دُوری کو بڑھاؤنگا
متوجہ ہو تو جانب فقہ مُبارک کی۔ بیشک وُہ تجھے
آخرت میں راضی اور دُنیا میں بلند کرے گا ۔
اصل دین محمد صلعم فقہ نہیں تو اور کیا ہے؟ پس تو
صرف اُسیکا ہو رہ۔ اور اسمیں نئی نئی کوششیں کرتا رہ۔
اور امام شافعی کا تابع اور انکے طریق کا پیرو ہو جا
اُسکے ذریعہ سے تو بڑے مرتبے پر پہنچیگا ۔
کون امام شافعی؟ رسُول مقبول کا ہمنام آپکے چچا کا بیٹا
پس تجھے اسیقدر بزرگی کافی ہے بیشک وہ بلند مرتبہ ہے
سب سے اوّل اُسی نے فن اصُول نکالا ۔ اسی کے
دیبا انشاء سے فقہ نے نقش و نگار کا لباس پہنا ۔
امام شافعی بڑے آدمی تھے ۔ انکے زمانے میں
عُہدہ افتا انہیں پر منتہی ہوا تھا ۔
انکو اگر کچھ مال ملتا تھا تو اس سے کچھ خوش نہیں
ہوتے تھے اور نہ دنیا کے فوت ہونے پر انکو کچھ غم ہوتا تھا
حسینوں کے حُسن یا گلعذاروں کے نمکین
لبوں سے وہ بیخود ہونے والے نہ تھے ۔

سہ توالی التاسیس ۔

ولمّا اتیٰ مصراً انبرے لاذاتہٖ
اناس طووا کشحا علیٰ بُغضہ طیّا
اتیٰ ناقد امّا حصّلوہ وھاد ما
لما اصّلوا اذ کان بنیانھم وھیا
فدسّوا علیہ عند ماانفردوا بہٖ
شقیالھُم شل الالٰہ لہ یدیا
فشج بمفتاح الحدید جبینہ
فراح قتیلا لاابواءِ ولا لغیا
نعم قد لعاہ العلم والدین والحجیٰ
وترداد صوت فی الدجےٰ یسرد الوحیا
فرعیا لعلم کان اتحفنا بہٖ
وسقیا لقبرٍ ضم جثمانہ سقیا٭

اور جب وُہ مصر میں آئے تو چند آدمی بُغض
وعناد سے اُن کی ایذا پر کمر بستہ ہوتے۔
وُہ اُنکے اندوختہ کو پرکھنے والا تھا اور چونکہ وہ
بُنیادیں اُنہوں نے ڈالی تھیں انکو ڈھانے
والا سو اُنہوں نے جب اس کو تنہا پایا تو ایک
بدبخت کو (خُدا کرے اسکے ہاتھ ٹوٹیں) گھات
میں لگایا۔ اس نے اسکی پیشانی کو لوہے کی کنجی
سے زخمی کیا اور وُہ مقتول ہو کر دُنیا سے
رخصت ہُوا۔ نہ کوئی یادگار رہا نہ کوئی ماتم کرنیوالا
ہاں علم و دین اور عقل اور اندھیری راتوں کی تلاوت
قرآن مجید نے اسکا ماتم کیا۔ اے خُدا جس علم کا اُسنے ہمکو تحفہ دیا
تو اسکا نگہبان ہو اور اُسکی قبر کو اپنی رحمت سے سیراب کر۔

ابوحیان ایک مستند عالم اکابر شافعیہ سے تھے۔ انکی وفات اور شیخ ابن حجر کی ولادت کے درمیان صرف اٹھائیس سال کا فاصلہ تھا۔ انکے قصیدے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف مذہب کی وجہ سے اصحاب مالکیہ امام شافعی کے دشمن بن گئے تھے۔ انہیں میں سے ایک شریر شخص نے جسکا نام فتیان ابن ابی السمح بیان کیا جاتا ہے۔ امام صاحب کے سر پر ضرب شدید پہنچائی۔ اور وُہ ضرب اور قدیمی عارضہ بواسیر کا اشتداد دونوں ملکر باعث ہلاکت ہوئے۔ غرض کچھ ہی ہو امام شافعی نے ۲۰۴؁ ہجری شب جمعہ اخیر دن ماہ رجب میں قریب وقت عشاء کے وفات پائی۔ خاص وقت وفات

٭ توالی الناسیں۔

کے باب میں اختلاف ہے۔ بعض کا قول ہے کہ پنجشنبہ کو عصر کے وقت امام صاحب نے انتقال کیا۔ بعض شخصوں کا بیان ہے کہ امام صاحب نے پنجشنبہ کی نمازِ مغرب پڑھ لی تھی اور بعد عشاء کے وفات پائی۔ اور بعض یہہ بھی کہتے ہیں کہ انکا انتقال بروز جمعہ ہوا۔ میری رائے میں بروز پنجشنبہ عشاء کے بعد انتقال ہونے کی روائت صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اور اسی پر مؤلف مشکوۃ نے اعتماد کیا ہے۔ ممکن ہے کہ پنجشنبہ کے دن عصر کے وقت امام صاحب پر کوئی ایسی حالت طاری ہوگئی ہو جس سے بعض لوگوں کو انکی موت کا دھوکہ ہوا ہو۔ اور یہہ بات چند آدمیوں میں شہرت پکڑگئی ہو۔ اخیر روائت میں بھی کوئی استبعاد نہیں ہے کیونکہ اکثر اہل شہر کو انکی موت کی خبر اگلے دن یعنی جمعہ کو ہی ہوئی تھی +

مزنی کا بیان ہے کہ امام شافعیؒ کی مرض الموت میں مَیں انکی عیادت کو گیا۔ اور مَیں نے انکی مزاج پرسی کی اور دریافت کیا کہ کَیفَ اَصبَحتَ یا اُستاذَ الاُستاذِین یعنی اے اُستادِ اُستادان آپکے مزاج کی کیا کیفیت ہے؟ امام شافعیؒ نہائت آبدیدہ ہوکر بولے کہ

اصبحت من الدنیا راحلاً۔ وللاخوانِ مفارقاً۔ وبسوء افعالی ملاقیاً۔ وَعلی اللّٰہِ وارداً۔ ولکاس المنیۃ شارباً۔ وَلاواللّٰہِ لاادری ان روحی یصیر الی الجنّۃ فاھنیھا اوالی النّار فاعزیھا۔	آج دُنیا سے کوچ کرنے والا ہوں۔ اور بھائی بندوں کو چھوڑنے والا۔ اور اپنی بدکرداریوں کی سزا پانیوالا۔ اور اللہ کے پاس حاضر ہونیوالا ہوں اور اللہ کی قسم مجھے یہہ خبر نہیں کہ آیا میری رُوح جنّت میں جائیگی اور میں اُسے مبارکباد دونگا۔ یا وہ دوزخ میں جائیگی جہانکہ مجھے اُس کی تعزیت کرنی پڑیگی +

امام صاحب پر حالتِ نزع میں بیحد خوفِ آخرت غالب ہو رہا تھا۔ اُنہوں نے اس حالت میں ادریس عابد سے جو اُس زمانے میں کمال زُہد وصلاح میں مشہور تھے دُعائے مغفرت کی درخواست کی

پھر جناب باریتعالیٰ کی طرف متوجہ ہوکر یہہ اشعار پڑھنے لگے

الیک الٰہ الخلق ارفع رغبتی	اے احسان اور بخشش کرنیوالے اگرچہ میں گنہگار ہوں
وَاِنْ کُنْتُ یَا ذَا المَنِّ وَالجُودِ مُجْرِمًا	پر اے معبود خلق میں اپنا سوال تیری طرف لانیوالا
وَلَمَّا قسی قلبی وضاقت مذاھبی	ہوں ۔ جب میرا دل سخت ہوگیا اور میری سب راہیں
جعلت الرجا منّی بعفوک سلّمًا	بند ہوگئیں تو میں نے اپنی اُمید کو تیری بخشش تک
ومازلت ذا عفو عن الذنب لم تزل	پہنچنے کے لئے زینہ ٹھہرایا۔ تو گناہوں کو ہمیشہ بخشتا
تجود وتعفو منّۃ و تکرّمًا	رہتا ہے اور اپنے احسان اور بخشش کی وجہ سے
وَلولاکَ مایقوی بابلیس عابد	ہمیشہ بخشتا رہیگا۔ اگر تو نہ ہوتا تو کوئی عابد ابلیس کے
فکیفَ وقد اغوے صفیک اٰدمًا	آگے نہ ٹھہر سکتا اور کیونکر ٹھہرتا کہ اُسنے تیرے دوست
فان تعف عنّی تعف عن متمرد	آدم کو بہکایا سو اگر تو میرے گناہ بخشدیگا تو بڑے
ظلوم غشوم لا یزائل ماثمًا	سرکش ظالم نافرمان کو معاف کریگا جو رات دن گناہ کرتا
وان تنتقم منّی فلست باٰئس	رہتا ہے اگر تو انتقام لے تب بھی میں نا امید نہونگا۔
ولو دخلت نفسی بجرمی جھنّما	چاہے میں اپنے گناہ کی وجہ سے جہنم میں ہی داخل ہوں۔
فجرمی عظیم من قدیم وحادث	میرے جرم ابتدا سے انتہا تک بہت بڑے ہیں لیکن
وعفوک یا ذا العفو اعلیٰ واجسما	اے غفور رحیم تیری بخشش سب سے بڑھکر ہے میں نے
تعاظمنی ذنبی فلمّا قرنتہ	اپنے گناہ کو بڑا سمجھا لیکن جب اسکا مقابلہ تیری بخشش
بعفوک ربّی کان عفوک اعظما[۱]	سے کیا تو اے پروردگار تیرا عفو بہت بڑا نکلا۔

حرملہ صاحب امام شافعیؒ سے یہہ بھی روایت ہے کہ امام صاحب کی نزع کے وقت سورۂ یٰسین

---

[۱] مناقب الشافعیؒ

بھی پڑھی گئی[1]۔ تاریخ ابن خلکان سے اسقدر تو معلوم ہوتا ہے کہ امام شافعی کو مزنی نے غسل دیا تھا
مگر انکے جنازے اور اس پر نماز کی کیفیت مجھے کسی کتاب سے پورے طور معلوم نہیں ہوئی میں نے
ہر چند کوشش کی کہ کوئی روایت ایسی ملجائے جسسے یہہ معلوم ہو کہ انکے جنازے کی نماز میں کسقدر آدمی
شریک تھے مگر مجھے ایسی کوئی روایت نہیں ملی۔ جہانتک قرائن سے معلوم ہوتا ہے وہ یہہ ہے
کہ امام صاحب کے جنازے کی نماز میں تقریباً تمام اہل شہر شریک ہوئے ہونگے۔ کیونکہ اول تو
عموماً تمام اہل شہر سوائے چند اصحاب مالکیہ کے امام صاحب کے معتقد تھے دوسرے سیدہ نفیسہ[2]
بنت حسن بن زید بن حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم نے جو نہایت صالحہ اور تقیہ بی بی تھیں
اور جنکی بزرگی کا تمام اہل مصر کے دل میں بیحد اعتقاد تھا اور اب تک اہل مصر کے دل میں انکی ویسی
ہی عظمت ہے امام صاحب کے جنازے پر نماز پڑھی تھی[3] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب
کے جنازہ پڑھنے کی بہت لوگوں کو رغبت ہوئی ہوگی۔ امام شافعی کو سیدہ نفیسہ سے فخر تلمذ
حاصل تھا اور وہ اپنی زندگی میں انکی علم و بزرگی کا بے انتہا دلی اعتقاد رکھتے تھے اور اکثر اُن کی
خدمتمیں حاضر ہوتے اور حدیثیں سُنا کرتے تھے[4]۔ اسی واسطے امام صاحب کی وفات کے
بعد انکے شاگردوں نے انکا جنازہ سیدہ نفیسہ کی خدمتمیں حاضر کیا اور سیدہ نفیسہ نے اپنے
گھر میں اُنکے جنازہ پر نماز پڑھی +

معلوم ہوتا ہے کہ جُوں جُوں جُمعہ کے روز امام صاحب کی موت کی خبر مشہور ہوتی گئی
اطراف وجوانب سے خلقت امنڈ کر آتی رہی یہانتک کہ جُمعہ کے روز عصر سے پہلے وہ دفن
نہ ہو سکے۔ آخرکار بوقت عصر شہر قاہرہ کے باہر گورستان قرافتہ الصغریٰ میں قریب کوہ مقطّم کے سپُرد
خاک کئے گئے۔ آجتک اُنکا مزار زیارت گاہ خلائق اور کُل اہل مصر کے دلوں میں انکی مزار کی

[1] توالی التاسیس [2] زوجہ اسحاق بن جعفر الصادق [3] تاریخ ابن خلکان ترجمہ سیدہ نفیسہ [4] مناقب الشافعی

بیحد عزت و توقیر ہے۔

جسوقت امام صاحب کو دفن کرکے لوگوں نے فراغت پائی اسکے بعد ہی ہلالِ شعبان دیکھا گیا۔ صاحب مخبر اواصلین نے امام صاحب کی ولادت اور وفات کا قطعہ تاریخ اسطرح پر لکھا ہے۔

قطعہ تاریخ وفات و ولادت

روزِ آدینہ بود سلخ رجب	کہ شدہ شافعی بحضرت رب
سالِ میلادِ او معلّٰی داں ۱۵۰	سالِ ترحیلِ او مقدّس خواں ۲۰۴

کُل عُمر آپ کی چوّن برس کی ہوئی۔

امام صاحب کی وفات پر بہت لوگوں نے مرثیے لکھے ہیں ازانجملہ مشہور نحوی ابن ورید کا ایک نہایت طویل مرثیہ ہے چنانچہ اسکے بعض اشعار تبرکاً ہم بھی یہاں پر نقل کرتے ہیں۔

الم تر اٰثار ابن ادریس بعدہ دلائلھا فی المشکلات لوامع۔ معالم یفنی الدھر وھی خوالد وتنخفض الاعلام وھی روافع۔ مناھج فیھا للھدی متصرف موارد فیھا للرشاد شوارع۔ ظواھرھا حکم ومستنبطاتھا لما حکم التفریق منہ جوامع۔	کیا تو نے ابن ادریس کے مرنے کے بعد اسکی نشانیاں نہیں دیکھیں۔ اسکی دلیلیں مشکل مسئلوں میں چمک رہی ہیں وہ ایسی یادگاریں ہیں کہ زمانہ فنا ہو جائیگا مگر وہ ہمیشہ باقی رہیگی۔ جھنڈے سرنگوں ہو جائینگے مگر وہ بلند ہونگی۔ وہ ایسے طریقے ہیں جنمیں ہدایت کا تصرف ہے اور ایسے گھاٹ ہیں جن میں راست روی کے لئے راہیں ہیں۔ انکے ظواہر احکام ہیں اور جس شئے میں وہ تفریق کا حکم کرے اسمیں اسکے مستنبطات جامع ہیں

ولاذ بآثار النبي فحكمه
لحكم رسول الله في الناس شائع
وعوّل في احكامه وقضائه
على ما قضى التنزيل والحق خاضع
لراى ابن ادريس ابن عم محمد
ضياء اذا ما اظلم الخطب صادع
اذا المعضلات المشكلات تشابهت
سما منه نور في دجاهن ساطع
ابى الله الا رفعه وعلوه
وليس لما يعليه ذو العرش واضع
فمن يك علم الشافعي امامه
فمرتعه في ساحة العلم واسع
سلام على قبر تضمن جسمه
وجادت عليه المدجنات الهوامع
لئن فجعتنا الحادثات بشخصه
وهن لما حكمن فيه فواجع
فاحكامه فينا بدور زواهر
وآثاره فينا نجوم طوالع [۵۱]

اُسنے احادیث نبوی کی پناہ لی۔ سو اس کا حکم رسول اللہ کے حکم کو لوگوں میں پھیلانیوالا ہے اُسنے اپنے احکام اور فیصلوں میں حق کا مطیع بنکر قرآن مجید پر اعتماد کیا۔ جب مہمات امور تاریکی پیدا کرتے ہیں اسوقت ابن ادریس محمدؐ کے چچازاد کی رائے روشنی (ڈالتی) ہے جسوقت سخت مشکل امور میں تاریکی رائے کی وجہ سے متمیز نہیں ہوسکتا اسوقت اسکی رائے کا چمکتا نور بلند ہوتا ہے اللہ کو اسکی رفعت اور بلندی ہی منظور ہے اور جسکو صاحب عرش بلند کرے اُسکا پست کرنیوالا کوئی نہیں ہے جس شخص کا پیشرو شافعی کا علم ہو تو اُس کے لئے وسیع میدانِ علم کھلا ہے جس قبر میں اُنکا جسم مدفون ہے اس پر سلامتی ہو اور اسکو ابر رحمت کی رہنے والی گھٹائیں سیراب کریں۔ اگرچہ اس کے اُٹھ جانے سے ہم پر سخت مصیبتیں پڑیں اور اُن حادثوں کے احکام ایسے ہی دکھ دینے والے ہوتے ہیں مگر گیا ہوا اسکے احکام ہمارے درمیان چمکتے چاندوں کیطرح نمایاں اور اسکے آثار ہم میں تاروں کیطرح درخشاں رہینگے

[۵۱] توالی التاسیس۔

اخلاق و عادات

امام شافعی کے اخلاق و عادات کی اجمالی تصویر یہہ ہے کہ وُہ نہائت خلیق۔ فیاض دل حلیم الطبع انسان تھے۔ رضاجوئی خدا اور اتباع سنت نبوی کے عاشق شیدا تھے۔ انکے زہد و اتقا کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ عبادت میں انکو بیحد لطف مزہ آتا تھا اور بڑے ذوق و شوق اور خلوص نیت سے عبادتِ الٰہی میں مصرُوف ہوتے تھے۔ ابو عبید قاسم بن سلام جو حدیث فقہ لغت قرات میں یکتائے روزگار تھے اور امام صاحب کے ہم عصر تھے کہا کرتے تھے کہ میں نے کوئی شخص امام شافعیؒ سے زیادہ متقی اور پرہیزگار نہیں دیکھا +

محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم سے روائت ہے کہ ایک مرتبہ ہم زُہد و تقویٰ کا ذکر کر رہے تھے یہانتک کہ ہمارے درمیان ذوالنّون کا ذکر آیا اتفاقاً اُسیوقت عمرو بن تباتہ ہمارے پاس آیا اور پوچھنے لگا کہ تم کیا باتیں کر رہے تھے ہم نے کہا کہ زُہد و تقویٰ کا ذکر کر رہے تھے اور اسمیں ہم نے ذُوالنّون کا ذکر کیا تھا۔ عمرو بن تباتہ نے کہا کہ میں نے تو امام شافعیؒ سے زیادہ کسی کو متقی اور پرہیزگار نہیں پایا چنانچہ ایک مرتبہ میں اور وُہ اور حارث صالح مزنی کا غلام صفا پر جا رہے تھے۔ اتفاقاً حارث نے یہہ آیت پڑھدی هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ امام شافعی پر اس آیت کو سُنکر ایسی حالت طاری ہوئی کہ سخت مُضطرب اور بے چین ہو گئے اور زار زار رونے لگے۔ انکے دل پر خوفِ خدا نہائت غالب تھا۔ ربیع بن سلیمان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں نے امام شافعیؒ کے ساتھہ حج کیا۔ راستہ میں مَیں نے انکی یہہ کیفیت دیکھی کہ جب وُہ کسی بلند جگہ پر چڑھتے یا کسی نشیب میں اُترتے تو نہائت زار زار روتے اور یہہ شعر نہائت موثر لہجے میں پڑھتے تھے۔

آل النبیّ ذریعتی وَھُمُ الیہٖ وَسِیْلَتِی	یعنی فقط آل نبی ہی پر میرا بھروسا ہی اور خدا کے دربار
ارجُو بان اعطیٰ غدًا بیدی الیمین صحیفتی	میں فقط وُہ ہی میرا وسیلہ ہیں مجھے اس بات کی قوی

اُمید ہے کہ آپکے ذریعہ سے قیامت کو میرے دہنے ہاتھ میں مجھے نامہ اعمال عطا کیا جائے +

امام صاحب کی مزاج میں قناعت اعلیٰ درجہ کی تھی - خود انکا قول ہے کہ میں نے اپنے طمع کو ترک کرکے قناعت کو اختیار کر لیا اور اسکے ذریعہ سے اپنی جان کو نہائت آرام پہنچایا - میں نے مُردہ قناعت کو زندہ کیا - اور اسکی زندگی کی وجہ سے میری آبرو ذلت سے محفوظ ہوگی - امام صاحب لکھتے ہیں کہ بیس برس سے مَیں نے کبھی شکم سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا +

امام شافعی ابوحنیفہ کی طرح عہدہ قضا سے سخت متنفر تھے ہارون رشید نے ایک مرتبہ اُن سے نہائت اصرار سے کہا کہ میں تم کو کسی شہر کا قاضی کردوں - لیکن امام صاحب نے منظور نہ کیا[1] -

تلاوت کلام اللہ سے نہائت شوق تھا اور اُسکے پڑھنے میں اُنکو ایسی کیفیت معلوم ہوتی تھی کہ اسکے چھوڑنے کو مطلقاً دل نہیں چاہتا تھا - اکثر روزانہ ایک ختم کر لیتے تھے اور ماہ رمضان میں تو بالکل اسی طرف متوجہ رہتے تھے اور ہر روز دو ختم کلام اللہ کے کر لیتے تھے - اگرچہ امام صاحب نہائت درجہ کے زاہد اور مرتاض تھے لیکن عام صوفیہ اور زہاد کی طرح وُہ حد اعتدال سے بڑھکر عبادت کرنا اور اُسکو رہبانیت کی حد تک لیجانا نہائت ناپسند کرتے تھے - حسین بن علی کرابیسی امام صاحب کے شاگرد سے منقول ہے کہ میں قریب تین ماہ کے متواتر اُنکے پاس رہا اس عرصہ میں مَیں نے انکو رات کا تہائی حصہ نماز میں صرف کرتے دیکھا اور ایک رکعت میں تقریباً پچاس آئتیں پڑھتے تھے[2] +

امام صاحب نہائت انصاف پسند اور طالب حق تھے - جسوقت کسی سے مناظرہ کرتے

---

[1] توالی التاسیس [2] توالی التاسیس

نہائت نرمی اور آہستگی سے گفتگو کرتے انکو اس بات کی مطلقاً پرواہ نہوتی کہ وُہ غالب ہوں یا انکا مقابل۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی کسی شخص سے اپنی بڑائی اور اظہار فضیلت کی غرض سے مناظرہ نہیں کیا۔ اور جب میں نے کسی سے مناظرہ کیا اسکی کچھہ پروانہ کی کہ حق بات میری زبان سے ظاہر ہو یا میرے حریف کی زبان سے اپنے شاگردوں کو ہمیشہ اس بات کی تاکید کرتے تھے کہ دینی مناظروں اور مباحثوں میں کبھی اپنی بڑائی اور اظہار فضیلت کا خیال نہ کرنا اور اگر میرا کوئی قول اپنی عقل کے مخالف پاؤ تو خبردار اُسے ہرگز قبول نہ کرنا کیونکہ حق بات وہی ہے جو عقل کے مخالف نہ ہو +

امام صاحب کو اپنی بات کی مطلقاً پچ نہ ہوتی تھی۔ اگر کسی مسئلہ میں اُنکی غلطی ثابت ہوجاتی تو فوراً اُس سے رجوع کرتے چنانچہ اپنے رسالہ بغدادی کی نسبت جسمیں اُن سے حدیث نہ پہونچنے کی وجہ سے بعض مسائل میں مجبوری چوک اور خطا ہو گئی تھی اپنے شاگردوں کو یہہ حکم دیا کہ میں تمہارے لئے اس کتاب کی روائت کرنا جائز نہیں رکھتا۔ امام احمد بن حنبل سے اکثر کہا کرتے کہ تمہاری نظر احادیث صحیحہ پر ہم سے زیادہ ہے اگر کوئی صحیح حدیث جو مجھے معلوم نہیں آپ کو پہنچے تو مجھے اطلاع دینا تاکہ میں اُسی کے مطابق اپنا مذہب قائم کردوں +

عُلماء متقدمین کے حالات سے ہمیشہ عبرت پکڑتے اور مناظرے میں آہستگی اور نرمی اختیار کرنے کی خوُبی اور فضیلت میں یہہ حکائت بیان کیا کرتے تھے کہ حضرت امام ابو حنیفہ نے ایک شخص سے مناظرہ کیا۔ اتفاق سے مناظرہ کرتے ہوئے امام ابو حنیفہ کی آواز بلند ہو گئی۔ اور زور سے چیخ اُٹھے۔ عین مناظرے میں کسی شخص نے کہا کہ اَخطأتَ یا اَبا حَنِیْفَۃ یعنے اے ابو حنیفہ تمنے خطا کی۔ امام ابو حنیفہ نے کہا کہ تمہیں کیونکر معلوم ہوا کہ میں نے خطا کی ہُوس شخص نے جواب دیا کہ آپکا چیخنا آپکے خطا کی دلیل ہے +

جھوٹ بولنے سے امام صاحب کو سخت نفرت تھی وہ خود کہتے ہیں کہ میں نے اپنی مدت العمر میں کبھی کسی بات میں جھوٹ نہیں بولا اور نہ میں نے کبھی کسی معاملہ میں جھوٹی یا سچی قسم کھائی +

امام صاحب کا ہر عمل خاص خدا کی رضا کیواسطے ہوتا تھا انکو شہرت دنیا بالکل مطلوب تھی اپنی تصانیف کی نسبت ہمیشہ یہی تمنا کرتے رہتے تھے کہ کاش لوگ اُن سے فائدہ اٹھاویں اور میری جانب ان میں سے ایک حرف بھی منسوب نہ ہو[۵] +

اتباع سنت میں امام صاحب کا قدم نہائت مضبوط اور راسخ تھا - اکثر اپنے شاگردوں سے کہا کرتے کہ میں نے اپنی تصانیف میں حتی الوسع پوری کوشش کی ہے مگر ممکن ہے کہ بعض جگہ مجھ سے غلطیاں ہوئی ہوں کیونکہ غلطیوں سے محفوظ رہنا صرف خدا ہی کی شان ہے پس تم جو مسئلہ میری کتابوں میں خلاف کتاب و سنت کے پاؤ تو خوب سمجھ لو کہ میں نے اس سے رجوع کیا اور اگر حدیث صحیح میرے پاس پہنچے اور میں اُس پر عمل نہ کروں تو جان لو کہ میری عقل کھوئی گئی +

امام احمد کہتے ہیں کہ امام شافعی جب کوئی ایسی حدیث سُنتے جو انہیں پہلے سے معلوم نہ ہوتی تو حدیث کے مطابق عمل کرتے اور اپنے پہلے قول کو چھوڑ دیتے اور کہتے ہیں رجوع کرتا ہوں خلاف حدیث سے اپنی زندگی میں اور بعد اپنی موت کے +

امام احمد سے یہہ بھی روائت ہے کہ کسی شخص نے امام شافعی سے ایک مسئلہ دریافت کیا امام صاحب نے اُسے مسئلہ بتلا کر اس کے ثبوت میں ایک حدیث پڑھی - اُس شخص نے از راہ تعجب دریافت کیا کہ کیا آپ بھی اس حدیث پر عمل کرتے ہیں؟ امام صاحب کو یہہ سُنکر نہائت غصہ آیا اور کہنے لگے کہ کیا تو نے مجھے کبھی بتخانہ سے نکلتا ہوا پایا یا تو نے مجھ کو زنار باندھے دیکھا؟ جو حدیث صحیح ہو وہی میرا مذہب ہے +

امام صاحب کو تحصیل علم میں بڑی سرگرمی تھی اور اس میں انکو بڑی لذت معلوم ہوتی تھی

[۵] توالی التاسیس -

ایک ایک حدیث کے لئے کئی کئی دن رات کا سفر کرتے اور کتابوں کے مطالعہ میں ہمیشہ مصروف رہتے تھے نہائت مشقت سے حضرت سفیان بن عینیہ اور امام محمد کا کتب خانہ جمع کیا اور تمام کتابوں سے فائدہ اُٹھایا۔ امام محمد کہتے ہیں کہ ایک روز امام شافعی نے مجھ سے ایک کتاب مانگی اور ایک رات میں وُہ کُل حفظ کر لی +

امام صاحب کو تحصیل علم میں اپنے سے کم مرتبہ کیا بلکہ مخالف مذہب اشخاص سے بھی عار نہ تھی حتیٰ کہ اُنہوں نے حسین الشخ کو بھی جو اُن سے عمر میں بہت چھوٹے تھے بڑی خوشی سے اپنا اُستاد بنایا اور اس سے استفادہ علمی کیا۔ اِسی طرح ابراہیم بن یحییٰ مدنی معتزلی سے بھی اُنہوں نے کمال رغبت اور بڑے شوق سے علم حاصل کیا +

امام شافعی اپنے اساتذہ کا نہائت ادب کرتے تھے اور انکا بڑی تعظیم وتکریم سے نام لیتے تھے ۔ حضرت سُفیان بن عینیہ اور امام مالک کا جسوقت ذکر آجاتا تو کہتے کہ لولا ھُما الذھب علم الحجاز یعنے اگر یہہ دونو نہ ہوتے تو حجاز سے علم ناپیدا ہو جاتا۔ جسوقت امام مالک کا کوئی قول نقل کرتے تو اسکی روائت ان الفاظ سے بیان کرتے ھٰذا قول استاذنا الامام مالک یعنے یہہ ہمارے اُستاد حضرت امام مالک کا قول ہے +

ایک روز کسی شخص نے اُن سے دریافت کیا کہ تم نے کوئی شخص امام مالک جیسا بھی دیکھا ہے امام صاحب نے جواب دیا کہ ہم نے تو ان لوگوں کو بھی جو ہم سے علم اور عمر دونوں میں بڑھے ہوئے ہیں یہی کہتے پایا کہ ہم نے کوئی شخص امام مالک جیسا نہیں دیکھا۔ پھر ہم کیونکر انکی مثل دیکھ سکتے ہیں[۱] +

اُستادوں کے سوا امام صاحب صحابہ اور تابعین کا بھی ذکر ہمیشہ خیر اور بھلائی سے کرتے تھے اور انکا نہائت تعظیم کے ساتھ نام لیتے تھے۔ صحابہ کی نسبت اپنے رسالہ قدیمہ میں لکھتے ہیں والصحابۃ

[۱] مناقب الشافعی امام رازی و اکمال فی اسماء الرجال ۔

رضی اللہ عنہم فوقنا فی کل علمٍ واجتہادٍ وورعٍ وعقل یعنے صحابہ رضی اللہ عنہم ہم سے ہر ایک علم اور اجتہاد اور تقویٰ اور عقل میں بڑھے ہوئے ہیں۔ اور ہم پر فوقیت رکھتے ہیں۔

ایک مرتبہ کسی شخص نے مسئلہ دریافت کیا کہ اگر کسی نے کعبہ تک پیدل چلنے کی نذر کی اور پھر اسکو پورا نہ کیا تو کیا حکم ہے؟ امام صاحب نے اسکو جواب دیا کہ اس صورت میں قسم کا کفارہ لازم آتا ہے۔ پھر اس شخص سے کہا کہ عطا ابن ابی رباح جو مجھسے بہت افضل اور بہتر تھے انکا بھی اس مسئلہ میں یہی قول ہے[١]۔

فیاضی اور سخاوت میں امام صاحب ید طولیٰ رکھتے تھے۔ انکی سخاوت اور فیاضی لوگوں میں ضرب المثل تھی۔ بیشمار حکایتیں انکی سخاوت اور فیاضی کی مشہور ہیں۔ جسوقت امام صاحب تحصیل علم فراست سے فراغت پاکر یمن سے مکے واپس آئے تو انہوں نے مکے میں داخل ہونے سے پہلے اول اپنا خیمہ شہر کے باہر قائم کیا اور پہلے بیس ہزار دینار فقراء و مساکین پر تقسیم کردئے پھر شہر میں داخل ہوئے[٢]۔

مزنی کا بیان ہے کہ میں نے کوئی شخص امام شافعیؒ سے زیادہ سخی اور کریم نہیں دیکھا۔ ایک مرتبہ عید کی رات کو میں انکے ساتھ مسجد سے نکلا اور ایک مسئلہ میں گفتگو کرتا ہوا انکے مکان کے دروازہ تک گیا۔ اتنے میں ایک غلام روپیوں کی ایک تھیلی لایا اور امام سے کہنے لگا کہ میرے آقا نے آپ کو سلام کہا ہے اور یہ تھیلی آپکی نذر کی ہے امام صاحب نے سلام کا جواب دیکر وہ تھیلی اس سے لی اور ابھی تک وہ مکان کے اندر داخل نہیں ہوئے تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے ظاہر کیا کہ اے ابو عبداللہ میری عورت کو ابھی وضع حمل ہوا ہے اور میرے پاس اسکا خرچ اٹھانے کو کوئی شئے نہیں۔ امام صاحب نے وہ تھیلی پوری کی پوری اسکو دیدی اور اس میں سے کچھ اپنے پاس نہ رکھا

---

[١] میزان امام شعرانی۔ توالی التاسیس۔

اور پھر اندر داخل ہوئے [۱]

ایک مرتبہ عید کے روز انکے پاس کھانے پینے کا کوئی سامان موجود نہ تھا۔ اسوقت انکی اہلیہ نے نہائت مجبور ہو کر یہہ بات کہی کہ تم اپنی قوم کے ساتھ بڑی صلہ رحمی کیا کرتے ہو آج ہمیں سخت تکلیف ہے کسی شخص سے کچھ قرض ہی لے آؤ۔ امام صاحب نے مجبور ہو کر کسی شخص سے ستر دینار قرض لئے۔ اُن میں سے کُل بیس دینار اپنے پاس رکھے اور باقی تمام فقرار و مساکین کو تقسیم کر دیئے۔ اتنے میں ایک قریشی انکے پاس اپنی حاجت لیکر آیا امام صاحب نے اپنا سارا حال بیان کر کے وہ بیسوں دینار اسکے آگے رکھدئے اور کہا کہ ان میں سے جسقدر تمہارا جی چاہے لیجاؤ۔ اس شخص نے وہ بیسوں دینار لے لئے اور یہہ کہکر چلدیا کہ ابھی تو مجھے اور ضرورت ہے۔ امام صاحب کہتے ہیں کہ اسکی تھوڑی دیر بعد ہی میرے پاس جعفر بن یحییٰ برمکی وزیر خلیفہ ہارون رشید کیطرف سے ایک قاصد آیا اور مجھے اپنے ساتھ جعفر بن یحییٰ کے پاس لیگیا۔ جب میں جعفر کے پاس پہنچا تو مجھ سے نہائت اخلاق سے پیش آیا اور کہنے لگا کہ مجھے اپنا صحیح صحیح حال سناؤ آج شب جب مجھے نیند آئی خواب میں برابر ہاتف غیبی سے آپ ہی کا تذکرہ سُنا کیا۔ امام صاحب کہتے ہیں کہ میں نے اس سے اپنی ساری کیفیت بیان کی اُس نے ہزار دینار میری نذر کئے [۲]

امام صاحب اپنے دوست آشناؤں اور ملنے والوں سے نہائت محبت اور خاطرداری اور تواضع سے پیش آتے تھے شیخ ابن حجر لکھتے ہیں کہ انہوں نے ایک کنیز جو حلوا بنانے میں نہائت کمال رکھتی تھی خاص اسی غرض سے خریدکی تھی کہ دوست واشنا اس سے حلوا بنوا کر کھایا کریں انکے مکان پر احباب کا ہجوم رہتا تھا۔ انکو وہ حلوا بنوا کر کھلاتے اور حلوے سے بھی زیادہ میٹھی اور

[۱] اکمال فی اسمار الرجال ۔ [۲] مناقب الشافعی امام رازی ۔

دل خوش کن باتیں کرتے اور نہائت خوش ہوتے۔ امام صاحب کے ساتھ اگر کوئی شخص ذرا سا بھی احسان کرتا تو وہ ہمیشہ اسکے احسانمند اور شکر گذار رہتے۔ اور وہ چند سے بھی زیادہ اسکو بدلا دیتے اگر اتفاقاً راستے میں انکے ہاتھ سے چابک گر پڑتا اور کوئی شخص اُسے اُٹھا دیتا تو وہ اسکو چھ چھ سات سات دینار دیدیتے۔ اگر کسی شخص سے کوئی کام یا خدمت لیتے تو عام لوگوں کی بہ نسبت اسکو دوگنی چوگنی اُجرت دیتے۔ ایک بار ایک حجام کو بالوں کی اصلاح کرانے کی اُجرت میں اُنھوں نے پچاس دینار دیدیے

اہلِ ہنر اور اہل کمال کی نہائت قدر کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کہیں کو جا رہے تھے رستہ میں ایک تیر انداز پر گذر ہوا جو تیر اندازی میں اپنی مشق بڑھا رہا تھا۔ اسوقت اتفاق سے ایک تیر اسکا نشانہ پر جا پہنچا۔ اُسوقت امام صاحب کے پاس کُل تین دینار موجود تھے وہی اُسکی نذر کر دیے اور نہائت حسرت اور افسوس کے ساتھ دیر تک کمی کا عذر کرتے رہے +

امام صاحب کو خُدا نے جسقدر حُسن سیرت عطا فرمایا تھا اُسی قدر جمال صُورت بھی مرحمت فرمایا تھا۔ نہائت خوبصورت۔ میانہ قد موزون اندام تھے۔ بظاہر دیکھنے میں کسی قدر ذرا اُونچے معلوم ہوتے تھے۔ چہرہ بہت بھاری نہ تھا۔ رخساروں پر گوشت کم تھا۔ گردن اور بازو اور رانیں اور پنڈلیاں یہہ سب اعضاء لانبے اور کسی قدر دراز تھے۔ گندمی رنگ تھا۔ نہائت خوش گلو تھے۔ چہرہ سے ہیبت اور وقار ٹپکتا تھا جسم کی جلد باریک تھی۔ کشادہ پیشانی اور اعلیٰ درجہ کے عقیل تھے۔ بینی پر نہائت خفیف سی چیچک کے نشان تھے۔ دانت چھیدرے اور دونوں بھویں جُدا جُدا تھیں۔ عنفقہ پر بال نہ تھے۔ داڑھی کو مہدی سے رنگتے تھے +

امام صاحب لباس اور نفقہ اہل وعیال میں ہمیشہ میانہ روی رکھتے تھے۔ روزمرہ کے خرچ میں بھی نہ بہت کمی کرتے تھے اور نہ اسراف۔ کسی کتاب سے اگرچہ اس امر کا مفصّل ثبوت نہیں ملتا کہ انکا یومیہ یا ماہواری خرچ کسقدر تھا لیکن شیخ ابن حجر کی تحریر سے یہ ظاہر ہوتا ہے

وہ نفقہ اہل وعیال میں کسی قسم کی کمی نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ لکھتے ہیں کہ امام صاحب کا نفقہ اہل و عیال اس زمانہ کے ذی وسعت تاجروں اور ذی عزت اشخاص کا سا تھا۔ لباس میں بھی امام صاحب کا یہی حال تھا کہ نہ اسراف کرتے تھے اور نہ بہت کمی۔ بسا اوقات نہایت بیش قیمت سوتی اور کتانی لباس پہنتے تھے۔

امام صاحب اپنے کنبے قبیلے اور اہل وعیال کے ساتھ نہایت خوش اخلاقی اور خندہ روئی سے پیش آتے تھے۔ بعض اوقات اپنی اہلیہ سے خوش طبعی اور مزاح بھی کیا کرتے تھے[۱]+

معمول تھا کہ بعد نماز صبح مجلس درس و تدریس میں بیٹھتے اور طلوع آفتاب تک اہل عراق کو فقہ کا درس دیتے۔ اسکے بعد تھوڑی دیر تک حدیث کا درس رہتا۔ پھر تھوڑی دیر تک مجلس وعظ و مناظرہ گرم رہتی۔ پھر دوپہر تک ادب اشعار عروض نحو وغیرہ کی تعلیم میں مصروف ہوتے۔ بعد دوپہر کے مکان کو جاتے اور تھوڑی دیر تک آرام کرتے۔ باقی دن تلاوتِ قرآن و ذکر الٰہی اور دیگر متفرق امور میں صرف کرتے۔ رات کے تین حصّہ کر رکھے تھے ایک حصّہ عبادتِ خدا میں صرف کرتے۔ اور ایک حصّہ میں سوتے اور اپنے جسم کو آرام دیتے۔ اور ایک حصّہ امور متعلقہ دُنیا اور کتابت حدیث وغیرہ میں صرف کرتے +

ابتدا میں تو امام صاحب نہایت غریب اور مفلوک الحال تھے حتیٰ کہ معلّم کی اُجرت دینے پر بھی کسی قسم کی مقدرت نہ رکھتے تھے مگر بالآخر اُنپر فتوحاتِ دُنیا نے اسقدر ہجوم کیا تھا جسکا کچھ حد و پایان نہیں اکثر خلیفہ وقت اور دیگر امرا و وزرا اُنکے پاس نذریں لاتے اور ہر ایک شخص اُنکے قبول کرنے میں اصرار کرتا ایک مرتبہ ہارون رشید نے انکو پچاس ہزار درہم نذر کئے ابوحسان زیادی نے ایک بار چھ ہزار دینار اُنکے نذر کئے اور قبول کرنے میں از حد اصرار کیا۔ جعفر بن یحییٰ برمکی نے ایک مرتبہ ایک ہزار دینار اُنکے نذر کئے ہارون رشید نے ایک مرتبہ انکے

[۱] ابن خلکان۔

ایک ہزار دینار نذر کیے۔ غرض امام صاحب کی خدمت میں اکثر لوگ نذرانہ پیش کرتے اور امام صاحب بمجبوری انکو قبول کرتے تھے مگر جسوقت انکے پاس مال آتا وہ ہمیشہ اُسکو اُسیوقت فقرا و مساکین کو تقسیم کر دیتے اور اپنی حاجت سے زائد کبھی اپنے پاس جمع نہیں کرتے تھے[۱]+

امام شافعی کی ذہانت وطباعی بعض لطائف

امام صاحب کی ذکاوتِ طبع اور دقّتِ نظر کی کیفیت پُورے طور پر اُسوقت کھُلتی ہے جب انکی فقہ اور ان اصُول پر جن پر وہ مبنی ہے نظر کیجائے۔ چنانچہ دُوسرے حصّے میں جہاں امام صاحب کی علمی زندگی کا تذکرہ کیا جائیگا انکے بعض اصُول بیان کیے جائینگے۔ اس مقام پر ہم صرف چند حکایات و لطائف کو نقل کرنا چاہتے ہیں جن سے ظاہر ہوگا کہ روزمرّہ چھوٹی چھوٹی اور سیدھی سادی باتوں سے وُہ کیسے لطیف اور دلچسپ استنباط کرتے تھے اور ان استنباطوں پر اسلامی دنیا کی فقہ کی کیسی عالیشان عمارتیں بن گئیں +

امام شافعیؒ کے ذہن وذکاء کی دھوم بچپن سے مچ گئی تھی ؎

بالائے سرش زہوشمندی میتافت ستارہ بلندی

محمد بن جریر طبری نے روائت کی ہے کہ ہنوز امام شافعی کی عمر چودہ[۱۴] برس کی بھی نہیں ہوئی تھی کہ وہ ایک روز امام مالک کے حلقہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں امام مالک کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ اے ابوعبداللہ میں قمریوں کی تجارت کیا کرتا ہوں۔ آج میں نے ایک شخص کے ہاتھ ایک قمری فروخت کی۔ تھوڑی دیر کے بعد مشتری میرے پاس واپس آیا اور کہنے لگا کہ تیری قمری بولتی نہیں سا سبات میں مجھ میں اور اس میں تکرار ہوئی۔ اسی جھگڑے میں میں نے

---

[۱] توالی التاسیس و مناقب الشافعی۔

بڑے دعویٰ سے یہہ کہا کہ میری قمری کبھی خاموش نہیں ہوتی اور اگر وُہ کبھی خاموش ہو تو میری
بیوی کو طلاق ہو۔ امام مالک نے اُسکی تمام سرگذشت سُنکر جواب دیا کہ تیری عورت پر تو طلاق
پڑگئی۔ وُہ شخص نہایت مغموم واُواس اپنے گھر کو روانہ ہوا۔ امام صاحب بھی چپکے سے حلقہ سے
اُٹھکر اُسکے پیچھے پیچھے ہوئے اور تھوڑی دُور چلکر اس سے دریافت کیا کہ تیری قمری کا زیادہ
وقت بولنے میں گذرتا ہے یا چُپ رہنے میں؟ اُسنے جواب دیا کہ میری قمری اکثر اوقات تو بولتی
ہی رہتی ہے۔ مگر کسیوقت خاموش بھی ہو جاتی ہے۔ امام صاحب نے جواب دیا کہ جا تیری عورت
پر طلاق نہیں پڑی۔ اور یہہ کہکر پھر امام مالک کے حلقہ میں آ بیٹھے۔ اتنے میں سائل بھی امام مالک
کے پاس موجود ہوا اور کہنے لگا کہ حضرت میرے معاملہ کو پھر ذرا غور سے سوچیئے۔ امام مالک نے
پھر غور سے سوچا اور سوچکر کہا کہ تیری بات کا وہی پہلا جواب ہے۔ سائل نے کہا کہ آپ کے
حلقہ ہی میں سے مجھے ایک شخص نے عدم وقوع طلاق کا فتویٰ دیا ہے۔ امام مالک نے دریافت
کیا کہ وُہ کون شخص ہے۔ سائل نے شافعی کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ وُہ یہہ لڑکا ہے۔ امام مالک
یہہ سُنکر شافعی سے نہایت غصہ ہوکر کہنے لگے کہ تونے یہہ ناجائز فتویٰ کہاں سے دیا؟ شافعی
نے جواب دیا کہ میں نے اس سے یہہ دریافت کیا تھا کہ تیری قمری کا زیادہ وقت سکُوت میں
گذرتا ہے یا بولنے میں۔ اس نے جواب دیا کہ بولنے میں۔ اس لئے میں نے یہہ فتویٰ دیا ہے
امام مالک یہہ سُنکر اَور بھی غضبناک ہوئے اور کہنے لگے کہ قلت سکوت اور کثرت کلام کو اسمیں
کیا دخل ہے؟ امام صاحب نے جواب دیا کہ آپ نے مجھے عبیداللہ بن زیاد سے حدیث بیان
کی ہے کہ فاطمہ بنت قیس رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مُبارک میں حاضر ہوئی۔ اور دریافت
کیا کہ یا رسُول اللہ ابوجہم اور معاویہ دونوں نے مجھے منگنی کا پیغام بھیجا ہے میں ان دونوں میں سے
کس سے نکاح کروں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ معاویہ تو محتاج ہے اور ابوجہم کبھی کندھے سے

لاٹھی نہیں اُتارتا - حالانکہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہہ بات یقیناً معلوم تھی کہ ابو جہم کھاتا بھی ہے اور سوتا بھی ہے - پس اس سے مَیں نے معلوم کیا کہ رسُول اللہ کی مراد اس قول سے کہ ابو جہم کبھی اپنے کندھے سے لاٹھی نہیں اُتارتا یہی تھی کہ اکثر اور اغلب حال اسکا یہہ ہے - اسی لئے میں نے صاحبِ قمری کے اس قول کو کہ میری قمری کبھی خاموش نہیں ہوتی اُس کے اکثر احوال پر محمول کیا - امام مالک یہہ تقریر سُنکر نہایت متحیّر ہوے اور اُنہوں نے امام صاحب کا فتویٰ بدستور قائم رکھا[۱] +

ایک مرتبہ یحییٰ بن معین اور امام احمد اور اسحاق بن راہویہ مکّے میں آئے - اور اُنہوں نے عبدالرزاق محدّث کے پاس جانیکا قصد کیا - جب یہہ تینوں مسجد الحرام میں پہنچے وہاں اُنہوں نے ایک نوجوان کو ایک کرُسی پر بیٹھے دیکھا جسکے اردگرد بہت سی خلقت تھی اور وہ نوجوان نہایت بے باکانہ طور پر کہہ رہا تھا کہ اے اہلِ شام اور اے اہلِ عراق مجھ سے رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی نسبت جو چاہو دریافت کرو - اسحٰق بن راہویہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے پاس کے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہہ نوجوان کون شخص ہے جو اس طرح بے باکانہ گفتگو کر رہا ہے اُنہوں نے جواب دیا کہ یہہ شافعی مطلبی ہے - تب میں نے امام احمد سے کہا کہ آؤ ذرا اس شخص کے قریب چلکر بیٹھیں - جب ہم اسکے قریب پہنچے تو میں نے امام احمد سے کہا کہ اس شخص سے اس حدیث کے معنے دریافت کرو کہ اَقِرُّوا الطُّیُورَ فِی اَوکَارِھَا - امام احمد نے جواب دیا کہ اس میں پوچھنے کی تو کوئی بات ہی نہیں کیونکہ اس کے معنے صاف ظاہر ہیں کہ رات کے وقت طائروں کو انکے آشیانوں میں چھوڑدو لیکن میں تمہارے کہنے سے دریافت کرے لیتا ہوں - غرض امام احمد نے امام صاحب سے اس حدیث کی تفسیر دریافت کی - امام صاحب نے جواب دیا کہ جاہلیّت میں دستور تھا کہ لوگ سفر کرتے وقت پرندوں کو اڑایا کرتے تھے - اگر وہ دہنی طرف کو اُڑتے تو وے لوگ اسے بڑی

نیک فال سمجھتے اور اپنا کام شروع کرتے اور اگر بائیں جانب کو اڑتے تو وہ اسے بڑی بدفالی اور شومی خیال کرتے اور اپنے ارادے سے رک جاتے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو آپ نے اس رسم قبیح کو مٹانا چاہا اور فرمایا کہ پرندوں کو تو انکے آشیانوں میں چھوڑ دو اور تم خدا کا نام لیکر اپنا کام شروع کرو۔ امام صاحب کی یہہ تقریر سنکر اسحاق بن راہویہ امام احمد سے کہنے لگے کہ اگر ہم عراق سے حجاز کا سفر فقط اس ایک ہی حدیث کی تفسیر کے لئے کرتے تو بھی ہمارا سفر رائگاں نہ جاتا[۱]+

ایک مرتبہ امام صاحب نے کہا کہ مجھ سے جو چاہو دریافت کردیں قرآن کے مطابق اسکا جواب دونگا۔ ایک شخص نے دریافت کیا کہ اگر محرم زنبور کو قتل کردے تو اسکا کیا حکم ہے۔ امام صاحب نے اول بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی پھر کہا کہ خدا نے فرمایا ہے مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا یعنے جو شئے تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیں اسے قبول کرو اور جس شئے سے وہ تمہیں باز رکھیں اس سے باز رہو۔ پھر امام صاحب نے اپنی سند سے یہہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے بعد شیخین یعنے ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کا اتباع کرو۔ پھر اپنی سند سے یہہ روایت بیان کی کہ حضرت عمر نے محرم کو زنبور کے قتل کی اجازت دی ہے[۲]+

ایک مرتبہ حفص الفرد نے جو اخبار احاد کا سخت منکر تھا امام صاحب سے دریافت کیا کہ اے ابو عبداللہ لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بلا فائدہ نہیں ہے بھلا اس حدیث میں کیا فائدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر کھڑے ہوکر پیشاب کیا؟ امام صاحب نے جواب دیا کہ اس حدیث میں تو بڑا فائدہ ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اہل عرب کا

---

[۱] مناقب الشافعی۔ [۲] اتقان فی علوم القرآن۔

خیال تھا کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا کمر کے درد کے لئے شفا ہے؟ پس اسی لئے آنحضرت صلعم نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا کہ اگر اہل عرب کا یہہ قول صحیح ہے اور کوئی طبی فائدہ اس سے متصور ہے تو گو یہہ فعل بظاہر دنارت اور رذالت پر دلالت کرتا ہے لیکن درصورتِ نفع اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ایک مرتبہ امام صاحب حضرت سُفیان بن عیینہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے سُفیان بن عیینہ نے زہری کی یہہ حدیث بیان کی کہ ایک مرتبہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم حضرت صفیہ کے ساتھ مسجد سے نکلے۔ راستہ میں آپ کو دو آدمی ملے۔ آپ نے اُن سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہہ میرے ساتھ صفیہ ام المومنین ہے اور یہہ بھی فرمایا کہ شیطان آدمی کی رگ و پے میں مثل خُون کی گھُسا ہوا ہے۔ سُفیان بن عیینہ نے بیان کر کے امام صاحب سے دریافت کیا کہ تم اس حدیث کا کیا مطلب سمجھتے ہو؟ امام صاحب نے جواب دیا کہ اگر قوم رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کو مُتہم کرتی تو ضرور آپ کی تُہمت کے سبب وُہ کافر ہو جاتی۔ کیونکہ جب آپ خُدا کے وحی میں امین ہیں تو دُنیاوی اُمور میں کیونکر متہم ہو سکتے ہیں۔ اس لئے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو یہہ ایک ادب کی بات سکھائی ہے کہ اگر تمہیں ایسا موقعہ پیش آئے تو تم ایسا کیا کرو۔ حضرت سفیان بن عیینہ نے امام صاحب سے یہہ تفسیر سُنکر کہا کہ اے ابو عبداللہ تجھے خُدا جزائے خیر دے کہ تو ہمیشہ ایسی معقول باتیں بیان کرتا ہے جو ہمیں نہائت ہی پسند آتی ہیں۔[۱]

غرض امام صاحب کی فہم و فراست کی بہت حکایات مشہور ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وُہ نہائت دقیق سے دقیق اور پیچیدہ سے پیچیدہ مضمون اتنی جلدی سمجھتے تھے کہ بڑے بڑے مجتہدوں کو تعجب ہوتا تھا۔ حمیدی اُستاد امام بخاری کا قول ہے کہ مَیں نے مکّے کے تمام مشائخ کو امام صاحب کی ذکاوت و ذہانت و فہم و فراست کی انکی ابتداءِ عُمر ہی سے تعریف کرتے ہوئے پایا

[۱] مناقب الشافعی۔ ۵۴ توالی التاسیس

امام مالک بارہا کہا کرتے تھے کہ میرے پاس کوئی قریشی امام شافعی سے زیادہ فہم والا نہیں آیا[۵۱]+

ابو عبید قاسم بن سلام کا قول ہے کہ میں نے کسی شخص کو امام شافعی سے زیادہ عاقل نہیں دیکھا۔ محمد بن الفضل البزاز نے روائت کیا ہے کہ میں نے اپنے باپ سے سنا کہ وہ کہتے تھے کہ میں نے امام احمد حنبل کے ساتھ حج کیا اور ہم دونوں مکے میں ایک ہی مکان میں ٹھہرے امام احمد چپکے سے صبح ہی نکل گئے میں نے فجر کی نماز پڑھکر انکی تلاش کی اور یہہ خیال کرکے کہ ابن عینیہ بڑے محدث ہیں شائد اُنکے پاس گئے ہوں میں ابن عینیہ کی مجلس میں گیا۔ جب میں نے انکو وہاں نہ پایا تو میں نے مکے کی اور مجلسوں میں تلاش کیا۔ آخر کار میں نے انکو ایک عربی جوان کے پاس بیٹھا ہوا پایا۔ میں نے اُن سے کہا کہ اے ابو عبداللہ تم نے ابن عینیہ کو چھوڑ دیا حالانکہ انکے پاس زہری جیسے جلیل القدر امام اور تابعین کی ایک جماعت کی روائتیں موجود ہیں۔ امام احمد نے کہا کہ خاموش ہو اگر حدیث علوی اسناد کے ساتھ نہ ملیگی تو نزول کے ساتھ ملجائیگی۔ اور اس میں تیرا کچھ نقصان نہیں۔ لیکن اگر تجھ سے اس جوان کی عاقلانہ باتیں فوت ہوگئیں تو میں اسبات کا خوف کرتا ہوں کہ تو قیامت تک اُسکی سی عقل نہ پاسکیگا میں نے کتاب اللہ کا زیادہ سمجھنے والا اس جوان قریشی سے نہیں پایا۔ میں نے دریافت کیا کہ یہہ کون شخص ہے۔ امام احمد نے جواب دیا کہ محمد بن ادریس شافعی[۵۲]+

قاضی یحییٰ بن اکثم کا قول ہے کہ میں نے امام شافعی سے بڑھکر کوئی عاقل نہیں دیکھا مزنی کا قول ہے کہ اگر نصف اہل دنیا کی عقل سے امام شافعی کی عقل تولی جاتے تو یقیناً امام شافعی کی عقل بڑھکر نکلیگی+

امام صاحب کا حافظہ نہائت قوی تھا۔ اُنہوں نے امام مالک کے روبرو موطا حفظ سنایا تھا

[۵۱] مناقب الشافعی - [۵۲] مناقب الشافعی

اور ہذیل کے دس ہزار اشعار معہ اعراب و غرائب لُغت و معانی کے برزبان یاد تھے[۱]

امام صاحب فصیح بھی اعلیٰ درجہ کے تھے ابو عبید قاسم بن سلام کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی سے زیادہ کوئی فصیح نہیں دیکھا[۲] امام مالک انکی فصاحت سے نہائت خوش ہوتے تھے امام صاحب خود فرماتے ہیں کہ جب میں نے امام مالک سے موطا پڑھنا شروع کیا تو بارہا اِس خیال سے کہ مبادا کہیں انکو میرے پڑھنے سے ملال پیدا نہ ہوجائے میں اپنی قرأت بند کرنا چاہتا تھا۔ لیکن میرا حُسن قرأت انکو نہائت خوش معلوم ہوتا تھا۔ اور انکا اس میں خُوب دِل لگتا تھا۔ اور جب میں اپنی قرأت بند کرنا چاہتا تو وہ کہتے کہ ابھی اور پڑھو۔ یہاں تک کہ میں نے بہت تھوڑے دنوں میں موطا ختم کر لیا[۳]

وعظ میں امام صاحب کو ایک خاص قسم کا ملکہ حاصل تھا اور لوگوں پر ان کے وعظ کا بے انتہا اثر پڑتا تھا۔ ایک مرتبہ امام صاحب نے ہارون رشید کے دربار میں وعظ کیا۔ ہارون رشید اُنکے وعظ سے اسقدر متاثر ہوا کہ بے اختیار رونے لگا اور وعظ کے ختم ہونے پر اس نے پچاس ہزار درہم انکی نذر کیے[۴]

امام صاحب کو مسلم بن خالد زنجی نے جو مکّے کے نامور مُفتی اور فقیہہ تھے پندرہ برس کی عمر میں فتویٰ دینے کی اجازت دی تھی لیکن امام صاحب نے کچھ اُوپر بیس برس کی عُمر میں مسجد الحرام میں فتویٰ دینا شروع کیا تھا[۵]

امام صاحب ۱۸۵ھ تک مکّے میں مُفتی رہے۔ پھر سن مذکور میں بغداد آئے اور وہاں پر دو برس قیام کیا۔ اور پھر مکے چلے گئے پھر ۱۹۸ھ میں بغداد آئے اور چندماہ وہاں قیام کیا۔ پھر وہاں سے مصر گئے اور آخیر عُمر تک وہیں رہے[۶]

[۱] توالی التاسیس [۲] مناقب الشافعی [۳] الکمل [۴] توالی التاسیس [۵] توالی التاسیس [۶]

مناظرات

اگرچہ ائمہ کے باہمی مناظرات ہم تک ایسی روایتوں کے ذریعے سے نہیں پہنچے جن کی صحت میں کلام نہ ہو سکے الا سب ارباب سیر ان مناظروں کو نقل کرتے آئے ہیں اور کچھ شک نہیں کہ یہہ مناظرے اس زمانے کی مجالس مناظرہ اور علماء کے باہمی تعلقات پر بہت کچھ روشنی ڈالتے ہیں اور تھوڑی دیر کے لئے ہم کو اس متبرک زمانے کے بزرگوں کے جلسوں کی سیر دکھلاتے ہیں۔ اس لئے ہم نے بھی اُن مناظروں کو اپنی کتاب میں نقل کرنا مناسب سمجھا۔ بایں ہمہ ہم نے محض نقل پر اکتفا نہیں کی بلکہ ہر مناظرہ کے حالات پر غور کی اور صرف اُن مناظروں کو اپنی کتاب میں جگہ دی جنکی صحت و اصلیت پر احتمال غالب اور قرائن قوی پائے گئے ؛

امام شافعیؒ کے اکثر مناظرے جو امام محمد اور مالکیہ وغیرہ سے ہوئے ہیں اُنسے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ وُہ ہمیشہ اپنی حجّت میں غالب رہتے تھے۔ چنانچہ اس بات کی کافی دلیل خود امام محمدؒ ہی کا قول ہے جو اکثر اپنے اصحاب سے کہا کرتے تھے کہ اِنْ تَابَعَکُمُ الشافعی فما علیکم من حجازی بعدہٗ کلفۃ یعنے اگر شافعی تمہارا اتباع اختیار کرے تو پھر تم پر اس کے بعد کسی حجازی کا خوف نہیں۔ امام محمد کے اس قول سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ امام شافعی کی مخالفت سے بہت خائف رہتے تھے۔ قتیبہ بن سعید بغلانی کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی کو محمد بن الحسن سے مناظرہ کرتے دیکھا محمد بن الحسن کا امام شافعی کے آگے یہہ حال تھا کہ مثل گنبد کے بن رہے تھے کہ امام شافعی انکو جدھر چاہتے تھے پھیرلیتے تھے۔ حقیقت میں قتیبہ کا یہہ قول نہایت ہی صحیح ہے امام محمد کو سوا امام شافعی کے کبھی کسی شخص کی

سلہ مناقب الشافعی۔ توالی التاسیس۔

مخالفت کی پرواہ نہیں ہوئی۔ لیکن امام شافعی کی مخالفت سے انکو بھی خوف آتا تھا۔ انکا یہہ مشہور مقولہ ہے کہ اگر اہلِ حدیث ہم سے کسی مسئلہ میں گفتگو کر سکتے ہیں تو صرف امام شافعی ہی کر سکتے ہیں ورنہ اُن میں اَور کوئی ایسا شخص نہیں جو ہم سے گفتگو کرنے کے قابل ہو +

ایک روز محمد بن الحسن امام شافعی سے کہنے لگے کہ آپ یہہ تو فرمائے کہ ہمارا صاحب زیادہ عالم تھا یا تمہارا۔ یعنی امام ابو حنیفہ جو ہمارے اُستاد ہیں وُہ زیادہ عالم تھے یا امام مالک جو تمہارے اُستاد ہیں۔ امام شافعی نے کہا کہ اگر آپ انصاف سے گفتگو کریں تو میں بیان کروں۔ محمد بن الحسن نے جواب دیا کہ ہاں ہم انصاف ہی سے گفتگو کرینگے۔ امام شافعی نے کہا کہ میں تمہیں سے قسمیہ دریافت کرتا ہوں کہ قرآن مجید ہمارا صاحب خوب سمجھتا تھا یا تمہارا ؟ امام محمد نے جواب دیا کہ قسم خدا کی فہم قرآن میں تو تمہارا ہی صاحب بڑھا ہوا تھا۔ پھر امام شافعی نے دریافت کیا کہ اچھا احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ماہر ہمارا صاحب تھا یا تمہارا۔ امام محمد نے جواب دیا کہ احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی تمہارا ہی صاحب زیادہ ماہر تھا۔ پھر امام شافعی نے دریافت کیا کہ اقوالِ اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ واقف ہمارا صاحب تھا یا تمہارا۔ امام محمد نے جواب دیا کہ قسم خدا کی اقوالِ اصحابِ رسول اللہ صلعم سے بھی زیادہ واقف تمہارا ہی صاحب تھا۔ غرض جب امام محمد نے ان تینوں باتوں کا اقرار کر لیا تو امام شافعی نے کہا کہ بس اب تو بجز قیاس کے اَور کچھ باقی ہی نہیں رہا اور قیاس کے اصل اصُول بھی یہہ ہی تین چیزیں ہیں۔ پس جو شخص اصُول ہی کو نجانے وُہ قیاس ہی کس چیز پر کریگا۔ محمد بن الحسن یہہ بات سُنکر خاموش ہو گئے اور اسکا کچھ جواب نہ دے سکے[۵۱] +

ربیع نے امام شافعی اور امام مالک کا ایک اَور مناظرہ نقل کیا ہے۔ ایک روز امام شافعی نے امام محمد سے کہا کہ

---

۵۱ ابن خلکان ترجمہ مالک۔

آپ لوگوں کا کوئیں کے مسئلے میں عجیب خیال ہے کہ اگر ایک چوہا اُس میں گرکر مرجائے تو اُس میں سے بیس ڈول پانی کے نکالنے سے وُہ کنواں پاک ہوجاتا ہے۔ یہہ آپکا خیال کسقدر خلافِ قیاسِ عقلی ہے کہ کُل شئے تو ناپاک ہو اور جب اُس میں سے کچھہ حصّہ نکالدیا جائے تو باقی پاک ہوجائے۔ اسکے جواب میں اگر یہہ کہیں کہ ہم نے یہہ مذہب خلافِ قیاس اثر کی بنا پر قائم کیا ہے تو آپ سے اَور بھی زیادہ تعجب ہے کیونکہ آپ نے بوجہ ایک ایسے اثر کے جسکی تضعیف پر جملہ محدثین کا اتفاق ہے اِس قیاس یقینی کو تو ترک کردیا اور مسئلہ مصراۃ میں ایک ایسی نص صریح کی موجودگی میں جسکی صحت پر تمام محدثین کا اجماع ہے ایک قیاس ضعیف کو تسلیم کرلیا پھر آپکا یہہ قول اَور بھی تعجب انگیز ہے کہ اگر کوئی شخص بقصدِ وضو کنوئیں میں ہاتھہ ڈالے تو کُل کنواں ناپاک ہوجاتا ہے۔ اور تاوقتیکہ قطرہ قطرہ کُل پانی کنوئیں کا نہ نکالا جائے کنواں کسی طرح پاک نہیں ہوسکتا۔ اور اگر مُردار یا نجاست گرجائے تو صرف ۲۰ ڈول یا ۳۰ ڈول پانی نکالنے سے کنواں پاک ہوجاتا ہے۔ یہہ بات تو کچھہ آپ ہی لوگوں کی سمجھہ میں آسکتی ہے کہ نجاست گرجانے کی نسبت پاک ہاتھہ کے ڈالنے سے کنواں زیادہ ناپاک ہوجاتا ہے[۵۱]۔

ایکبار امام شافعی محمد بن الحسن سے کہنے لگے کہ آپ جو کہتے ہیں کہ نماز میں کوئی دُعا بجز اُس دُعا کے جو قرآن مجید میں مجملاً یا مفصلاً مذکور ہے پڑھنی جائز نہیں آپ کے اِس قول کے کیا معنے ہیں۔ ہم تو یہہ دیکھتے ہیں کہ تمام دُنیا اور آخرت کی خوبیوں کا طلب کرنا اور تمام دُنیا اور آخرت کی برائیوں سے پناہ مانگنا قرآن مجید میں مذکور ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے

---

[۵۱] امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ یہہ الزام حنفیہ پر اِس صُورت میں نہایت دلچسپی کے ساتھہ عائد ہوتا ہے جبکہ یہہ فرض کرلیا جائے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم بے وضو ہونیکے وقت بہ نیت وضو اپنے دست مبارک کو چاہ میں داخل فرمادیں۔ کیونکہ حنفیہ کے نزدیک اِس صورت میں بھی کُل کنواں ناپاک ہوجائیگا اور تاوقتیکہ اسکا سارا پانی قطرہ قطرہ نہ نکالا جائے کسی طرح پاک نہیں ہوسکتا۔ مناقب الشافعی للرازی

اس طرح پر دعا کی ہے وَاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ اِلٰی اِنْ قَالَ وَارْزُقْهُمْ مِّنْ کُلِّ الثَّمَرَاتِ اس آیت سے ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے دنیا اور آخرت دونوں کی خوبی مانگی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی رَبَّنَا اِنَّکَ اٰتَیْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِیْنَةً وَّاَمْوَالًا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا اِلٰی وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اور حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا کی فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی هَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے فرمایا وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ اِنَّهٗ کَانَ غَفَّارًا اِلٰی اَنْهٰرًا اور خود خدائے پاک نے فرمایا ہے زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ اِلَی الْمُقَنْطَرَةِ اور پھر خدائے پاک نے فرمایا ہے هُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ اِلٰی وَالزَّرْعَ پس اگر کوئی شخص نماز میں اس طرح پر دعا مانگے کہ اے خدا مجھے سواری کو گھوڑا عطا فرما یا مجھے کھانے کو میوہ عطا کر۔ یا میرا کسی پاک عورت سے نکاح کرا دے۔ تو یہ تمام باتیں تو قرآن مجید میں مذکور ہیں[51]۔ پھر آپ کے اس قول کے کیا معنے ہوئے کہ نماز میں بجز ان دعاؤں کے جو قرآن میں مذکور ہیں اور کوئی دعا جائز نہیں۔ امام محمد امام شافعی کی اس تقریر کو سنکر خاموش ہو گئے اور کچھ جواب بن نہ پڑا[52]۔

امام احمد کے نزدیک آدمی قصداً ایک وقت کی نماز ترک کرنے سے کافر ہو جاتا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک نہیں ایک روز امام شافعی نے امام احمد سے دریافت کیا کہ کیا تمہارے نزدیک ایک وقت کی نماز چھوڑنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے امام احمد نے جواب دیا کہ ہاں امام شافعی نے

۵۱ امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت نے نماز میں ایک قوم پر بددعا کی ہے اس میں آپ نے ان لوگوں کے نام بھی لئے ہیں اور انہیں ان کے قبائل کی طرف بھی منسوب کیا ہے پس یہ امر اس بات پر دال ہے کہ نماز میں صرف وہی کلام حرام ہے جو بعض بعض سے کوئی شے طلب کرے لیکن جب بندہ اپنے رب سے کسی چیز کا سوال کرے تو مجھے علم نہیں کہ صحابہ میں سے کسی نے بھی اس کے جواز میں کلام کیا ہو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی ارشاد فرمایا ہے کہ تم سجدہ میں دعا مانگنے کی کوشش کرو اس لئے کہ سجدہ قبولیت دعا کا محل ہے اور آپ نے کسی دعا کو خاص نہیں فرمایا۔ مناقب الشافعی

۵۲ مناقب الشافعی للرازی۔

کہاکہ وہ کافر مسلمان ہونا چاہے تو کیا کرے امام احمد نے جواب دیا کہ نماز پڑھے امام شافعی نے کہا کہ کیا آپ کے نزدیک کافر کی بھی نماز صحیح ہے کیا صحت نماز کے لئے اسلام شرط نہیں ہے امام احمد یہہ سنکر خاموش ہوگئے اور اسکا کچھہ جواب نہ دے سکے[۱] +

فضل بن الربیع نے ایک مرتبہ امام شافعی سے درخواست کی کہ میں حسن ابن زیادہ لولوئی فقیہہ حنفی سے آپکا مناظرہ سننا چاہتا ہوں۔ امام شافعی نے جواب دیا کہ وہ شخص مناظرہ کے قابل تو ہے نہیں لیکن خیر میں اپنے شاگردوں میں سے کسی شخص کو کہتا ہوں کہ وہ تیرے روبرو اس سے مناظرہ کرے۔ پھر امام شافعی نے ایک کوفی شخص کو جس نے امام ابوحنیفہ کا مذہب چھوڑ کر امام شافعی کا مذہب اختیار کیا تھا طلب کیا۔ اور حسن ابن زیاد سے مناظرہ کرنیکا حکم دیا۔ جب حسن ابن زیاد اپنے مکان سے باہر نکلے کوفی نے کہا کہ حضرت اہل مدینہ ہمارے اصحاب کے بعض اقوال پر اعتراض کرتے ہیں اس لئے میں آپ سے اُن مسائل میں اپنا اطمینان کرنا چاہتا ہوں حسن ابن زیاد نے کہا کہ آپ بے تامّل اُن لوگوں کے اعتراض بیان کریں۔ کوفی نے کہا کہ ایسے نمازی کا کیا حکم ہے جو اپنی نماز میں ایک پاکدامن عفیفہ عورت کو زنا کی تہمت لگائے حسن ابن زیاد نے جواب دیا کہ اسکی نماز باطل ہے۔ کوفی نے دریافت کیا کہ اسکے وضو کا کیا حکم ہے۔ حسن ابن زیاد نے جواب دیا کہ اسکا وضو بدستور قائم ہے۔ کوفی نے کہا اور نماز میں قہقہہ لگانے والے کی نسبت کیا حکم ہے۔ حسن ابن زیاد نے جواب دیا کہ اسکی نماز اور وضو دونوں باطل ہیں۔ کوفی نے کہا سبحان اللہ کیا ایک پاکدامن عفیفہ پر نماز میں تہمت لگانے میں اتنا بھی گناہ نہیں ہے جتنا قہقہہ لگانے میں ہے +

فضل ابن الربیع کوفی کی یہہ تقریر سنکر بے اختیار ہنس پڑا تب امام شافعی نے فضل ابن الربیع سے کہا کہ کیا میں تجھہ سے پیشتر ہی نہ کہتا تھا کہ وہ شخص مناظرہ کے قابل نہیں +

ایکبار چند شخصوں نے ملکر امام شافعی کے اس مسئلہ پر کہ یتیم بچے کے مال میں زکوٰۃ واجب

[۱] از مفتاح التواریخ۔

ہے یہہ اعتراض کیا کہ خُدا تعالیٰ نے فرمایا ہے اَقِیمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ آیت میں نماز اور زکوٰۃ کو خُدا تعالیٰ نے یکجا بیان فرمایا ہے۔ پس جب یتیم بچے پر نماز واجب نہیں تو اُس پر زکوٰۃ کیونکر واجب ہوسکتی ہے اور نیز اُسپر جُرم مے نوشی و زنا وغیرہ میں حد لازم نہیں اور اگر بالفرض وُہ کفر کا مرتکب ہوجائے تو اس پر حکم ارتداد صادر نہیں ہوتا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ تین شخص مرفوع القلم ہیں۔ صبی۔ مجنون۔ نائم۔ امام شافعیؒ نے جواب دیا کہ جو الزام تم مجھ پر لگاتے ہو وُہ ہی بعینہ تم پر بھی عائد ہوتا ہے کیونکہ تم اسکی زمین سے عُشر لیتے ہو۔ اور اسکے مال میں صدقہ فطر واجب ادا کرتے ہو۔ پس کیوں تم نے اُسے بعض تکالیف سے خارج کیا اور بعض میں داخل کیا۔ پھر خُدا تعالیٰ نے اُس عورت کی جسکا شوہر فوت ہوجائے ۴ ماہ دس روز کی عدت مقرر کی ہے۔ اور تم اس حکم میں صغیرہ بلکہ رضیعہ کو بھی مثل بالغہ کے تصور کرتے ہو اور نیز تاوان جنایات اور ضمان متلفات میں تمہارے نزدیک لڑکا مثل بالغ کے ہے۔ پس تم نے کیوں لڑکے کو بعض تکالیف دیں اور بعض نہ دیں۔ باقی رہا تمہارا یہہ اعتراض کہ چونکہ نماز اور زکوٰۃ ایک ساتھ واجب ہوئی ہیں اور جب نماز یتیم سے ساقط ہے تو حکم زکوٰۃ بھی ساقط ہونا چاہیئے۔ یہہ تمہاری نہایت نافہمی کی دلیل ہے۔ جس شخص کے پاس مال نہیں ہے اُس سے زکوٰۃ ساقط ہے۔ پس کیا نماز بھی اس سے ساقط ہوسکتی ہے۔ اور اگر ایک مالدار سفر کرے تو نماز میں قصر کرسکتا ہے کیا مقدار زکوٰۃ میں بھی اُسے کمی کرنیکا کچھ اختیار ہے۔ اور اگر کسی شخص پر سال بھر تک بیہوشی طاری رہے تو نماز اُس سے ساقط ہے کیا اس سال کی زکوٰۃ بھی اس سے ساقط ہوسکتی ہے۔ اور حائضہ سے ایام حیض میں نماز ساقط ہے کیا زکوٰۃ بھی اُس سے ساقط ہوسکتی ہے اور مکاتب پر زکوٰۃ واجب نہیں کیا نماز بھی اس پر واجب نہیں"۔

یہہ تقریر سُنکر وُہ لوگ متحیّر رہ گئے اور کہنے لگے کہ سعید ابن جبیر اور ابراہیم نخعی وغیرہ

تابعین یتیم کے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں کرتے۔ امام شافعی نے کہا کہ کیا امام ابوحنیفہ نے تابعیوں کی نسبت یہہ نہیں کہا ہے کہ وُہ بھی آدمی تھے اور ہم بھی آدمی ہیں۔ ہمیں اُنکی مخالفت محض اپنی رائے سے جائز ہے۔ پھر تم مجھے اُنکی مخالفت سے باوجود حدیث رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کیوں روکتے ہو۔ وے لوگ کہنے لگے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعُود سے بھی تو اُسی قسم کی روایت آئی ہے۔ امام شافعیؒ نے جواب دیا کہ اتّباع حدیث اتّباع ابن مسعُود سے اولیٰ ہے۔ نیز ابن مسعُود سے صرف اُسی قدر مروی ہے کہ ولی مال یتیم سے زکوٰۃ نہ دے یعنے وقت بلوغ یتیم خود ادا کرے اور نیز ابن مسعُود سے یہہ روایت ثابت بھی نہیں ہے کیونکہ جس نے اُسے روائت کیا ہے وُہ ایک غیر معتبر شخص ہے۔ نیز تمہارا مذہب تو صحابہ کے حق میں یہہ ہے کہ کسی صحابی کی مخالفت تاوقتیکہ کوئی دُوسرا صحابی ہی نکرے جائز نہیں اور درصُورت اختلاف صحابہ کے اختیار ہے اور اس مسئلہ میں تو حضرت امیرالمومنین علی اور حضرت عُمر و ابن عُمر و عائشہ صدیقہ اور خود رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وجُوب زکوٰۃ ہی کی روایتیں آئی ہیں[۵]+

---

۵ حدثنا عبد المجید بسند المنقطع عن ابن جریج عن یوسف ابن ماھک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتغوا فی مال الیتیم خیرا لا یستھلکہ الصدقۃ او قال لا یذھبہ الصدقۃ شک الشافعی فیھا واخبرنا مالک عن عبد الرحمن ابن القاسم عن ابیہ قال کانت عائشۃ تلینی واخا یتیما فی حجرھا وکانت تخرج من اموالنا الزکوٰۃ واخبرنا سفیان عن عمرو ابن دینار ان عمر ابن الخطاب قال ابتغوا فی اموال الیتمی خیرا لا تستھلکہ الزکوٰۃ واخبرنا سفیان عن ایوب بن موسیٰ ویحیی بن سعید وعبد الکریم ابن المخارق کلھم یخبرونہ عن القاسم ابن محمد قال کانت عائشۃ تزکی اموالنا وانھا لتتجر بھا فی البحرین واخبرنا سفیان عن ابی لیلۃ عن الحکم بن عتبۃ ان علیا رضی اللہ عنہ کانت عندہ اموال بنی رافع وکان یزکیھا کل عام۔

ایک روز ربیعہ نے امام شافعی کے سامنے یہہ بات بیان کی کہ اگر کوئی شخص رمضان کا ایک روزہ قضا کردے تو اُس پر بارہ روز کی قضا لازم ہے کیونکہ خُدا تعالیٰ نے ماہ رمضان کو بارہ مہینوں سے انتخاب کیا ہے پس اس سے معلُوم ہوا کہ اس مہینے کا ایک روز اور مہینوں کے بارہ روز کے برابر ہے۔ امام شافعیؓ نے جواب دیا کہ اس بنا پر تو لازم آتا ہے کہ جس شخص سے شبقدر کی نماز فوت ہوجائے تو وہ ہزار مہینے تک اسکی قضا کیا کرے۔ کیونکہ خُدا تعالیٰ نے شب قدر کی فرمایا کہ لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ یعنے شب قدر ہزار مہینوں سے بھی بہتر ہے +

امام شافعی کے نزدیک اپنی فروخت کردہ شئے کو کہ ہنوز مشتری نے اسکی قیمت ادا نہ کی ہو کمی قیمت کے ساتھ واپس خرید کرنا۔ جائز ہے۔ بعض لوگ اس بیع کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ جب مَیں نے اس گروہ کے لوگوں سے اس مسئلہ میں گفتگوئے کی تو اُنہوں نے جواب دیا کہ عقلاً و قیاساً تو اس بیع کے جواز میں کلام نہیں ہوسکتا۔ لیکن ہم نے بوجہ ورود اثر کے اس مسئلہ میں قیاس کو چھوڑا ہے۔ تب میں نے اُن سے اثر کی بابت استفسار کیا تو وہ اِس طرح پر تھا کہ ابو اسحٰق عالیہ کی عورت سے بیان کرتا ہے کہ وُہ ابو السفر کی بی بی کے ہمراہ عائشہ صدیقہؓ کے پاس گئی عائشہ نے بیان کیا کہ زید ابن ارقم نے اپنی کسی شئے کو فروخت کیا اور قبل ادائگی ثمن کے اُسی شئے کو پہلی قیمت سے کم قیمت پر پھر خرید لیا۔ اسکے سبب سے اللہ تعالیٰ نے اُسکے اُن جہادوں کا ثواب جو اس نے رسُول اللہ صلعم کی ہمراہی میں کئے تھے باطل کردیا +

امام شافعی کہتے ہیں کہ مجھے اس شخص کی بات پر سخت تعجب ہوا کہ بسرہ بنت صفوان مہاجرہ معروفہ کی حدیث تو صرف اس بنا پر رد کرتا ہے کہ وُہ عورت ہے اسکے قول کا کچھ اعتبار نہیں۔ اور اس مسئلہ میں ایک مجہول عورت کے قول کو حُجت ٹھہراتا ہے۔ پھر اسی عورت

نے عائشہ سے یہہ بھی روائت کیا ہے کہ اُس نے مدبرہ کو فروخت کیا۔ اور یہہ شخص عائشہ کے
اس فعل کی باوجودیکہ نص رسُول بھی اسکے موید ہے مخالفت کرتا ہے۔ پس مجھے اس شخص سے
نہائت تعجب ہوا کہ بعض مسائل میں تو خلاف نص قول عائشہ کو حجت ٹھہراتا ہے اور بعض
میں اس کے قول کو باوجود تائید نص کے بھی رد کر دیتا ہے +

ایک روز محمد بن الحسن نے امام شافعی سے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم مسائل غصب
میں میری مخالفت کرتے ہو۔ امام شافعی نے جواب دیا کہ یہہ بات سچ ہے۔ محمد بن الحسن نے
کہا کہ میں تم سے مسائل غصب میں مناظرہ کرنا چاہتا ہوں۔ امام شافعی نے کہا بہت اچھا۔
غرضکہ محمد بن الحسن نے امام شافعی سے مناظرہ کرنا شروع کیا۔ اور سب سے اوّل یہہ مسئلہ دریافت
کیا کہ اگر ایک شخص نے کسی شخص کا شہتیر غصب کر کے اپنے مکان میں لگا لیا اور اس کی تعمیر
میں ہزار روپیہ صرف کئے۔ پھر شہتیر کا مالک آیا اور اپنی ملکیت کے گواہ قائم کئے تو اس صورت
میں آپ کیا فتویٰ دیتے ہیں۔ امام شافعی نے جواب دیا کہ اگر شہتیر کا مالک اپنے شہتیر کی قیمت
لینے پر راضی ہو جائے تو بہتر۔ ورنہ اسکا شہتیر اکھڑ کرا سکے حوالہ کیا جاوے +

پھر امام محمد نے دریافت کیا کہ اگر کسی شخص نے ایک لکڑی کا تختہ غصب کر کے کشتی میں
نصب کر لیا۔ اور جسوقت کشتی وسط دریا میں پہنچی تختہ کا مالک آگیا اور اپنی ملکیت کے گواہ قائم کئے۔
کیا اس صورت میں بھی آپ تختہ کو کشتی سے اکھڑوائینگے۔ امام شافعی نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس پر
امام محمد اور اسکے رفیق نہائت خوشی سے اللہ اکبر کہکر کہنے لگے کہ تم اپنے پہلے قول پر تو قائم نہ رہے
پھر امام محمد نے دریافت کیا کہ اگر ایک شخص نے ابریشم کا دھاگہ غصب کیا۔ اور اپنا پیٹ
چاک کر کے اس سے اپنے زخم میں ٹانکے لگا لئے۔ تو اس شخص کے حق میں تمہارا کیا فتویٰ ہے۔
امام شافعی نے جواب دیا کہ اسکا پیٹ تو چاک نہیں کرایا جا سکتا۔ اس پر امام محمد اور اُنکے رفیقوں نے

خوشی میں آکر پھر تکبیر کہی اور بولے کہ اب تو تمہارا پہلا قول خود تمہاری ہی زبان سے غلط ثابت ہوگیا۔ امام شافعی نے کہا کہ اب ذرا صبر تو کیجئے مجھے بھی آپ سے ایک سوال کرنا ہے۔ آپ مجھے ذرا مہربانی کر کے یہہ بتلائے کہ وہ دھاگہ جس سے اُسنے اپنے زخم میں ٹانکے لگائے ہیں اگر خود اسکا اپنا ذاتی ملک ہوتا تو اس صورت میں اُسے اپنے پیٹ سے علیحدہ کرنا درست تھا یا حرام۔ امام محمد نے جواب دیا کہ حرام۔ پھر امام شافعی نے دریافت کیا کہ وہ تختہ جو اُس نے کشتی میں لگایا ہے اگر اسکا خود اپنا ذاتی ملک ہوتا تو اُسے اُسکا کشتی سے جُدا کرنا جسوقت کہ کشتی وسط دریا میں تھی درست تھا یا حرام۔ امام محمد نے جواب دیا کہ حرام۔ پھر امام شافعی نے کہا کہ اگر مالک مکان اپنے مکان کو ڈھانا چاہے تو درست ہے یا حرام۔ امام محمد نے جواب دیا کہ درست ہے۔ تب امام شافعی نے کہا کہ خدا تم پر رحم کرے تم مُباح امر کو حرام پر کیوں قیاس کرتے ہو۔ امام محمد نے پھر پُوچھا کہ صاحبِ کشتی کے حق میں تمہارا خیال کیا ہے۔ امام شافعی نے جواب دیا کہ اوّل کشتی وسط دریا سے کنارہ پر لائی جائے۔ پھر اُس میں سے تختہ اکھاڑ کر مالک کو دیا جائے۔ امام محمد نے کہا کہ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہہ فرمایا ہے کہ لاضرر ولاضرار یعنے کسی کو ضرر نہ پہنچایا جائے امام شافعی نے جواب دیا کہ ضرر تو اسکو کسی نے نہیں پہنچایا بلکہ اُس نے اپنا ضرر خود ہی کیا ہے +

پھر امام شافعی نے امام محمد سے دریافت کیا تم اس مسئلہ میں کیا کہتے ہو کہ کسی نہائت شریف بزرگ خاندان کے ایک شخص نے ایک ذلیل حبشی کی لونڈی غصب کر کے اُس سے وطی کی۔ پھر اس لونڈی سے دس لڑکے نہائت خوبرُو اور فصیح و بلیغ کریم النفس پیدا ہوئے پھر عرصہ کے بعد اُس حبشی نے گواہ قائم کئے کہ ان لڑکوں کی ماں میری مملوکہ ہے۔ امام محمد نے جواب دیا کہ یہہ لڑکے اُس حبشی کی ملک قرار دئے جائینگے۔ تب امام شافعی امام محمد سے کہنے

لگے کہ میں تم سے خدا کی قسم دیکر دریافت کرتا ہوں کہ ان دونوں صورتوں میں سے کس میں زیادہ ضرر ہے آیا کشتی سے تختہ اُکھاڑنے میں۔ یا ان لڑکوں کے غلام بنانے میں۔ امام محمد یہہ سُنکر خاموش ہو گئے +

امام شافعی اپنے اس مسئلہ پر کہ مہر کی کوئی تعداد مقرر نہیں عموم قرآن سے استدلال کرتے ہیں کہ خُدا نے مطلق لفظ مال فرمایا ہے اور اس کی کوئی تحدید نہیں کی اور آنحضرت صلعم نے لوہے کی انگشتری پر بھی نکاح جائز رکھا ہے لہٰذا جس مقدار پر متعاقدین رضامند ہو جائیں وہی مقدار مہر کی مقرر ہوسکتی ہے۔ بعض لوگوں نے اس میں امام شافعی سے جھگڑا کیا اور کہا کہ مہر کی تعداد دو تین درہم سے کم نہیں ہوسکتی۔ امام شافعی نے ان سے دریافت کیا کہ اس امر پر کیا دلیل ہے۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ فلاں صحابی دس درہم سے کم مہر جائز نہیں رکھتے تھے امام شافعی نے کہا کہ اقوال صحابہ سے اقوال رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معارضہ کرنا بڑی قبیح بات ہے۔ ایسی بات مُسلمان کو نہ چاہئیے۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ اس سے بھی زیادہ قبیح ایک حقیر شئے پر وطی کا مباح کرنا ہے۔ امام شافعی نے کہا کہ ایک شریف بزرگ شخص نے ایک ذلیل خسیس عورت سے ایک درہم پر نکاح کیا اور ایک نہائت دنی اور کمینہ شخص نے ایک شریف عورت سے دس درہم پر نکاح کیا پس اس میں کچھ شک نہیں کہ صورت اخیرہ صورت اُولیٰ سے خست اور دنارت اور قبح عقلی میں بدرجہا بڑھکر ہے۔ پس جب یہہ جائز ہے تو وُہ کیونکر ناجائز ہے ؟

امام شافعی بیان کرتے ہیں کہ ایک رات اہل مدینہ مُدعی کی قسم اور ایک گواہ پر فیصلہ کرنے کے باب میں قاضی ابو یوسف کے پیچھے پڑ گئے۔ قاضی ابو یُوسف نے بیان کیا کہ میں مُدعی کی قسم اور ایک گواہ پر فیصلہ کرنا اس لیئے ناجائز سمجھتا ہوں کہ خُدا تعالیٰ نے فرمایا ہے

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ یعنے اپنے لوگوں میں سے دو گواہ کھڑے کرو۔ ایک شخص نے دریافت کیا کہ وہ دو گواہ جنکی شہادت کا خدا نے حکم دیا ہے کس صفت کے ہونے چاہئیں۔ قاضی ابو یوسف نے جواب دیا کہ دو عادل مسلمان اہل مدینہ یہہ سُنکر خاموش ہو رہے۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ میں نے قاضی ابو یوسف سے آہستہ سے کہا کہ اگر یہہ لوگ تم سے دریافت کر بیٹھیں کہ اچھا تم نے حقوق میں ذمیوں کی شہادت کیوں جائز رکھی ہے تو تم اسکا کیا جواب دوگے؟ یہہ سُنکر قاضی ابو یوسف نے سر نیچے جھکا لیا اور بہت دیر تک سوچا کئے عرصہ کے بعد سر اُٹھا کر کہنے لگے کہ ان احمقوں کو اتنی سمجھ کہاں ہے جو یہانتک پہنچیں۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ میں انکے اس کلمہ کو سُنکر اپنے دِل میں کہنے لگا کہ یہہ شخص صرف بے علموں ہی پر غالب آجاتا ہے +

اسحٰق بن راہویہ سے مروی ہے کہ مَیں اور امام احمد بن تینوں شخص مکّے میں قیام رکھتے تھے۔ امام احمد امام شافعی کے پاس اکثر آیا جایا کرتے اور اپنے اوقات کا اکثر حصہ انہیں کی خدمت میں صرف کرتے اور میں امام احمد کی صحبت کو غنیمت سمجھتا تھا۔ جہانتک ہوسکتا اُنہیں کی صحبت میں اپنا وقت گذارتا۔ ایک روز امام احمد مجھ سے کہنے لگے کہ اے ابو یعقوب تو اس شخص یعنے امام شافعی کی صحبت میں کیوں نہیں بیٹھتا۔ مَیں نے جواب دیا کہ اسکی صحبت میں بیٹھنے سے ہمیں کیا فائدہ ہے۔ ہماری اور اسکی تقریبًا ایک ہی عُمر ہے۔ میں اس کی وجہ سے سفیان بن عیینہ اور اور بڑے بڑے مشائخوں کو کیونکر چھوڑ دوں۔ امام احمد نے کہا خدا تجھے کھووے یہہ فوت ہو جائیگا اور وُہ فوت نہیں ہوگا۔ اسحٰق بن راہویہ کہتے ہیں کہ آخر میں ایکروز امام احمد کے کہنے سے امام شافعی کے پاس گیا اور وہاں پہنچکر میں نے دُوسرے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر مکّے کے مکانوں کے کرایہ کی نسبت گفتگو کرنی شروع کی۔ اور اپنی تقریر

بڑے مُبالغہ کے ساتھہ بیان کی اور اس میں امام شافعی پر مَیں نے چند تعریضیں کیں۔ جب
مَیں اپنی تقریر سے فارغ ہوا تو امام شافعی مجھ سے کہنے لگے کہ کیا تم مجھ سے مناظرہ کرنا چاہتے
ہو میں نے جواب دیا کہ میں تو صرف مناظرہ ہی کی خاطر آیا ہوں۔ امام شافعی نے میری مرضی پاکر
اس طرح پر تقریر کرنی شروع کی کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ
یعنے واسطے اُن فقرا کے جو اپنے گھروں سے نکالے گئے۔ دیکھو اس آیت میں خدا تعالیٰ نے
مکّے کے گھروں کو اُنکے مالکوں کی طرف منسوب کیا ہے نہ غیر مالکوں کی۔ پس اس سے معلوم ہوا
کہ مکّے کے گھر مباح نہیں اور انکے مالک انکو فروخت کر سکتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
فتح مکّہ کے دن فرمایا کہ مَنْ اَغْلَقَ بَابَهٗ فَهُوَ اٰمِنٌ وَمَنْ دَخَلَ دَارَ اَبُوْسُفْيَانَ فَهُوَ اٰمِنٌ
یعنے جو اپنا دروازہ بند کرلے اسکو امن ہے اور جو شخص ابوسُفیان کے گھر میں داخل ہو جائے
اسکو امن ہے۔ بتلاؤ کہ ان حدیثوں میں آنحضرت نے مکّے کے مکانوں کو اُنکے مالکوں کیطرف
منسوب کیا ہے یا غیر مالکوں کی۔ اور جسوقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینے سے مکّے کو تشریف
لائے تھے اور اُسوقت کسی شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ مکّے میں کہاں ٹھہرینگے تو آپنے
اُس کے جواب میں یہہ نہیں فرمایا کہ مکّے کے مکانات مباح ہیں جہاں چاہینگے ٹھہر جائینگے بلکہ آپنے
اسوقت اپنے گھر کے جاتے رہنے پر افسوس ظاہر کیا اور فرمایا کہ ھل ترك لنا عقیل دارا یعنے
عقیل نے ہمارا گھر کہاں چھوڑا ہے سب بیچ کھایا۔ اسحٰق بن راہویہ نے جواب دیا کہ عطا حسن ابراہیم
مجاہد وغیرہ تابعین مکّے کے مکانوں کو مباح قرار دیتے ہیں۔ امام شافعی یہہ سُنکر حاضرین سے
پوچھنے لگے کہ یہہ شخص کون ہے لوگوں نے کہا کہ اسحٰق بن ابراہیم الحنظلی۔ امام شافعی یہہ سُنکر
اسحٰق سے کہنے لگے کہ کیا تم وُہی اسحٰق ہو جسکو خراسان والے فقیہہ خیال کرتے ہیں۔ اسحٰق نے
جواب دیا کہ ہاں وُہ تو مجھے کو فقیہہ کہتے ہیں۔ امام شافعی کہتے لگے کہ کیا اچھا ہوتا جو اسوقت

تیری جگہ اور کوئی شخص ہوتا اور میں اسکے کان کھینچنے کا حکم دیتا۔ میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا اور تم کہتے ہو کہ عطا اور طاؤس اور حسن نے ایسا کہا۔ اتنا نہیں سمجھتے کہ بھلا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں ان لوگوں کی کیا حقیقت ہے۔ اسحٰق نے جواب دیا کہ ان لوگوں کے سوا قرآن مجید میں بھی تو آیا ہے سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ یعنے اس میں مقیم اور مسافر دونوں برابر ہیں امام شافعی نے کہا کہ یہہ حکم خاص مسجد الحرام کے متعلق ہے۔ اسحٰق بن راہویہ یہہ سنکر خاموش ہو گئے +

امام شافعی نے اس مسئلہ کے ثبوت میں کہ مسلمان غلام کا کفار کو امن دینا جائز ہے یہہ حجّت پیش کی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ مسلمانوں کا ذمہ ایک ہے۔ ان میں کوئی ادنیٰ شخص بھی اگر کسی کو امن دیدے تو تمام مسلمانوں کو اسکی سعی لازم ہے۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ غلام مسلمان کے ادنیٰ مسلمان ہونے میں تو شک ہی نہیں۔ اور حضرت عمر نے ایک غلام کا امن جائز رکھا اور اسکے حال سے کچھ تفتیش نہ کی جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے صرف بوجہ مسلمان ہونے کے اس کے امن کو جائز رکھا۔ لہذا ہر ایک مسلمان غلام کو امن دینے کا اختیار حاصل ہے۔ اس پر امام شافعی پر ایک فقیہہ حنفی نے یہہ اعتراض کیا کہ غلام کا خون حُر کے خون کے برابر نہیں ہوتا۔ امام شافعی نے جواب دیا کہ تو یہہ بات کیونکر کہتا ہے۔ تو تو اُس کے عوض میں حُر کا قتل جائز رکھتا ہے۔ اور اگر غلام لڑائی میں شریک نہ ہو تو تو اُسکے امان جائز نہیں رکھتا اگرچہ اسکی قیمت دس ہزار درہم ہوں۔ اور عورت کی دیت باوجودیکہ مرد کی دیت سے نصف ہے مگر تو اسکی امان جائز رکھتا ہے[۱]۔

ایک روز امام شافعی کے پاس اہل مدینہ میں سے ایک شخص بیٹھا تھا۔ اتنے میں بشر مریسی نے

[۱] مناقب الشافعی امام رازی۔

اکثر مناظرہ شروع کیا بشر کی تقریر کا حاصل یہہ تھا کہ مسائل متفقہ کو قبول کرنا چاہیے نہ مسائل مختلف فیہا کو۔ امام شافعی نے کہا کہ اگر تیرا یہہ قول صحیح ہے تو تجھے چاہیے کہ اذان میں ترجیع اختیار کرے کیونکہ تیرا اور ہمارا اس پر تو اتفاق ہے کہ اذان ترجیع کے ساتھ صحیح ہے اور بغیر ترجیع میں اختلاف ہے۔ بشر سے اُسکا کچھ جواب نہ آیا اور تمام حاضرین پر اسکی ہٹ دھرمی ظاہر ہوگئی۔

ابو ثور سے منقول ہے کہ میں اور حسین کرابیسی اصحاب الرائے میں سے تھے جس وقت امام شافعی عراق میں آئے ہم دونو انکے پاس گئے اور ہم نے فقہ امام ابو حنیفہ کے نہایت دقیق دقیق اور پیچیدہ مسائل میں انکا اِمتحان لیا۔ امام شافعی نے نہائت خوبی کے ساتھ ان تمام مسائل کا جواب دیا اور پھر مجھہ سے پُوچھنے لگے کہ اے ابو ثور تو یہہ تو بتلا کہ نماز کس شئے کے ساتھ شروع کیجاتی ہے آیا فرض کے یا نفل کے۔ مَیں نے جواب دیا کہ فرض کے۔ بولے کہ اے ابو ثور تو نے خطا کی۔ پھر میں نے جواب دیا کہ نفل کے۔ بولے تو نے پھر خطا کی۔ میں سخت حیران ہوگیا اور میں نے مجبور ہو کر دریافت کیا کہ جب نہ فرض کے ساتھ نماز شروع کیجاتی ہے نہ نفل کے تو پھر اور کس شئے کے ساتھ شروع کیجاتی ہے۔ بولے کہ دونو کے۔ اور وہ تکبیر اور رفع یدین ہیں تکبیر فرض ہے اور رفع یدین سُنت ہے۔ اور ان دونوں کے ساتھ نماز شروع کیجاتی ہے۔ ابو ثور کہتے ہیں کہ پھر ہم دونوں اُنکے شاگردوں میں داخل ہوگئے اور امام ابو حنیفہ کی فقہ کو ترک کیا۔

امام شافعی کے بعض اقوال ایسے بھی ہیں جو بطور مناظرہ کے اُنھوں نے اپنے شاگردوں کی تعلیم کے وقت استعمال کئے ہیں اور درحقیقت اُن میں کسی شخص سے مناظرہ نہیں ہوا انکا مطلب اس سے صرف یہہ تھا کہ انکے شاگرد حنفیہ کے مناظروں میں اسی قسم کی گفتگو اختیار کریں چنانچہ وہ اپنے اس خیال پر کہ جس شئے کی کثیر مقدار نشا پیدا کرے اسکی قلیل مقدار بھی حرام ہے اپنی حجت اس طرح پر قائم کرتے ہیں کہ ہم اس قول کے مُنکر سے دریافت کرتے ہیں کہ اگر کسی

شخص نے دس پیالے شراب کے پیئے اور اسکو نشہ نہ ہوا تو اسکے حق میں وہ دسوں پیالے شراب کے حرام ہیں یا حلال۔ اگر وہ کہے کہ حرام تو ہمارا مدعا ثابت ہے کیونکہ بالفعل اُسے نشہ نہیں ہوا۔ اور اگر وہ کہے کہ حلال ہیں تو پھر ہم اس سے یہہ سوال کرینگے کہ پھر وہ شخص شراب کے پیالے پیکر باہر نکلا اور ہوا لگنے سے اُسے نشہ پیدا ہو گیا۔ تو اب کیا حکم ہے۔ اگر وہ کہیگا کہ اب اُسکے حق میں وہ پیالے شراب کے حرام ہیں۔ تو ہم اُس سے یہہ سوال کرینگے کہ جو شئے ایک مرتبہ اُسکے پیٹ میں حلال طیب ہو کر داخل ہو چکی ہے تو وہ اب ہوا کے لگنے سے کیونکر حرام ہو گئی؟[۵]

ازواج واولاد

امام شافعی کی ازواج واولاد کی نسبت صرف اِسقدر معلوم ہوا ہے کہ انکی بی بی کا نام حمدہ تھا۔ اور وہ نہایت نیک بخت بی بی تھیں۔ انکا سلسلہ نسب حضرت عثمان ابن عفان تک اس طرح پہنچتا ہے۔ حمدہ بنت نافع بن عیینہ بن عمر بن عثمان بن عفان۔ اس بی بی سے امام شافعی کے ہاں دو لڑکے اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ بڑے لڑکے کا نام ابو عثمان محمد تھا جو عرصہ تک حلب میں قاضی رہا۔ چھوٹے لڑکے کا نام ابوالحسن محمد تھا جو صغیر سنی میں ہی فوت ہو گیا تھا۔ لڑکیوں کا نام فاطمہ اور زینب تھا۔ اسکے سوا امام شافعی کی اولاد کا اور کچھ حال مجھے کسی کتاب سے نہیں ملا۔

امام صاحب کی طرز معاشرت اور اپنے اہل وعیال کے ہمراہ سلوک کا حال ہم امام صاحب کے اخلاق وعادات کے ذکر میں لکھ چکے ہیں۔ اس سے زیادہ انکے خانگی حالات کا کچھ پتا نہیں چلتا ہے۔

* مناقب الشافعی للامام الرازی۔

تلامذہ

امام صاحب سے خلق کثیر کو فیض پہنچا ہے ربیع بن سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی کے دروازہ پر سات سو[1] سواریاں ان لوگوں کی دیکھیں جو انکے پاس تحصیل علم کی غرض سے حاضر خدمت ہوا کرتے تھے۔ پس اگر انکے کل شاگردوں کا شمار کیا جائے تو انکا کیا ٹھکانا ہے۔ لیکن اگر ان تابندہ ستاروں کو ہی گنا جائے جو علم و فضیلت کے آسمان پر امام شافعی کے درخشندہ نام کے ساتھ چمکتے رہینگے تو انکی تعداد بھی شیخ ابن حجر نے ایک سو چونسٹھ لکھی ہے۔ جن میں ایک سو انچاس خود امام کے شیوخ ہیں اور باقی پندرہ انکے اقران ہیں۔ ہم یہاں ان سب کے ناموں کی فہرست درج کرنا موجب تطویل سمجھتے ہیں۔ اسلئے بطور نمونہ ان میں سے بھی صرف ان چند برگزیدہ لوگوں کے نام لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں جو خصوصیت کے ساتھ اسلامی دنیا میں مشہور ہوئے ہیں چنانچہ وہ نام یہہ ہیں۔

ابو بکر عبد اللہ بن الزبیر الحمیدی۔ سلیمان بن داؤد بن داؤد۔ امام احمد حنبل۔ ابو ثور ابراہیم بن خالد۔ حرملہ بن یحیی۔ ابو محمد الحسن بن محمد بن الصباح الزعفرانی۔ ابو ابراہیم اسمٰعیل بن یحیی مزنی۔ یونس بن عبد الاعلی۔ محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم۔ الربیع بن سلیمان۔ ابو یعقوب یوسف بن یحیی بویطی۔

یہہ سب اس پایہ کے بزرگ ہیں کہ انکی عظمت اور جلالت محتاج بیان نہیں ہے انکی حدیثوں سے صحاح ستہ مالامال ہیں۔ اور یہہ خصوصیت کچھہ ان چند برگزیدہ بزرگوں کے ساتھہ نہیں ہے جنکے نام اوپر مذکور ہوئے بلکہ امام صاحب کے تقریباً کل شاگرد ایسے ہیں جن سے صحاح ستہ کے مصنفوں نے اپنے صحاح میں بکثرت روایتیں لی ہیں۔ چنانچہ ان میں سے چوبیس[۲۴] سے **بخاری** نے سترہ سے **مسلم** نے۔ اٹھارہ سے **ابو داؤد** نے۔ سات سے **ترمذی** نے۔ نو سے **نسائی** نے۔ چھہ سے **ابن ماجہ** نے۔ اور تراسی[۸۳] سے دیگر ائمہ حدیث نے روایتیں لی ہیں۔

[1] مقدمہ ہدایہ عبد الحی

حصّۂ دوم

امام صاحب کی تصنیف و تالیف

امام شافعی کی تصنیفات و تالیف نہایت کثرت سے ہیں۔ ملّا علی قاری حنفی مرقات میں لکھتے ہیں کہ امام شافعی کی تصنیفات سے ایکسو تیرہ ۱۱۳ کتابیں ہیں۔ ابن ذولاق کا قول ہے کہ امام شافعیؒ کی تصنیف سے اصُول دین میں چودہ جلدیں اور فروع میں سَو ۱۰۰ سے زائد جلدیں ہیں[۱]۔ شیخ ابن حجر نے امام صاحب کی چند بہت مشہور کتابوں کے نام بھی بتلائے ہیں جو یہہ ہیں۔ رسالہ قدیمہ۔ رسالہ جدیدہ۔ اختلاف الحدیث۔ جماع الامام۔ ابطال الاستحسان۔ احکام القرآن۔ بیان الفرض۔ صفة الامر والنہی۔ اختلاف مالک والشافعی۔ اختلاف العراقیین۔ اختلاف الشافعی و محمد بن الحسن۔ کتاب علی وعبداللہ۔ فضائل قریش۔ کتاب السُنن۔ کتاب المبسوط۔ کتاب الام۔ سیر الاوزاعی۔ سیر الواقدی۔ ان کتابوں میں سیر الاوزاعی اور سیر الواقدی مستقل کتابیں نہیں ہیں۔ بلکہ یہہ دونوں کتابیں کتاب الام ہی کا ایک حصّہ ہیں[۲]۔

کتاب الاُم نہایت عجیب و غریب کتاب ہے۔ بڑے بڑے مصنّفین کی کتابوں میں اسکے حوالجات پائے جاتے ہیں۔ اور عُلمائے متقدمین نے اس کتاب کی بے انتہا تعریفیں کی ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب کا تمامتر مبلغِ علم یہی کتاب ہے۔ اور اسی کتاب کی طفیل درجہ اجتہاد کو پہنچگئے۔ اور اُنہوں نے استنباط مسائل میں ہر جگہ اسی کتاب کے اصُول مدنظر رکھے ہیں۔

---

[۱] اتحاف النبلا [۲] توالی التاسیس۔

چنانچہ شاہ صاحب نے متعدد جگہ اپنی تصنیفات میں اس بات کا اقرار کیا ہے[1]۔ اس کتاب کے چار ہزار صفحے ہیں۔ امام صاحب نے اس تصنیف میں نہائت محنت کی ہے چنانچہ یہہ کتاب اور کتاب السُّنن مُدت چار سال میں تصنیف ہوئی ہیں +

سیر الاوزاعی میں جیسا کہ اسکے نام سے ظاہر ہے امام صاحب نے امام اوزاعی کی حمائت اور انکے مسائل کی تائید کی ہے۔ امام اوزاعی نے جو اہل شام کے امام اور ایک مُستقل مذہب کے بانی تھے امام ابو حنیفہ کوفے کے مسائل کا ردّ لکھا تھا۔ امام محمد امام ابو حنیفہ کے شاگرد نے اسکے جواب میں کتاب لکھی۔ اور اُس میں اپنے اُستاد ابو حنیفہ کی حمائت کی۔ اور امام اوزاعی کے مسائل کا ردّ لکھا۔ امام شافعی نے امام محمد کے جواب اور انکے اعتراضات کی غلطیاں ثابت کی ہیں اور امام اوزاعی کے مسائل کی بڑے زور شور سے تائید کی ہے +

اختلاف مالک والشافعی میں امام صاحب نے اپنے اُستاد امام مالک سے اختلاف کیا ہے اور یہہ بات ثابت کی ہے کہ بعض مسائل میں امام مالک سے غلطی ہوگئی ہے۔ اس کتاب کے اوّل میں امام صاحب نے یہہ قاعدہ مقرر کیا ہے کہ جب ثقہ ثقہ سے روائت کرے اور اسکی سند رسُول اللہ تک متصل ہو تو وہ حدیث رسُول اللہ سے ثابت ہے اور جو حدیث رسُول اللہ سے ثابت ہو اُسکو تا وقتیکہ کوئی دُوسری صحیح حدیث اسکے معارض نہ ہو چھوڑنا نہ چاہئے۔ اور تعارض کی صورت میں اگر اُن میں سے ایک کا ناسخ اور دُوسری کا منسُوخ ہونا معلوم ہو تو ناسخ پر عمل کیا جائے اور منسُوخ کو ترک کیا جائے۔ اور اگر ان دونوں میں سے کسیکا ناسخ منسُوخ ہونا معلوم نہ ہو تو اُن میں سے جس روائت کا ثبُوت زیادہ صحیح ہو اُسپر عمل کیا جائے۔ اور اگر دونوں ایک ہی درجہ کی ثابت ہوں تو اُس حدیث پر عمل کیا جائے جسکی کتاب اللہ یا کسی دُوسری صحیح حدیث سے تائید ہوتی ہو۔ اور اگر غیر رسُول اللہ مثلاً صحابہ یا تابعین سے کوئی روائت حدیث رسُول اللہ کے

[1] مصفیٰ۔

کے مخالف ہو تو اس صورت میں حدیث رسول اللہ پر عمل چاہیئے اور روایت مخالف کی کچھ پرواہ نہ کرنی چاہیئے[1]

امام صاحب نے اس قاعدے کو مقرر کر کے بیان کیا ہے کہ امام مالک نے بعض مسائل میں تو اس قاعدے کو برتا ہے اور بعض میں انہوں نے اسکے خلاف اپنی رائے قائم کی ہے پھر امام صاحب نے ان مسائل کا ذکر کیا ہے جنمیں امام مالک نے ایک صحابی یا تابعی یا صرف اپنے قیاس کی وجہ سے احادیث صحیحہ کو ترک کیا ہے۔ اور انہوں نے ان مسائل میں اجماع کا دعویٰ کیا ہے حالانکہ ان مسائل میں ہرگز اجماع نہیں ہے بلکہ وہ مسائل مختلف فیہ ہیں۔ ایک ان مسائل میں یہہ ہے کہ امام مالک نے اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ لوگوں کا اِس بات پر اجماع ہے کہ قرآن میں کل گیارہ سجدے ہیں اور مفصل میں کوئی سجدہ نہیں۔ امام صاحب اس قول کو نقل کر کے کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ نے سورۂ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ اور حضرت عمر نے سورۂ وَالنَّجْمِ میں سجدہ کیا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان دونوں سورتوں میں سجدہ ثابت کیا ہے پس کاش مجھے معلوم ہو جائے کہ وہ کون لوگ ہیں جنکا اسبات پر اجماع ہے کہ مفصل میں سجدہ نہیں پھر اسکے بعد امام صاحب لکھتے ہیں کہ اکثر فقہا کا یہی مذہب ہے کہ مفصل میں سجدہ ہے[2]

اور ایک اُن مسائل میں سے یہہ ہے کہ امام مالک کہتے ہیں کہ لوگوں کا اسبات پر اجماع ہے کہ سورہ حج میں کل ایک سجدہ ہے۔ امام صاحب اس قول کو بیان کر کے کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اور ابن عمرؓ نے تو سورۂ حج میں دو سجدے کیے ہیں۔ اور امام مالک کہتے ہیں کہ لوگوں کا اسمیں ایک سجدے پر اجماع ہے۔ پس کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ وہ اجماع کرنے والے کون لوگ ہیں جنکا نام تک معلوم نہیں۔ میں تو انہیں جانتا نہیں۔ پس جن لوگوں کا نام بھی معلوم نہ ہو ایسے

---

[1] مناقب الشافعی امام رازی [2] مناقب الشافعی امام رازی۔

گناہوں سے دین کیونکر اخذ کیا جا سکتا ہے؟[۵۱]

امام صاحب نے اپنے اُستاد کی کیوں مخالفت کی اور انکے ردّ میں کیوں کتاب لکھی اسکا سبب لوگوں نے مختلف طور پر بیان کیا ہے۔ امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ ارسطاطالیس نے افلاطون سے حکمت سیکھی اور پھر اسکی مخالفت کی تو کسی شخص نے اس سے دریافت کیا کہ تو نے کیوں اپنے اُستاد کی مخالفت کی۔ ارسطاطالیس نے جواب دیا کہ میری اُستاد اور حق دونوں سے محبت اور دوستی ہے مگر جب ان دونوں میں اختلاف ہو تو حق کی جانب داری کرنی اولیٰ ہے۔ پس بعینہٖ یہی بات امام صاحب کو بھی امام مالک کی مخالفت اور انکے ردّ میں کتاب لکھنے کیطرف داعی ہوئی۔[۵۲]

شیخ ابن حجر لکھتے ہیں کہ اہل مغرب کے پاس امام مالک کی ایک ٹوپی تھی۔ اسکی برکت سے مریضوں کو شفا ہو جاتی تھی۔ اس سبب سے وہاں کے لوگوں کا امام مالک کی طرف یہاں تک اعتقاد بڑھ گیا تھا کہ وہ انکے قول کے مقابلہ میں احادیث نبوی کی بھی کچھ پروا نہ کرتے تھے۔ اور جب وہ کوئی صحیح حدیث سُنتے تو امام مالک کے قول سے اسکا معارضہ کرتے۔ امام صاحب نے جب ان لوگوں کی اسقدر جہالت دیکھی تو امام مالک کے ردّ میں کتاب لکھی اور علانیہ طور پر یہ امر ظاہر کیا کہ اِنَّ مَالِکًا بَشَرٌ یُخْطِیْ وَلَا اُخَالِفُ اِلَّا مَنْ خَالَفَ سُنَّۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ یعنے امام مالک آخر بشر ہی تھے اُن سے خطا بھی ہو جاتی تھی اور مَیں تو اُسی کا مخالف ہوں جو سُنّت رسُول کا مخالف ہو۔[۵۳]

۱ختلاف الشافعی و محمد بن الحسن اس کتاب میں امام صاحب نے امام محمد شاگرد امام ابو حنیفہ کوفی کا ردّ لکھا ہے۔ امام صاحب خود کہتے ہیں کہ میں نے ساٹھ دینار خرچ کر کے امام محمد کی کتابیں خریدیں۔ اور پھر میں نے اُن میں خوب غور کیا اور ہر ہر مسئلہ کا ردّ لکھا۔[۵۴]

سلہ مناقب الشافعی امام رازی۔ سلہ توالی التاسیس۔

ابطال الاستحسان اس کتاب میں رائے مخالفِ شرع کا رد کیا ہے +

اختلاف الحدیث اس کتاب میں مختلف حدیثوں کے باہم تطبیق دینے کے قاعدے بیان کیے ہیں+

غرض امام صاحب کی کُل تصانیف نہایت ہی مفید ہیں۔ صدہا عالم اُنکے مطالعہ سے درجۂ اجتہاد کو پہنچ گئے۔ اسحٰق بن راہویہ جو بڑے فقیہہ اور محدّث مشہور ہیں اور جنکی عظمت و جلالت پر تمام دُنیا کو اتفاق ہے۔ اور جنکی حدیثوں سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم مالامال ہیں انکی فقاہت کا بڑا ذریعہ امام صاحب ہی کی تصنیفات ہیں۔ اُنہوں نے ایک عورت سے جسکا خاوند اپنے ترکہ میں امام صاحب کی تصنیفات چھوڑ مرا تھا صرف ان کتابوں ہی کے لالچ سے نکاح کیا تھا۔ چنانچہ یہی امر انکی فقاہت کا بڑا سبب ہوا[۵۱]+

کتاب الرسالہ کی نسبت ابو القاسم انماطی کا قول ہے کہ میں نے امام شافعی کی اس کتاب کا برابر پچاس برس تک مطالعہ کیا مگر جب کبھی میں نے اس میں غور سے نظر ڈالی تو مجھے ہر بار اسمیں بہت سی نئی ہی باتیں معلوم ہوتی رہیں[۵۲]۔ افسوس کہ یہ بیش بہا کتابیں ہندوستان میں بالکل نایاب ہیں+

تفسیر قرآن

ائمہ کا باہمی اختلاف زیادہ تر احادیث کے باب میں ہے۔ کیونکہ انکے متعلق صحت و عدم صحت کی بڑی بحث پیش آتی ہے۔ ایک امام کسی حدیث کو صحیح اور قابلِ صحت سمجھتا ہے۔ دُوسرا امام اس حدیث پر اعتراض کرتا ہے اور اسکے راویوں کو غیر معتبر بتلاتا ہے۔ پھر احادیث کی صحت و عدم صحت پر جو بحثیں کیجاتی ہیں وہ ایسی نہیں کہ کسی طرح ان بحثوں کا کوئی قطعی فیصلہ ہو سکے۔ لیکن قرآن مجید ان دقتوں اور دشواریوں سے پاک ہے۔ احادیث کی طرح اسکی صحت میں کوئی کلام نہیں

---

[۵۱] توالی التاسیس [۵۲] تاریخ ابن خلکان ترجمہ ابو القاسم انماطی۔

کرسکتا۔ فقہ کا وہ حصّہ بھی جو خاص نصوص قرآنی سے ماخوذ ہے کچھ کم نہیں ہے۔ اس لئے ہم سب سے اوّل تفسیر شافعی کی کچھ مثالیں پیش کرنا چاہتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ معانی قرآن کے سمجھنے میں انکی دُور بین نگاہ کس گہرائی تک پہنچتی تھی اور اگر فہم قرآن مجید میں امام شافعی سب آئمہ سے بڑھکر نکلے تو لو سمجھنا چاہیئے کہ مہمات مسائل فقہ میں مذہب امام شافعی ہی کو ترجیح ہے۔ کیونکہ وہ احکام جو خاص قرآن مجید سے ثابت ہیں وُہی مہمات احکام فقہی ہیں +

امام شافعی نے سُورہ بقر کی اِس آیت میں فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ قَالَ اِعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ لفظ اِعلم کو کسرہ ہمزہ و فتح لام وسکون میم کے ساتھ یعنے بصیغہ امر پڑھا ہے[۵۴]۔ اس قرات میں ایک لطیف نکتہ یہہ ہے کہ ظاہر قرآن اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہہ قصّہ کسی نبی کا ہے۔ کیونکہ خدا نے صاحب قصہ سے اپنا مکالمہ اور خطاب بیان کیا ہے۔ جیسا کہ الفاظ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ سے یہہ امر بخوبی ظاہر ہے۔ اور خدا کے ساتھ ہمکلام ہونے کا رتبہ صرف انبیاہی کو حاصل ہوسکتا ہے۔ مگر اس تفسیر پر جملہ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ سے مطابق قرات مشہورہ کے یہہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ اس نبی کو قبل اس واقعہ کے خدا کی قدرت میں شک تھا حالانکہ قدرتِ خدا میں شک کرنا کامل ایماندار سے بھی ممکن نہیں چہ جائیکہ نبی سے۔ لیکن امام شافعی کی قرات سے یہہ اشکال بالکل زائل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس صُورت میں آیت کے معنے یہہ ہوئے کہ جب اس شخص نے خدا کی عجیب قدرت کا مشاہدہ کرلیا یعنے مُردہ گدھے کو زندہ ہوتے دیکھا اور اپنے کھانے پینے کی چیزونکو باوجود گذر جانے سو برس کی مدت کے اسی طرح تروتازہ پایا۔ جیسا انہیں اوّل روز چھوڑا تھا تو اُس نے خُدا کی قدرت کاملہ پر ایک بدیہی ثبوت لوگوں پر پیش کرنا چاہا اور حاضرین کو مخاطب کرکے کہا کہ تم خوب سمجھ لو کہ خدا ہر شئے پر قادر ہے۔

---

[۵۳] قرات مشہورہ میں اَعلم [۵۴] دیکھو مناقب الشافعی امام رازی۔

اسی طرح امام شافعیؒ نے سورہ اعراف کی اس آیت میں فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ بجائے لفظ شرکاء کی شرکا بکسر شین پڑہا ہے[۱] - اس میں ایک عجیب فائدہ اور لطیف نکتہ یہہ ہے کہ قراءت مشہورہ کے رُو سے حضرت آدم و حوّا کی جانب شرک کی نسبت لازم آتی ہے لیکن اس قراءت میں یہہ قباحت پیدا نہیں ہوتی - کیونکہ شرک کے معنے حصہ کے ہیں پس اس قراءت کی بنا پر آیت کے یہہ معنے ہوئے کہ جب آدم اور حوّا کو خدا نے بیٹا عطا فرمایا تو انہوں نے خدا کا بھی اس میں ایک حصہ مقرر کر دیا یعنے کبھی اس سے خدا کی بندگی کراتے تھے اور کبھی اپنی خدمت لیتے تھے - یہہ فعل اگرچہ عام لوگوں کے لئے موجب ثواب اور قربت خدا ہے مگر بموجب حسنات الابرار سیئات المقربین حضرت آدم و حوا کے حق میں یہہ بھی ایک بڑا جرم تھا اس لئے اگلی آیت میں خدا نے فرمایا کہ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ یعنے خدا انکی اس شرکت سے پاک ہے - اسی طرح امام شافعی نے سورہ بنی اسرائیل کی اس آیت میں وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا - لفظ امرنا کو بالتشدید پڑھا ہے - اس قراءت میں نکتہ یہہ ہے کہ لفظ امرنا بغیر تشدید بظاہر اس امر پر دال ہے کہ خدا نے خود اہل قریہ کو فسق کا حکم دیا تھا مگر قراءت بالتشدید سے یہہ وہم پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اس صورت میں آیت کے یہہ معنے ہوئے کہ ہم نے انہیں قوت اور شوکت اور امارت عطا کی مگر انہوں نے اپنی بدطینتی اور شرارت نفسی سے فسق اختیار کیا +

غرض امام شافعی سے جو قراءتیں منقول ہیں ان میں ضرور کوئی نہ کوئی ظاہری یا باطنی لطیف نکتہ پایا جاتا ہے - ان قراءتوں کی خوبی اور لطافت اور بھی واضح طور پر اس وقت معلوم ہوتی ہے جبکہ ان قراءتوں کا مقابلہ ان قراءتوں سے کیا جائے جو حضرت امام ابو حنیفہ کیطرف منسوب ہیں کیونکہ وہ ایسی ہیں کہ آجتک عوام تو درکنار خود علماء حنفیہؒ کی سمجھ میں بھی انکا مطلب

---

[۱] دیکھو مناقب الشافعی امام رازی -

نہیں آیا مثلاً امام اعظم نے طعام ترزقانہ کو نون کے ضمہ سے پڑھا ہے جو علم نحو کے مطابق محض بے معنے اور مہمل عبارت ہے اسی طرح انہوں نے آیت اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ میں لفظ اللہ کو مضموم اور علما کو مفتوح پڑھا ہے جسکے یہہ معنے ہوئے کہ خدا علما سے ڈرتا ہے*

پہلی قرأت کو تو خود علما حنفیہ نے اسقدر بے معنے سمجھا ہے کہ اس میں انکو کسی تاویل تک کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ البتہ پچھلی قرأت میں انہوں نے کسیقدر ہاتھہ پاؤں مارے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اسکی دو تاویلیں کی ہیں ایک یہہ کہ اگر خدا سے خوف ممکن ہوتا تو وہ صرف علما ہی کا خوف کرتا اور دوسری یہہ کہ خوف کو تعظیم لازم ہے پس مراد اس آیت میں خوف سے تعظیم ہے یعنے خدا صرف علما ہی کی تعظیم کرتا ہے۔ باوجودیکہ ہمارے دل میں حضرت امام ابوحنیفہ کے علم و فضل کا بے انتہا ادب ہے مگر انصاف یہہ ہے کہ ان قرأتوں میں کسی قسم کی خوبی نہیں۔ یہہ دونوں قرأتیں امام فخرالدین رازی نے امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کی ہیں*

حق یہہ ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر میں امام شافعی کو ایک خاص قسم کا ملکہ منجانب ائمہ عطا ہوا تھا اور جو صفات و شرائط مفسر کے لئے ضروری ہیں وہ انکو اللہ پاک نے علیٰ وجہ الکمال بخشی تھیں وجوہ نظم قرآن مثلاً مجمل۔ مبین۔ محکم۔ متشابہ۔ عام۔ خاص۔ ناسخ۔ منسوخ۔ اعتبار۔ امثال۔ قصص۔ احکام۔ اسباب نزول۔ محاورات عرب وغیرہ امور میں انکی واقفیت کچھہ حد و انتہا نہ رکھتی تھی۔ یونس بن عبدالاعلیٰ کا قول ہے کہ امام شافعی اس خوبی سے قرآن مجید کی تفسیر بیان کیا کرتے تھے کہ گویا وہ نزول قرآن کے وقت خود موجود تھے۔ حضرت جنید اکثر کہا کرتے تھے کہ قرآن مجید کو امام شافعی سے زیادہ جاننے والا اور کوئی نہیں۔ امام شافعی خود بھی فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں ایسا کوئی کلمہ نہیں جسکا مطلب مطابق محاورہ عرب کے میں نہ جانتا ہوں[۱]*

---

[۱] توالی التاسیس اور مناقب الشافعی امام رازی۔

جو تفسیریں امام شافعیؒ سے منقول ہیں وُہ حقیقت میں عربیت و محاورہ دانی و دقتِ نظر کے لحاظ سے نہائت ہی کامل ہیں۔ فقہائے حنفیہ میں ابوبکر رازی اکثر امام شافعیؒ کی تفسیر نقل کر کے اُس پر کچھ نہ کچھ نکتہ چینی ضرور کرتے ہیں۔ لیکن ابوبکر رازی ایسے عالم نہ تھے جنکا قول بلاچون و چرا تسلیم کیا جاسکے۔ اُنکی نکتہ چینی ایسی ہی ہے جیسی اکثر حنفی بخاری پر نکتہ چینیاں کیا کرتے ہیں۔

علمِ لُغت کے ماہروں نے ہر زمانہ میں امام شافعیؒ کی تفسیر کو نہائت وقعت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ علامہ جار اللہ زمخشری صاحبِ تفسیر کشاف جو اس پایہ کا شخص تھا کہ آجتک عربیت میں کوئی اُسکا نظیر مشکل سے نظر آئیگا۔ باوجود اسکے کہ وہ حنفی المذہب تھا اور حنفی بھی مُعتزلہ مگر اس اختلافِ مذہب پر بھی اکثر مواضع میں امام شافعیؒ کی رائے کو صواب قرار دیتا ہے۔ چنانچہ ہم اپنی اس کتاب کے حصہ دوم میں چند مثالیں امام شافعی کی تفسیر دیکر بتلائینگے کہ یہ امام تفسیرِ قرآن کے کس رتبہ علیا پر پہنچا تھا +

امام شافعیؒ سُورہ نسا کی آیت فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ لَا يَقَعُ اسْمُ الصَّعِيدِ إِلَّا عَلَى تُرَابٍ ذِي غُبَارٍ یعنی لفظ صعید کا اطلاق صرف غبار والی مٹی ہی پر ہوتا ہے۔ مگر زجاج اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ صعید وجہ ارض کو کہتے ہیں اگرچہ بلا غبار صاف پتھر ہی کیوں نہ ہو۔ پس اگر تیمم کرنے والا صاف پتھر پر ہاتھ مار کر اپنے منہہ اور ہاتھوں پر مسح کرلے تو اُنکے نزدیک اس شخص کا تیمم جائز ہے مگر امام شافعی کے نزدیک تاوقتیکہ پتھر پر غبار نہ ہو اُس سے تیمم صحیح نہیں ہوسکتا +

صعید کے لفظ کی جو تفسیر امام شافعی نے بیان کی ہے وُہ زجاج کی تفسیر سے چند اعتبار سے زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اوّل یہ کہ صعید فعیل ہی لفظ صعد سے۔ جسکے معنے اُوپر چڑھنے اور بلند ہونے کے ہیں۔ اور فعیل علمِ لُغت میں کبھی بمعنے فاعل آتا ہے اور کبھی بمعنے مفعول۔ پس اگر

صعید بمعنے فاعل یعنی صاعد کے لیا جائے تو اس صورت میں کچھ شبہہ نہیں ہوسکتا کہ امام شافعی کا قول نہایت صحیح ہے کیونکہ تراب یعنے مٹی کا غبار ہوجاتا ہے اور غبار بالطبع اوپر کو ہی چڑھتا ہے۔ اور اگر لفظ صعید بمعنے مفعول یعنی مصعود کے لیا جائے تو آیت سے یہہ بات ثابت ہوئی کہ جس شئے سے تیمّم کیا جائے وہ کوئی ایسی شئے ہونی چاہئے جو اعضاء تیمّم کی طرف منتقل ہوسکے حالانکہ زجاج اور امام ابوحنیفہؒ اعضاء تیمّم کیطرف کسی شئے کا انتقال لازم نہیں سمجھتے اور جس کسی نے تیمّم میں کسی شئے کے منتقل کرنے کو لازم قرار دیا ہے وہ صرف انتقال تراب ہی کو لازم کرتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ صعید سے تراب مراد لینا ہی زیادہ صحیح ہے۔ دوسری وجہ اس تفسیر کی صحت کی یہہ ہے کہ اس تفسیر کی تائید سورہ مائدہ کی آیت سے بھی ہوتی ہے جہاں خدا نے فرمایا ہے کہ فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ یعنے کچھ مٹی اپنے منہہ اور ہاتھوں پر مل لو۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ صعید کے بعض اجزا کا اعضاء تیمّم کیطرف منتقل ہونا ضروری ہے مگر بالکل صاف پتھر سے اعضاء تیمّم کیطرف کسی شئے کا انتقال ممکن نہیں۔ علامہ جار اللہ زمخشری گو حنفی المذہب ہوں لیکن انکی طبیعت انصاف پسند واقع ہوئی تھی۔ انہوں نے صاف اقرار کیا ہے کہ حق بات تو یہہ ہے کہ صحت تیمّم کے لئے کسی نہ کسی شئے کا منتقل ہونا ضرور ہے چنانچہ علامہ موصوف سورہ نساء کی اسی آیت کی تفسیر میں زجاج اور امام ابوحنیفہؒ کا مذہب بیان کر کے لکھتے ہیں فَإِنْ قُلْتَ مَا يَصْنَعُ بِقَوْلِهِ تَعَالَى فِي سُورَةِ الْمَائِدَةِ فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ اى بعضه وهذا لايتاتى فى الصخر الذى لاتراب عليه قُلْتُ قَالُوا من لابتداء الغاية فَإِنْ قُلْتَ قولهم انها لابتداء الغاية قول ضعيف ولايفهم احد من القائل مسحت براسى من الدهن ومن الماء ومن التراب الا معنى تبعيض قُلْتُ هو كما يقول والاذعان للحق احق من المراء یعنے اگر تو ہم پر اعتراض کرے کہ سورہ نساء میں تو تمہارا مذہب بنگیا مگر سورہ مائدہ کی آیت میں کیا کروگے

جہاں خدا نے صاف فرمایا ہے کہ تیمم میں صعید کے بعض اجزا اپنے منہہ اور ہاتھوں پر مل لو اور یہہ بات پتھر بلا غبار میں ممکن نہیں تو میں اسکا یہہ جواب دیتا ہوں کہ علماء حنفیہ نے اس آیت میں من ابتداء غایت کے لئے قرار دیا ہے۔ اگر تو اُس پر یہہ اعتراض کرے کہ انکا یہہ قول کہ من ابتداء غایت کے لئے ہے ضعیف ہے کیونکہ جب عرب ایسے اقوال بولتے ہیں کہ مَسَحْتُ بِرَاسِي مِنَ الدُّهْنِ وَمِنَ الْمَاءِ وَمِنَ التُّرَابِ تو ایسے کلام سے ہر کوئی تبعیض ہی کے معنے سمجھتا ہے نہ ابتداء غایت کے تو میں اُسکے جواب میں کہونگا کہ تمہارا ہی قول ٹھیک ہے کیونکہ ہٹ دھرمی کی نسبت حق بات کا قبول کر لینا ہی بہتر ہے[۱]۔

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ کی تفسیر میں امام شافعی کا مذہب یہہ ہے کہ جو شخص سلطانِ وقت سے باغی ہو یا جو شخص اثناء سفر معصیت میں بھوک سے مرنے لگا ہو وہ لحم خنزیر یا مردار کھانیکی اجازت سے جسکا اس آیت میں ذکر ہے فائدہ حاصل نہیں کر سکتا۔ اس تفسیر پر قاضی عبد الجبار بن احمد اور ابو بکر رازی نے یہہ نکتہ چینی کی ہے کہ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ حال ہے اور حال بمنزلہ شرط کے ہوتا ہے اور شرط اس بات میں کہ وہ مستقل بنفسہ نہیں ہوتی استثناء کے حکم میں ہوتی ہے پس جس طرح استثناء کا تعلق کسی امر مذکور کے ساتھ ہوتا ہے اسی طرح غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ کا تعلق بھی کسی امر مذکور کے ساتھ ہونا چاہیئے مگر آیت میں بجز اکل کے کوئی چیز مذکور نہیں کیونکہ تقدیر کی آیت کی یہہ ہے کہ فَمَنِ اضْطُرَّ فَاَكَلَ مِنَ الْمَيْتَةِ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ یعنے جو شخص بھوک کے باعث مجبور ہو گیا اور اس نے میتہ کھا لیا درآنحالیکہ وہ باغی اور متعدی نہیں ہے تو اُس پر کچھ گناہ نہیں ان وجوہات سے غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ سے باغ وعاد فی الاکل مراد لینا اولیٰ ہے[۲]۔ لیکن افسوس ان بزرگوں نے کافی طور پر سیاقِ کلام الٰہی پر نظر نہیں کی اور۔ امام شافعیؒ کی

[۱] دیکھو تفسیر کشاف در سورۂ نساء۔ [۲] مناقب الشافعی امام رازی۔

وقت نظر و وسعت معلومات پر +

جن لوگوں کو عربیت سے کچھ بھی مناسبت ہے وہ ادنی تامّل سے جان سکتے ہیں کہ لفظ غیر باغٍ ولا عادٍ ماہیت بغاوت اور عدوان کی نفی پر دلالت کرتے ہیں اور ماہیت کی نفی بغیر اسکے جمیع افراد کی نفی کے ممکن نہیں پس امام شافعی کا یہہ دعویٰ ہے کہ اوّل خدا نے میتہ اور خون اور لحم خنزیر کو حرام فرمایا پھر ان چیزوں کے کھانیکی ایسے شخص کو اجازت دی جو فاقہ سے جاں بلب ہو رہا ہو بشرطیکہ وہ شخص صفت بغاوت اور عدوان سے متصف نہ ہو۔ اب دیکھنا اس بات کا ہے کہ اس شخص کو جس نے گناہ کی نیت سے سفر کیا ہو یا وہ سلطان وقت سے باغی ہو غیر باغی اور عادی کہہ سکتے ہیں یا نہیں امام شافعی کہتے ہیں کہ نہیں کیونکہ گناہ کی نیت سے سفر کرنیوالا اور سلطان وقت سے بغاوت کرنے والا باغی اور عادی ہے۔ پس تاوقتیکہ کسی شخص میں جمیع افراد بغاوت اور عدوان جمیع وجوہ سے منتفی نہوں غیر باغی اور عادی کا لفظ اُس پر صادق نہیں آسکتا جیسے کسی شخص کو تاوقتیکہ وہ جمیع افراد ظلم سے مبرا نہ ہو غیر ظالم نہیں کہہ سکتے۔ صرف کھانے میں غیر باغی اور عادی ہونے سے کلیۃً غیر باغی اور عادی ہونا صادق نہیں آتا۔ حالانکہ منطوق و مفہوم قرآنی یہہ ہی ہے۔ البتہ گناہ کی نیت سے سفر کرنے والے کو عادی اور سلطان وقت سے بغاوت کرنے والے کو باغی کہہ سکتے ہیں اور اجازت مردہ اور سور وغیرہ کے کھانے کی صرف اُسی شخص کو دیگئی ہے۔ جو غیر باغی اور عادی ہو پس گناہ کی نیت سے سفر کرنیوالے اور سلطان وقت سے بغاوت اختیار کرنیوالے کو کسی حالت میں مردار وغیرہ کھانے کی اجازت شرع کی طرف سے نہیں مل سکتی +

امام شافعی کی اس تفسیر سے صاف ظاہر ہے کہ وہ قرآن مجید کو کس نظر غائر سے دیکھتے تھے اور مراد الٰہی کے دُرشاہوار کس گہرائی سے نکال کر لاتے تھے +

قطع نظر ان تمام باتوں کے امام شافعی کی تفسیر کی صحت پر تین مستحکم دلیلیں اور بھی ہیں
پہلی دلیل یہہ ہے کہ غَیْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ حال واقع ہوا ہے۔ اضطرار سے پس ضرور ہے کہ غیر باغی
اور عادی ہونیکے وقت وصف اضطرار باقی ہو کیونکہ حال اور ذوالحال میں اتحاد زمانہ شرط ہی۔
پس اگر مراد غَیْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ سے بغاوت اور عدوان کھانے میں لیجائے تو بغاوت اور
عدوان کھانے میں لیجائے تو بغاوت اور عدوان کے وقت وصف اضطرار باقی نہیں رہتا
کیونکہ کھاتے وقت اضطرار ممکن نہیں۔ دُوسری دلیل یہہ ہے کہ مُردار اور سُور وغیرہ کھانے
سے طبیعت انسانی بالذّات متنفّر ہوتی ہے اس میں نہی کی ضرورت ہی نہیں پس بغاوت و
عدوان سے صرف کھانے میں بغاوت و عدوان مراد لینا گویا کلام الٰہی کو فائدہ سے خارج کرنا ہے
تیسری دلیل یہہ ہے کہ اس تفسیر کی تائید قرآن مجید کی ایک اور آئت سے بھی ہوتی
ہے جہاں خُدا نے فرمایا ہے فَمَنِ اضْطُرَّ[۵۷] فِی مَخْمَصَةٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ یعنی جو شخص بھوک
کی وجہ سے مجبُور کیا جائے درانحالیکہ اسکا قلب کسی گناہ کی طرف مائل نہ ہو اُسے مُردار و سُور وغیرہ
کھانیکی اجازت ہے اس آئت سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مجبُوری اور اضطرار کیوقت مُردار
کھانیکی اجازت صرف اُسی شخص کے لئے ہے جو اُسوقت گناہ کی طرف مائل نہ ہو +

امام شافعی کی اس تفسیر پر بعض عُلما حنفیہ کا یہہ اعتراض ہے کہ صُورت متنازعہ میں
اگر باغی اور گنہگار کو اس لئے کھانے کی اجازت نہیں دی گئی کہ اسکا ہلاک ہونا ہی بہتر ہے
تو حرام کی کیا تخصیص تھی اسکے لئے تو حلال غذا کی بھی اجازت نہ ہونی چاہیے تھی۔ نیز سفر
معصیت اور بغاوت کی بھی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں بلکہ ہر گنہگار کا یہی حکم ہونا چاہیے لیکن
نص کے مقابلہ میں اس قسم کے قیاس دوڑانا مومنوں کی شان کے خلاف ہیں۔ علاوہ ازیں
امام شافعی کا مذہب ہرگز یہہ نہیں کہ آئت مذکورہ میں باغی اور گنہگار کو اجازت لحم خنزیر اور مُردار کی

[۵۷] سورہ مائدہ۔

کے کھانے کی نہ دینے سے انکا ہلاک کرنا مقصود ہے بلکہ وُہ قرآن مجید سے یہہ سمجھتے ہیں کہ دراصلیکہ رزق طیب عاصی اور غیر عاصی حتیٰ کہ کفار کو بھی بلا امتیاز کفر و اسلام منجانب اللہ عطا ہوا ہے۔ لیکن حالت اضطرار میں مُردار یا لحم خنزیر کے کھا لینے کے گناہ کی معافی ایسی عام نہیں ہے بلکہ یہہ معافی صرف اُنہیں لوگوں کو عطا ہوئی ہے جو اسکے اہل ہیں۔ اضطرار حقیقت میں ایسی حالت ہے جس میں ایسی معافی عطا ہونی نہایت مناسب ہے مگر اس میں یہہ ایک استثنا بھی ضرور ہے کہ وہ اضطرار کسی ارتکاب اقدام گناہ سے نہ پیدا ہوا ہو۔ ایسا اضطرار جو ارتکاب یا اقدام گناہ سے پیدا ہو کسی پاکباز کی نظر میں اس مجرم کو مستحق رخصت شرعی نہیں کرتا۔ ایسے مجرموں کو اس قسم کے حقوق دینے دُنیا میں جرم کو تقویت و ترقی دینا ہے +

امام شافعی هُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ خُدا پر کوئی شئے کسی دُوسری شئے کی نسبت آسان نہیں لیکن خُدا نے یہہ صرف ہماری عرف اور خیال کے بموجب فرمایا ہے کہ ہمیں مرنے کے بعد پیدا کرنا پہلے پیدا کرنے کی نسبت زیادہ آسان ہے کیونکہ جس وقت کوئی شئے موجود نہ تھی باایں ہمہ خُدا نے بلا مادہ عدم محض سے انسان کو تام کامل معہ کان آنکھ ہاتھ پاؤں تمام اعضا کے پیدا کردیا تو درحقیقت ہمارے عرف اور عادت کے بموجب یہہ بات بہ نسبت اسکے زیادہ مشکل ہے کہ خُدا کسی چیز کا صرف اس حالت پر اعادہ کردے جس پر وُہ ایک مرتبہ موجود تھی پس خُدا کا یہہ قول کہ ہمیں مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنا زیادہ آسان ہے صرف ہمارے عرف اور عادت کے اعتبار سے ہے ورنہ درحقیقت خُدا پر نہ کوئی شئے کسی دُوسری شئے کی نسبت آسان ہے اور نہ مشکل بلکہ اسپر ہر شئے کا پیدا کرنا یکساں ہے +

قُل لَّا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَن يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا

مَسْفُوحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ یعنے اے محمد تو کہدے کہ جو حکم مجھکو پہنچا اُس میں کسی کھانیوالے پر کسی چیز کا کھانا حرام نہیں ہوا۔ سوا اسکے کہ وہ مُردہ ہو یا بہتا ہوا خون یا گوشت سور کا کہ وہ ناپاک ہے یا وہ گناہ کی چیز جسپر خدا کے سوا کسی اَور کا نام لیا گیا ہو لیکن جو شخص مجبور ہو بشرطیکہ وہ نافرمان اور حد سے گذر جانیوالا نہ ہو تو تیرا رب معاف کرنیوالا مہربان ہے +

اِس آیت کی تفسیر میں جو پہلو امام شافعی نے اختیار کیا ہے وہ حقیقت میں نہایت ہی معقول ہے اور اس سے دل کو پُوری تسکین حاصل ہوتی ہے اور جو ظاہری اشکال آیت میں پیدا ہوتا ہے یکلخت اُٹھ جاتا ہے اور آیۃ میں کسی قسم کی نسخ یا تاویل وغیرہ کی بھی ضرورت نہیں رہتی امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ یہہ کلام کفّار کی ضد بیجا اور عناد ناحق کی بنا پر نازل ہوا ہے۔ جو انہوں نے حِلّتِ مَیتہ اور خنزیر اور دَم وغیرہ میں اختیار کر رکھا تھا۔ اس آیت میں کفّار کے مقابلہ میں کلام کو زور دیکر کہا گیا ہے۔ کہ میں اُسی چیز کو حرام پاتا ہوں جسکو تم نے حلال کر رکھا ہے۔ پس آیت سے اُن چیزوں کی حِلّت ثابت نہیں ہوتی جنکا اس آیت میں ذکر نہیں کیونکہ اس آیت کا مقصود صرف اشیاء مذکورہ کا حرام ثابت کرنا ہے نہ کسی چیز کا حلال ہونا۔ اسکی مثال بعینہ ایسی ہے۔ جیسے کسی شخص کو شیرینی کھانے سے روکا جائے اور وہ ضد سے کہے کہ مَیں تو شیرینی ہی کھاؤنگا۔ پس مقصود اس کلام سے صرف اُس شخص کی مخالفت ہے نہ یہہ کہ درحقیقت شیرینی کے سوا وہ کوئی اَور چیز نہ کھائیگا۔ اِسی طرح آیت مذکورہ صدر کا مطلب صرف اسیقدر ہے کہ جن چیزوں کو تم حلال سمجھتے ہو میں اُنہیں ہی حرام پاتا ہوں۔ اِس سے یہہ مقصود ہرگز نہیں کہ ان چیزوں کے سِوا اَور تمام چیزیں حلال ہیں۔ حصر فقط انکے نقص دعویٰ کی غرض سے ہے نہ کسی اَور غرض سے۔ اس آیت کی جو تفسیر

امام شافعیؒ نے کی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اصول تفسیر اور جملہ رسالیت کلام الٰہی کے کامل آگاہی رکھتے تھے یہانتک کہ امام الحرمین ابو المعالی جو امام غزالی کے اُستاد ہیں اور ہر قسم کے علوم و فنون میں اپنے زمانہ میں بےمثل اور یکتا خیال کیے جاتے تھے اُنکا قول ہے کہ اگر امام شافعی کا ذہن اس طرف نہ جاتا اور وہ اس آیت کی تفسیر بیان نہ کرتے تو ہمیں اس آیت کا صحیح مطلب سمجھنے میں بڑی دشواری پڑتی[۱]

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ یعنے جو لوگ پاکدامن عورتوں کو عیب لگائیں پھر اُس پر چار گواہ نہ لاسکیں تو انکو اسّی دُرّے مارو اور انکی گواہی کبھی قبول مت کرو وہ لوگ فاسق ہیں۔ مگر جنہوں نے بعد ازاں توبہ کرلی اور راستی پر آگئے تو اللہ بخشنے والا ہے مہربان +

اس آیت کی تفسیر میں امام شافعی کہتے ہیں کہ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا کا استثنا پہلی آیت کی تینوں کے جملوں کی طرف راجع ہے یعنے فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ لیکن امام ابو حنیفہ کا یہہ مذہب ہے کہ یہہ استثنا صرف جملہ اخیر یعنے وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ہی سے متعلق ہے اس اختلاف کا نتیجہ یہہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک پاکدامن عورتوں پر عیب لگانے والے کی گواہی مقبول ہے بشرطیکہ آئندہ کو اُس نے اپنے اس فعل سے توبہ کرلی ہو اور اصلاح پر آگیا ہو لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک تمام عمر اُس کی گواہی مقبول نہیں ہوسکتی اگرچہ اس نے توبہ کرلی ہو اور اصلاح پر آگیا ہو +

ہماری دانست میں امام شافعیؒ کی تفسیر امام ابو حنیفہ کی تفسیر سے زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے

[۱] دیکھو اتقان فی علوم القرآن۔

اوّلاً اس لئے کہ اس آیت میں مختلف قسم کے تین جملے واقع ہوئے ہیں فاجلدوهم ثمانين جلدة امر ہے ولا تقبلوا لهم شهادة ابدًا نہی وَاُولٰئِكَ هُمُ الفٰسِقُوْنَ جملہ خبریہ اور ان تینوں جملوں کا ایک دوسرے پر عطف کیا گیا ہے۔ اس قسم کا عطف اگرچہ مع الکراہت جائز ہے لیکن علمائے معانی وبیان اسکو مخلِ فصاحت ضرور خیال کرتے ہیں۔ اس مشکل کے حل کرنے کی غرض سے امام شافعی نے آیت کے اخیر جملہ خبریہ وَاُولٰئِكَ هُمُ الفٰسِقُوْنَ کو جملہ انشائیہ بنا کر آیت کی تاویل اس طرح پر کی ہے کہ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فاجمعوا لهم الجلد والرد والتفسيق اِلَّا الَّذِيْنَ تابوا عن القذف واصلحوا فَاِنَّ اللّٰهَ يغفر لهم فينقلبون غير مجلودين ولا مردودين ولا مفسقين یعنے جو لوگ پاکدامن اور عفیفہ عورتوں پر عیب لگاویں پھر اس پر چار گواہ نہ لاسکیں تو تین سزائیں دو۔ اوّل انکو سو دُرّے لگاؤ پھر کبھی اُن کی شہادت نہ قبول کرو پھر انکی تفسیق کرو مگر جب وہ توبہ کرکے اصلاح پر آجائیں تو خدا معاف کرنیوالا ہے۔ پھر انکو ان تینوں سزاؤں میں کوئی سزا نہ دیجائے +

امام شافعی کی اس توجیہ سے کلام الٰہی کی بے نظیر فصاحت وبلاغت میں کسی قسم کا نقص لازم نہیں آتا اور یہہ توجیہ محاورہ عرب کے بھی مطابق ہے۔ چنانچہ علامہ جار اللہ زمخشری نے بھی بلا کسی قسم کی جرح وقدح کی اس توجیہ کو پسند کیا ہے **ثانیاً** اس آیت میں اوّل قاذفین کی شہادت نہ قبول کرنے کا حکم دیا گیا ہے پھر انکو وصف فسق سے متصف کیا ہے اور یہہ ایک مسلّمہ اصول ہے کہ کسی حکم کے بعد ایسی وصف کا ذکر کرنا جو حکم مذکور کی علت بن سکے اس کے علت ہونیکی دلیل ہے اور اس میں کچھ شبہہ نہیں ہوسکتا کہ وصف فسق رد شہادت کے لئے نہایت موزون اور مناسب ہے پس جب توبہ سے وصف فسق جو شہادت قبول کرنے کا مانع تھا زائل ہوگیا تو پھر قبول شہادت سے کیا چیز مانع ہے **ثالثاً** اسی قسم کا استثنا قرآن کریم میں دوسری

جگہ بھی موجود ہے اور وہاں امام ابو حنیفہ بھی امام شافعی سے متفق ہیں اور اس استثنار کو ان تمام جملوں کیطرف راجع کرتے ہیں جو اس سے پہلے مذکور ہیں نہ صرف جملہ اخیرہ کی طرف چنانچہ وہ آیت یہہ ہے اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْھِمْ وَاَرْجُلُھُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَھُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَھُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْھِمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ یعنے ان لوگوں کے لئے جو اللہ سے اور اُسکے رسول سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑے پھرتے ہیں یہہ ہی سزا ہے کہ انکو قتل کیا جائے یا سولی پر چڑھایا جائے یا انکا ہاتھ اور پانوں مقابل کا کاٹا جائے یا وہ اس ملک سے جلاوطن کر دئے جائیں یہہ انکی رسوائی ہے دنیا میں اور انکو آخرت میں بڑی مار ہے مگر جنہوں نے توبہ کر لی قبل اسکے کہ تم اُن پر قدرت پاؤ تو جان لو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اس آیت میں محاربین کی نسبت چند احکام بیان کئے گئے ہیں "قتل کرنا" "سولی چڑھانا" "طرف مقابل سے ہاتھ پانوں کاٹنا" "جلاوطن کرنا" "آخرت میں عذاب عظیم" پھر فرمایا اگر وہ توبہ کر لیں تو خدا بخشنے والا مہربان ہے یہاں امام ابو حنیفہؒ اور جملہ مجتہدین کو اتفاق ہے کہ یہہ استثنار تمام احکام مذکورہ سے متعلق ہے پس کوئی وجہ نہیں کہ آیت متنازعہ میں بھی استثنا کو جمیع احکام مذکورہ کی طرف راجع نکیا جائے بلکہ جملہ اخیرہ سے ہی متعلق کیا جائے۔ **رابعًا** آیت متنازعہ میں تینوں جملوں کا عطف واؤ کے ساتھ کیا گیا ہے اور واؤ مطلق جمعیت کے لئے موضوع ہے اس میں ترتیب یا تقدم و تاخر وغیرہ کو دخل نہیں پس اس آیت میں تینوں جملہ ملکر ایک مستقل کلام ہوا ہے اور اُسی سے استثنا ہے پس جب جملہ اخیرہ کا تعلق ہی پہلے دونوں جملوں سے قطع نہیں ہوا تو صرف اس جملہ کیطرف استثنار کا راجع کرنا کیونکر ممکن ہے۔ **خامسًا** قیاس بھی اُسی کا مقتضی ہے کہ یہہ استثنار جمیع

احکام مذکورہ سے متعلق ہو کیونکہ جب مشرک۔ کافر۔ بت پرست۔ قاتل وغیرہ کی شہادت بعد توبہ مقبول ہے تو قاذف کی شہادت مقبول نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ قذف اگرچہ فی نفسہ بہت بڑا گناہ ہے لیکن تاہم شرک۔ کفر۔ قتل وغیرہ سے زیادہ نہیں +

امام رازی نے اور بھی چند دلائل امام شافعی کی تفسیر آیت مذکورہ بالا کی ترجیح کے بیان کئے ہیں لیکن میں صرف انہیں پر اکتفا کرتا ہوں کیونکہ مجھکو صرف امام شافعی کی تفسیر کا نمونہ دکھلانا منظور ہے میرا مطلب امام ابو حنیفہ یا کسی دوسرے مفسّر کی غلطی ثابت کرنا ہرگز نہیں ہے میں خود تمام بزرگانِ سلف کا خوشہ چین نہوں۔ امام شافعی اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ کی تفسیر میں لمس سے مراد لمس بِالْیَدِ یعنے ہاتھ سے چھونا لیتے ہیں۔ مگر امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں لمس سے مراد جماع ہے اس اختلاف کا نتیجہ یہہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک عورت کو ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک نہیں ٹوٹتا ہماری رائے میں امام شافعی کی تفسیر کو ان وجوہات سے ترجیح ہے۔ اوّل یہہ کہ لمس کے حقیقی معنے ہاتھ ہی سے چھونے کے ہیں۔ اور جماع اس سے مجازاً مراد لیا جاتا ہے اور کچھ شک نہیں کہ کسی لفظ کے حقیقی معنے مراد لینا مجازی معنے لینے کی نسبت اولیٰ ہے۔ دوسرے جماع کا حکم اس آیت کے پہلے جملے وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ میں گذر چکا ہے پس اگر لٰمَسْتُمْ سے بھی جماع ہی مُراد لیا جائے تو آیت میں تکرار بلا فائدہ لازم آتا ہے۔ اور یہہ بات ظاہر ہے کہ آیت کا کسی جدید فائدہ پر شامل ہونا بہ نسبت تکرار کے بہتر ہے۔ تیسرے بعض صحابہ مثل حضرت عمرؓ۔ وابن عمرؓ۔ وابن مسعودؓ وغیرہ نے بھی لمس سے مراد لمس بالید ہی لی ہے +

اِس مسئلہ میں بیشک امام ابو حنیفہ کا مذہب بھی نہایت قوی معلوم ہوتا ہے۔ اور احادیث مرفوعہ صحیحہ سے بھی انکے مذہب کی تائید ہوتی ہے۔ مگر باعتبار ظاہر قرآن امام شافعیؒ

کے مذہب میں زیادہ احتیاط معلوم ہوتی ہے +

زمانۂ حال کے ایک حنفی المذہب مصنّف کا قول ہے کہ (اس آئت میں ملامت کی ظاہری معنے لینے ایسی غلطی ہے کہ جو ہرگز اہل زبان سے نہیں ہوسکتی) لیکن میرے نزدیک یہہ قول محض بے دلیل ہے۔ اس بات کو کوئی منصف مزاج تسلیم نہیں کرسکتا کہ حضرت عمرؓ و ابن عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابہ اہل زبان نہیں تھے۔ انکو چھوڑکر امام شافعی کی نسبت بھی یہہ خیال نہیں کیا جاسکتا۔ کہ وہ اپنی مادری زبان سے بھی واقف نہ تھے حالانکہ جمیع ائمہ اہل لُغت نے اُنکو امام لُغت قرار دیا ہے پس خود اہل زبان کے مقابلہ میں ہم ایک عجمی کا قول کیونکر مان سکتے ہیں +

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یعنے اور جب تم ملک میں سفر کرو تو تم پر کچھ نہیں کہ نماز میں کمی کرو۔ اگر تمکو ڈر ہو کہ ستائینگے تمکو کافر +

اس آئت کی تفسیر میں امام شافعی کہتے ہیں کہ یہہ آئت جواز قصر اور اتمام دونوں پر دلالت کرتی ہے کیونکہ فعل واجب کے بجالانے میں یہہ کہنا صحیح نہیں کہ اس کے کرنے میں کچھ گناہ نہیں پس اس آئت سے مسافر کے ذمہ قصر واجب نہیں ہوتا بلکہ اسکو قصر اور اتمام دونو کا اختیار دیا گیا ہے یہہ تفسیر بھی ایسی ہے جس کے معقول ہونے میں شاید ہی کسی کو کلام ہو اس امر کی کوئی وجہ عقلی معلوم نہیں ہوتی کہ اگر مسافر نماز میں کمی نہ کرے بلکہ پوری نماز پڑھے تو وہ بیچارہ گنہگار ٹھہرایا جائے قرآن مجید نے مسافر کو قصر کا حکم دینے کی بجائے صرف یہہ کہا کہ قصر کرنے میں کچھ گناہ نہیں اس سے یہہ استدلال کرنا کہ اتمام میں گناہ ہے نہائت عجیب و غریب استدلال ہے جسکے سمجھنے سے ہماری عقل قاصر ہے +

امام شافعی سے اور بہت سی تفسیریں منقول ہیں لیکن ہم صرف انہیں پر اکتفا کرتے ہیں +

حدیث

علم حدیث میں جس اعلیٰ رتبہ پر امام شافعی پہونچے اور انکے جن کارناموں نے انکو اور انکے مذہب کو مقبولِ خلائق بنایا انکے سمجھنے کے لئے یہہ ضرور ہے کہ ہم اس مقام پر علم حدیث کی ایک مختصر تاریخ بیان کریں +

اسناد و روائت کا سلسلہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عہد مُبارک ہی میں شروع ہو گیا تھا۔ آغاز نبوّت سے تیرہ برس کے زمانہ تک تو صحابہ کفار کی طرح طرح کی ایذاؤں اور تکلیفوں کے باعث روائت حدیث کی طرف متوجہ نہ ہو سکے اُسوقت اُنکو اپنی جان کا بچانا ہی مشکل تھا ایسے وقت میں اسناد و روائت کا موقعہ کہاں مل سکتا تھا لیکن زمانہ ہجرت کے بعد جُوں جُوں انکو امن حاصل ہوتا جاتا تھا اور مسلمانوں کی فتوحات ملکی اور دینی بڑھتی جاتی تھیں اُسی قدر ان کو اپنے پیارے نبی کے اقوال و افعال ضبط کرنے کی ضرورت بڑھتی جاتی تھی۔ ہر شخص جو مُلکی عہدہ رکھتا تھا یا فوجی وہ اپنے منصبی فرائض سے بھی زیادہ ضروری فرض یہہ سمجھتا تھا کہ وُہ اعلاء کلمۃ اللہ سے دین و دُنیا کی سُرخروئی حاصل کرے۔ فاتحانِ اسلام جو بظاہر ملیٹری افسر ہوتے تھے درحقیقت واعظانِ دینِ اسلام تھے اور یہہ ہی معنے ہیں اس مشہور قول کے کہ فاتحانِ اِسلام ایک ہاتھ میں تلوار رکھتے تھے اور ایک میں قرآن کریم۔ ایسے واعظوں کے لئے از بس ضروری تھا کہ نئے مُلکوں میں جاکر اپنے پیغمبر اور پیشوائے دین کے اقوال و افعال سے لوگوں کو آگاہ کریں اور اس برگزیدہ حق کے دستور پر انکو چلائیں۔ اس ضرورت کا محسُوس ہونا تھا کہ لوگ آنحضرت کے اقوال و افعال کے جمع کرنے پر ہمہ تن جُھک پڑے۔ اوّل تو پہلے ہی جناب رسُولِ خدا کے ارشادات ایسے نہ ہوتے تھے کہ انکے جان نثار متبعین انکو بے پرائی سے سُنتے بلکہ وُہ لوگ جو راہِ خدا میں اپنی

جانوں کو لیکر نکل گئے تھے۔ فرمودہ نبوی کو ہمہ تن گوش ہو کر سنتے اور یاد رکھتے اور دوسروں تک پہنچاتے تھے۔ جن لوگوں کو اپنے حافظہ پر پورا اعتماد نہ تھا وہ آنحضرت صلعم کی زندگی ہی میں آپکے افعال واقوال کو حیز تحریر میں لانے لگے تھے اور حتی الامکان انکے زبانی یاد کرنے کی بھی کوشش کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایک گونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی حدیثوں کے یاد کرنے اور انکے روائت کرنے کی تاکید فرمائی تھی۔ جیسا کہ بخاری میں حضرت ابن عباس اور ابوشریح سے روائت آئی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا لِیُبَلِّغُ الشَّاهِدُ الغَائِبَ یعنے حاضرین کو چاہئے کہ غائبین تک پہنچادیں آنحضرت کے اس ارشاد کے مطابق صحابہ آپکے جمیع اقوال وافعال کا بجنسہ دوسروں تک پہنچانا اپنا فخر خیال کرتے تھے۔ حضرت ابوذر فرمایا کرتے تھے کہ اگر میرے گلے پر تلوار رکھ دیجائے۔ پھر مجھے اس بات کا یقین ہو کہ میں اس کلمہ کے جسکو میں نے آنحضرت صلعم سے سنا ہے قبل اپنا گلا کٹنے کے روائت کر سکتا ہوں تو ضرور اسکی روائت کروں +

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چونکہ روائت کرنے والے صرف آپکے اصحاب تھے جو اسلام کے دلدادہ عاشق اور اپنے نبی کے سچے خادم تھے جنکا مطلوب ومقصود بجز حق کے اور کچھ نہ تھا اِسلئے تمام صحابہ ایک دوسرے کو صادق القول اور پورا راستباز یقین کرتے تھے کسی راوی کی طرف یہہ خیال ہی نہ جاتا تھا کہ اُس نے صحیح بیان کیا یا غلط کہ ایسے خیالات کی اُنکے دلوں میں گنجائش ہی نہ تھی عموماً صحابہ ایک شخص کی روائت پر بلا چون وچرا عمل کر لیتے تھے اور انکو اسکی صحت میں کسی قسم کا شک وشبہہ نہ ہوتا تھا +

بخاری نے حضرت عبداللہ بن عمر سے روائت کی ہے کہ مسجد قبا میں مسلمانوں کی ایک جماعت فجر کی نماز میں مشغول تھی یہہ وہ زمانہ تھا جب کہ مسلمان بیت المقدس کی طرف منہہ کرکے نماز پڑھتے تھے ابھی تک نماز فجر ختم نہیں ہوئی تھی کہ ایک شخص نے آکر بیان کیا کہ آنحضرت پر آجکی

رات وحی ہوئی ہے اور آپ کو کعبہ کی طرف منہہ کرنے کا حکم کیا گیا یہہ سُنکر تمام اہل قبا نے نماز ہی میں کعبہ کی طرف اپنے منہہ پھیر لئے +

اسی طرح حضرت انس کہتے ہیں کہ میں ابو طلحہ اور ابو عبیدہ اور ابی بن کعب کو شراب پلا رہا تھا اتنے میں ایک شخص نے آکر بیان کیا کہ شراب حرام کی۔ یہہ سُنکر ابو طلحہ نے حضرت انس کو حکم دیا کہ ان تمام مشکوں کو توڑ دو۔ حضرت انس نے اُٹھکر کل مٹکے توڑ دیے +

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد صحابہ کے وقت میں بھی یہی حال رہا تابعین جس صحابی سے کوئی حدیث سُنتے بغیر کسی حجت کے بے تامل قبول کر لیتے اور اس پر عمل کرنے لگے۔ ترمذی نے کتاب العلل میں محمد بن سیرین سے روائت کی ہے کہ پہلے زمانہ میں لوگوں کو (ادب اور حسن ظن کی وجہ سے) اسناد کا مطلق خیال نہ تھا۔ لیکن جب فتنے پیدا ہونے لگے اور اہل بدع کے فرقے پیدا ہو گئے تب لوگوں نے سند مانگنے اور پوچھنے کا دستور نکالا +

مسلمانوں کے متواتر فتوحات اور تمدن کی وسعت نے صحابہ کو اس امر پر بھی مجبور کیا کہ وہ دُور دراز متفرق شہروں میں جا کر رہیں اور احکام اسلام کی اشاعت کریں اس ضرورت سے صحابہ تمام بلاد اسلام میں پھیل پڑے اور ہر ایک کسی نہ کسی شہر کا امام اور مقتدا بنایا گیا۔ اور اس شہر کے لوگوں نے اُس سے حدیثیں روائت کرنی شروع کیں اور ہر ایک شہر میں روائت حدیث کا سلسلہ جاری ہو گیا

اسی زمانہ میں جبریہ قدریہ جہمیہ شیعہ خوارج وغیرہ بیشمار فرقے پیدا ہو گئے اور اہل بدع نے اپنے عقائد باطلہ کی ترویج میں حدیثیں وضع کرنی شروع کر دیں اور انکو بڑے بڑے تابعین اور صحابہ کیطرف منسوب کیا اس فساد کے دُور کرنے کی غرض سے آئمہ دین کو راویوں کے حالات معلوم کرنے اور حدیث کے صحت کے قواعد ایجاد کرنے کی طرف توجہ ہوئی۔ لیکن ابھی تک حدیث کی صحت کا مدار صرف راویوں کے ثقہ ہونے اور ان عقائد کی درستی پر تھا حدیث میں غلط فہمی۔

وہم۔ مسابلت وغیرہ امور کا چنداں لحاظ نہ تھا کیونکہ ان باتوں کی صحابہ خود کامل احتیاط رکھتے تھے اور وہ کبھی کسی حدیث کو بلا کامل وثوق کے بیان نہیں کرتے تھے عبداللہ بن زبیر کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ زبیر سے دریافت کیا کہ آپ کو میں نے رسول اللہ سے حدیث بیان کرتے نہیں سنا انہوں نے جواب دیا کہ یہہ بات نہیں ہے کہ میں آپکی صحبت سے جدا رہا ہوں لیکن میں نے آپ سے یہہ الفاظ سُنے ہیں مَن کذب علیّ فلیتبوا مقعدہٗ من النار یعنے جو مجھ پر جھوٹ بولے اُسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں ڈھونڈلے۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ میں تم سے اسواسطے کثرت سے حدیثیں بیان نہیں کرتا کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے مَن تعمد علیّ کذباً فلیتبوا مقعدہٗ من النار۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اور ابن عمر بھی حدیثوں کے بیان نہایت احتیاط کرتے تھے۔ عوام الناس کو صحابہ پر اور خود صحابہ کو ایک دوسرے پر اسقدر حسن ظن اور وثوق کامل تھا کہ اگر کوئی صحابی روایت حدیث میں اُس صحابی کے نام بھول جاتا تھا جس سے اُس نے حدیث سُنی تھی تو یہہ امر اس حدیث کی صحت میں کسی قسم کا ضعف پیدا نہ کرتا تھا۔ اور ایسا اتفاق کوئی نئی بات نہ تھی بلکہ بارہا ہوتا تھا کہ جناب رسول خدا اور اخیر راوی کے درمیان جو روایت کرنیوالے ہوتے تھے اُن میں کسی نہ کسی کا نام چھوٹ جاتا تھا۔ ایسا بھی ہوتا تھا کہ صحابی اور اسکے پیچھے کے لوگ جنکو تابعی کہتے تھے اپنی نیکی یا تقدس میں نو بمثل ہوتے تھے مگر علمی قابلیت کے لحاظ سے وہ اس پایہ کے نہ ہوتے تھے کہ آنکھیں بند کرکے انکے فہم و ادراک پر بھروسہ کرلیا جاتا۔ تاہم ایسا ہی بھروسا کرلیا جاتا تھا۔ ابتدا میں گو صحابہ کو روایتِ حدیث کی ضرورت داعی ہوئی تھی لیکن رفتہ رفتہ لوگوں نے موجبِ ثواب سمجھکر بھی حدیثوں کی روائت کی۔ بلکہ اس سے بھی بڑھکر یہہ کہ روائت حدیث کو اپنے کمالات اور ناموری کا سب سے عمدہ ذریعہ سمجھا۔ حضرت جابر بن عبداللہ صحابی نے صرف ایک حدیث کی خاطر ایک مہینے کا سفر اختیار کیا۔ لیکن جوں جوں صحابہ کی تعداد کم ہوتی جاتی تھی

اُسیقدر لوگوں کا شوق روایت حدیث کی طرف بڑھتا جاتا تھا۔ چنانچہ جب عمر و ابن عبدالعزیز تخت خلافت پر بیٹھے تو اُنہوں نے اپنی تمام سلطنت کو علم و عمل خیر و برکت سے بھر دیا اور اتباع سنت کو ترقی دی تمام ناجائز باتوں اور بدعات کو دور کیا اور محدثین کی قدر کی اور اپنے عاملوں کو حدیثوں کے جمع کرانے کی تاکید کی ابوبکر ابن حزم کے نام اِس مضمون کا فرمان جاری کیا کہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوب تحقیق کر کے لکھنا شروع کرو کیونکہ مجھے علم اور علماء کے جاتے رہنے کا خوف ہے اور بجز حدیث رسول اللہ کے اور کسی شے کو قبول نہ کرو اور حدیثوں کی پورے طور پر اشاعت کرو اور حدیث کے درس تدریس کے لئے علما کو بٹھلاؤ کہ وہ بے علموں کو تعلیم کریں کیونکہ علم بغیر اشاعت کے ہلاک ہو جاتا ہے ؛

غرض عمرو بن عبدالعزیز کے عہد میں علم حدیث کو نہایت ترقی ہوئی لیکن اُسوقت تک حدیث کا مدار صرف زبانی روایت پر تھا اور کوئی مستقل کتاب علم حدیث میں تصنیف نہیں ہوئی تھی گو بعض لوگوں نے بطور یادداشت کچھ کچھ حدیثیں اپنے پاس لکھ رکھی تھیں۔ مگر ایسے نوشتوں میں کوئی ترتیب یا قاعدہ ملحوظ نہ ہوتا تھا ؛

تابعین کے زمانہ کے بعد چونکہ سلسلہ روایت میں واسطے کثرت سے پیدا ہو گئے اور حدیث میں اکثر غلط فہمیاں واقع ہونے لگیں اور کمی حافظہ قلت ضبط کثرت وہم اختلاط عقل وغیرہ کی صدہا آفتیں پیدا ہو گئیں اس لئے اُس زمانہ کے ائمہ دین حدیثوں کے یکجا جمع کرنے اور اُس کے تدوین کی طرف متوجہ ہوئے اور حدیث کے معتبر قرار دینے کے لئے نہایت سخت شرطیں مقرر کی گئیں چنانچہ امام مالک اور محمد ابن عبدالرحمن بن ابی ذیب نے مدینہ میں اور ابن جریج اور ابن عیینہ نے مکہ میں اور سفیان ثوری نے کوفہ میں اور

ربیع بن صبیح نے بصرہ میں احادیث کے مجموعے لکھکر تیار کئے ۔ اس طبقہ میں روایت حدیث میں نہایت احتیاط ہونے لگی یہاں تک کہ امام مالک کو اگر کسی حدیث کے ایک لفظ میں بھی شک ہوجاتا تو وہ اُس کو بالکل ترک کر دیتے اور پھر کبھی اُس حدیث کی روایت نہ کرتے ۔اگرچہ علما ، تابعین اور تبع تابعین نے حدیث کی صحت کے لئے نہایت سخت قیدیں لگائیں تاہم یہ قیود اہل بدعت اور فرق باطلہ کی موضوعات اور بے اصل روایتوں کو بند نہ کرسکیں اور بجز اُن لوگوں کے جو امام فن قرار پائے اکثر علما نے جو اُن کی عیاریوں سے ناواقف تھے اُن روایتوں کو قبول کرلیا بلکہ اُن پر اپنے مذہب کی بنیاد قائم کی اور ان بے اصل راویوں کو یہاں تک فروغ ہوا کہ اُنھوں نے اِن موضوع روایتوں کے مقابلہ میں صحیح روایتوں کی کچھ پروا نہ کی اور اس شدت سے یہ طوفان بے تمیزی اُٹھا کہ بعض بڑے بڑے فقیہ اور اکابر ائمہ بھی اِس غلطی میں مبتلا ہو گئے مثلاً قہقہ سے وضو کا ٹوٹ جانا' کھجور کے شیرہ سے وضو کا جائز ہونا ' دارالحرب میں سود کا مباح ہونا ایک حبشی کا چاہ زمزم میں گرکر مرجانا اور عبداللہ ابن عباس و عبداللہ بن زبیر کا اُس کے ناپاک ہونے اور اُس کے تمام پانی نکالنے کا فتویٰ دینا وغیرہ امور میں جو روائتیں آئی ہیں وہ اِسی قسم کی مثالیں ہیں یہ روایات نہ صرف بہ بداہت عقل باطل ہیں بلکہ حدیث کے بڑے بڑے اماموں نے انھیں موضوع اور بے اصل قرار دیا ہے ۔ سفیان بن عیینہ جو امام فن ہیں اور خاص مکے کے امام ہیں فرماتے ہیں کہ چاہ زمزم میں حبشی کے گرنے کی حدیث بالکل بے اصل ہے ۔اِسی طرح نبیذ تمری وضو کے جائز ہونے اور قہقہ سے وضو کے ٹوٹ جانے اور دارالحرب میں سود کے جائز ہونے کی احادیث بھی اکابر ائمہ اہل حدیث کے نزدیک بالکل موضوع ہیں مگر بااینہمہ بعض اکابر علما نے اِن حدیثوں کو قبول کیا اور اُن کے مقابلہ میں صحیح حدیثوں کو رد کر دیا گو روایت

حدیث کے فن نے اب تک کوئی علمی صورت اختیار نہ کی تھی اور اس علم کے ابتدائی امور بھی قرار نہ پائے تھے مگر پھر بھی اس عہد ظلمت میں حسن اتفاق سے وہ ائمہ فن موجود تھے جو فلک اسلام کے چمکتے تارے تھے یحییٰ بن معین۔ احمد بن حنبل۔ سفیان بن عیینہ۔ اسحاق بن راہویہ۔ عبد الرحمن بن مہدی وغیرہ جو علم حدیث کے عناصر اربعہ خیال کئے جاتے ہیں اور جن کے اقوال پر حدیث کی صحت وسقم کا مدار ہے موجود تھے اور یہ لوگ ہر حدیث کی علت اور اُس کے اصلی مرتبہ کو بخوبی پہچانتے تھے یہاں تک کہ امام احمد نے اپنی مسند کو احادیث رسول اللہ کا معیار قرار دیا ہے۔ اور اُن کی نسبت بڑے بڑے ائمہ فن کا قول ہے کہ جس حدیث کو امام احمد نہیں جانتے وہ حدیث ہی نہیں اِن لوگوں کی برکت سے تمام متفرق شہروں کی حدیثیں رفتہ رفتہ یکجا جمع ہوگئی تھیں اور علم حدیث کا گھر گھر چرچا ہوگیا لیکن بدقسمتی سے اسی زمانہ میں ان ائمہ کے مقابلہ میں ایک جماعت اہل الرائے نکل کھڑی ہوئی یہ لوگ احادیث سے مسایل کے استنباط کرنے اور احکام کے علل معلوم کرنے کی خاص اعلیٰ درجہ کی قابلیت رکھتے تھے اور ہر بات کو جس کی طرف اُن کی طبیعت کا میلان ہوتا یا جو مسایل اُمرا اور سلاطین کے موافق طبع ہوتے اپنے ذہن کی تیزی سے ثابت کر دیتے اور اُس کی تائید میں موضوعات اور بے اصل یا ضعیف روایتوں سے اعانت لیتے۔ یہ لوگ فقیہ کہلاتے تھے اور یہی لوگ امور سلطنت میں زیادہ تر دخیل تھے۔ اور مامون امین۔ رشید کے زمانۂ خلافت میں یہی لوگ سلطنت کے اعلیٰ عہدوں پر ممتاز تھے۔ اِن کا مذہب کچھ بوجہ قوت سلطنت اور کچھ بوجہ اُن منطقیانہ اعتراضوں کے جن کے جواب سے اہلحدیث عاجز تھے غالب تھا اور اہلحدیث ان سے ایسے مغلوب تھے کہ ان کے مذہب میں نہ کوئی نقص نکال سکتے تھے اور نہ وہ علی الاعلان اُن روایتوں کا

بے اصل ہونا بیان کر سکتے تھے جو اہل الرائے میں کثرت سے رائج تھیں *

اسلامی دنیا کی یہ حالت تھی کہ امام شافعی اپنے فضل و کمال اور ذخیرہ علمی سے مالا مال ہو کر منصب تجدید پر جس کے لئے خدا نے اُنہیں پیدا کیا تھا پُہنچے امام شافعی نے جس طریق سے علم حدیث حاصل کیا تھا وہ ایسا نہ تھا کہ احادیث صحیحہ اور اصلی ماخذ شرع کو موضوعات و مفتریات سے جدا نہ کر سکتے اور اہل الرائے کے ہر ایک شک و شُبہ کا کافی جواب نہ دے سکتے وہ اِس باریکی کو خوب سمجھتے تھے کہ جسقدر واسطے حدیث میں کم ہونگے اُسیقدر اُس میں سہو و نسیان کو کم دخل ہوگا اور اُتنا ہی حدیث کی صحت میں زیادہ یقین ہوگا وہ شروع سے اہلحدیث اور اہل رائے کے اختلافات کو بھی دیکھ رہے تھے اور یہ بات بھی اُن سے مخفی نہ تھی کہ اہل بدع اور فرق لطلہ نے بیشمار موضوعات و بے اصل حدیثیں لوگوں میں مشتہر کر دی ہیں جن کے باعث اسلام میں ایک عظیم رخنہ پیدا ہو گیا ہے ان امور نے اُن کو اِس امر پر مجبور کیا کہ اول جہاں تک ہو سکے قلیل واسطوں سے ہر شہر کے مشہور محدثین اور اماموں سے جنکی عظمت و جلالت پر اتفاق ہو احادیث صحیحہ جمع کریں اور مختلف فقہا و محدثین کے مختلف اصول سے واقفیت بہم پُہنچائیں تاکہ اُن اصول پر کافی غور اور فکر کے بعد ایک صحیح اور مجتہدانہ رائے قائم کر سکیں۔ امام شافعی نے نہایت کوشش اور جد و جہد کے ساتھ حدیثوں کا جمع کرنا شروع کیا اور مکے۔ مدینے۔ کوفہ۔ بصرہ وغیرہ بلاد اسلام کا کوئی مشہور محدث ایسا نہ رہا جسکے آگے اُنہوں نے اپنی گردن نہ جھکائی ہو اور اُس کی شاگردی میں داخل ہونا اپنا فخر نہ خیال کیا ہو۔ یہ وہ زمانہ تھا جس میں بڑے بڑے محدثین اور ائمہ فن جو اکثر امیر المومنین فی الحدیث کے لقب سے پکارے جاتے تھے موجود تھے *

امام ضیاء الدین عمر بن الحسین والد ماجد امام فخر الدین رازی نے امام شافعی کے مشہور

شیوخ حدیث کی تعداد انیس[۱۹] بتلائی ہے۔ سفیان[۱] بن عیینہ مسلم[۲] بن خالد زنجی۔ سعد[۳] بن سالم القداح۔ داؤد[۴] بن عبدالرحمن العطار۔ عبدالمجید[۵] بن عبدالعزیز بن ابی رواد مکی۔ مالک[۶] بن انس۔ ابراھیم[۷] بن سعد الانصاری۔ عبدالعزیز[۸] بن محمد الدراوردی۔ ابراہیم[۹] بن ابی یحییٰ اسلمی محمد[۱۰] بن اسمٰعیل بن ابی فدیک۔ عبداللہ[۱۱] بن نافع الصائغ صاحب ابن ابی ذئب مدنی مطرف[۱۲] ابن مازن۔ ہشام[۱۳] بن یوسف قاضی صنعاء۔ عمرو[۱۴] بن ابی سلمہ صاحب الاوزاعی۔ یحییٰ[۱۵] بن ابی الحسان صاحب لیث بن سعد مصری۔ وکیع[۱۶] بن الجراح۔ ابو اسامہ[۱۷] حماد بن اسامہ کوفی۔ اسمٰعیل[۱۸] بن علیہ عبدالوہاب[۱۹] بن عبدالمجید بصری*

امام شافعی کے یہ شیوخ وہ ہیں جو امام فن کہلاتے ہیں اور جن کی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک نہایت ہی قلیل واسطے ہیں*

سفیان بن عیینہ کی نسبت مشکوٰۃ کا مولف لکھتا ہے کہ وہ امام۔ عالم۔ روایت حدیث میں ثابت۔ حجت۔ زاہد۔ پرہیزگار تھے اُن کی حدیثوں کی صحت پر اجماع ہے۔ زہری محمد بن المنکدر۔ زید بن اسلم۔ عمر بن دینار وغیرہ تابعین سے روایت کرتے ہیں۔ ان سے اعمش سفیان ثوری شعبہ امام شافعی امام احمد نے حدیثیں روایت کی ہیں۔ انکی سند سے امام شافعیؒ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک صرف تین واسطے ہیں*

مسلم بن خالد زنجی۔ یہ مکے کے بڑے نامور اور مشہور مفتی ہیں فقہ ابن جریج میں نہایت کمال رکھتے تھے اور اُن کے بعد مسجد الحرام میں انہیں کا درس جاری تھا۔ زہری۔ عمر بن دینار وغیرہ تابعین سے روایت کرتے ہیں۔ ان کی سند سے امام شافعی اور آنحضرت کے درمیان کُل تین واسطے ہیں*

امام مالک ان کی عظمت وجلالت محتاج بیان نہیں۔ سفیان بن عیینہ کا قول ہے

کہ امام مالک لوگوں کو صرف صحیح حدیثیں پہنچاتے ہیں۔ اور وہ ثقہ لوگوں کے سوا اور کسی سے روایت نہیں لیتے۔ مجھے یہ بھی اندیشہ ہے کہ مدینہ اُن کی موت کے بعد خراب ہو جائے گا۔

ان کی سلسلہ سند میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک صرف دو واسطے ہیں نافع۔ ابن عمر عن رسول اللہ۔ محمد بن المنکدر عن جابر بن عبد اللہ عن رسول اللہ۔ زہری سالم عن بن عمر عن رسول اللہ" امام مالک کی سند سے بھی امام شافعی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اکثر تین واسطے ہیں۔

وکیع بن الجراح۔ ہشام بن عروہ۔ سفیان ثوری۔ اوزاعی وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔ عبد اللہ بن المبارک۔ احمد بن حنبل۔ یحییٰ بن معین۔ علی بن المدینی اوستاد امام بخاریؒ وغیرہ نے اِن سے حدیثیں سُنی ہیں اور بخاری و مسلم اِن کی حدیثوں سے مالا مال ہیں۔

ابراہیم بن سعد ان کی سلسلہ سند میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک صرف تین واسطے ہیں۔ سعد بن ابراہیم۔ ابراہیم بن عبد الرحمٰن بن عوف۔ عبد الرحمن بن عوف۔

محمد بن اسمٰعیل بن ابی فدیک ان کو فقہ اور حدیث میں اہل مدینہ بطور مثال پیش کرتے تھے۔ ان کی سند میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تین واسطے ہیں۔ عن ہشام بن عروہ عن عروہ عن عائشہ۔

ان سندوں سے جسقدر حدیثیں امام شافعی کو پہنچیں اُن کی صحت اور علو اسناد میں کسی محدث اور امام فن کو اعتراض نہیں۔ علو اسناد میں جو مرتبہ اُن کو حاصل ہوا بڑے بڑے فقہا و محدثین کو بھی نصیب نہیں۔ یہاں تک کہ امام ابو حنیفہ رح جیسے جلیل القدر فقیہ اور مجتہد بھی اس شرف سے محروم رہے۔ یہ امر امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کی ہر ایک روایت سے ظاہر ہو سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہ کی اُن تمام روایتوں میں سے جو اُن کے خاص شاگرد امام محمد نے

کتاب الآثار اور اپنے موطا میں نقل کی ہیں کسی روایت میں چار چار پانچ پانچ واسطوں سے کم نہیں پائے جاتے۔ ہم یہاں پر بطور مثال صرف اصح الاسانید کا ذکر کرنا کافی سمجھتے ہیں۔

اس بات میں محدثین کا باہم اختلاف ہے کہ تمام سندوں میں سب سے زیادہ صحیح اور اعلیٰ کون سی سند ہے متبوع الجماعت امام البراعۃ سید المحدثین امام محمد بن اسمٰعیل بخاری کی راے ہے کہ تمام سندوں میں سب سے زیادہ صحیح سند مالک عن نافع عن ابن عمر ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب تک وہ اس سند سے حدیث پاتے ہیں کسی دوسری سند کو اپنی صحیح میں نہیں لاتے بعض اہل حدیث کی یہ بھی راے ہے کہ تمام سندوں میں زیادہ صحیح اور قوی حماد عن ابراہیم النخعی عن علقمہ عن ابن مسعود ہے چنانچہ امام ابوحنیفہ کا بھی یہی خیال تھا اور اُن کو اس سند پر بڑا ناز تھا۔ چنانچہ اُنھوں نے اوزاعی کے مقابلہ میں جو اہل شام کے مستقل امام اور ربانی مذہب تھے رفع یدین نہ کرنے کے ثبوت میں یہی سند پیش کی تھی اور اس کے راویوں کو زہری سالم۔ ابن عمر پر ترجیح دی تھی۔ لیکن کچھ شک نہیں کہ امام شافعی کی سند کو اس سند پر کئی وجہ سے بدرجہا فوقیت ہے۔ اوّلاً۔ قلت واسطہ امام شافعیؒ اور رسول اللہ کے درمیان کُل تین واسطے ہیں۔ مالکؒ۔ نافعؒ۔ ابن عمرؓ۔ اور امام ابوحنیفہؒ اور رسول اللہؐ کے درمیان چار واسطے ہیں۔ حمادؒ۔ ابراہیم نخعیؒ۔ علقمہؒ۔ ابن مسعودؓ*

ثانیاً شہادت امام الحدیث محمد بن اسمٰعیل بخاری۔ ان کے نزدیک بھی امام شافعی والی سند ہی زیادہ قوی اور قابل اعتبار ہے*

ثالثاً رجال۔ امام شافعیؒ کی سند میں پہلے راوی مالک ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کی سند میں پہلے راوی حماد ہیں۔ حماد اگرچہ فی نفسہ ثقہ ہے مگر امام مالک کی عظمت و جلالت کے آگے اُس کی کوئی حقیقت نہیں عبد الرحمٰن بن مہدی جو فن حدیث کے بڑے امام ہیں

اُن کا قول ہے کہ میں صحت حدیث میں مالک پر کسی کو ترجیح نہیں دیتا وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ سفیان ثوری صرف حدیث کے اور اوزاعی صرف سنت کے امام ہیں لیکن امام مالک اِن دونوں باتوں کے امام ہیں **سفیان بن عیینہ** کہا کرتے تھے کہ خدا امام مالک پر رحم کرے وہ فن رجال میں کھوٹے کو کھرے سے ممتاز کرنے میں اعلیٰ درجہ کا امتیاز رکھتے تھے۔ **شاہ ولی اللہ** صاحب لکھتے ہیں کہ "اہل نقل اتفاق دارند برآں کہ چون حدیث بروایت او ثابت شد بذروہ اعلیٰ صحت رسید[1]" مولف مشکوٰۃ لکھتا ہے ھو امام اھل الحجاز بل الناس فی الفقہ والحدیث کہ امام مالک فقہ اور حدیث میں اہل حجاز بلکہ تمام دنیا کے امام ہیں[2]۔ غرض امام مالک پر علم حدیث میں باتفاق فقہا و محدثین تمام دُنیا میں کسی کو ترجیح نہیں ۔

امام شافعی کی سند کا دُوسرا راوی نافع ہے اور امام ابو حنیفہ کی سند کا دوسرا راوی ابراہیم نخعی۔ **شاہ ولی اللہ** صاحب نافع کی نسبت لکھتے ہیں کہ "یکے از ثقات محدثین است و حدیث عبد اللہ بن عمر را چہ مرفوع و چہ موقوف مدار بروے ست" خود امام مالک رح فرماتے ہیں کہ جب میں نافع سے ابن عمر کی حدیث سُن لوں تو پھر مجھے اس بات کی کچھ پروا نہیں کہ میں اُس کو کسی دوسرے شخص سے تحقیق کروں[3]۔

مؤلف مشکوٰۃ لکھتا ہے کہ نافع کبار تابعین سے ہے ابن عمر اور ابو سعید سے روایت کرتا ہے اُس سے خلق کثیر نے روایت لی ہے اُنہیں میں سے زہری اور امام مالک ہیں اور وہ حدیث میں مشہور ہے اور اُن ثقات رجال میں سے ہے جن سے حدیثیں اخذ کی جاتی ہیں اور اُن پر عمل کیا جاتا ہے[4]۔ علقمہ کے مقابلہ میں امام شافعی کی سند میں کوئی شخص قابل مقابلہ نہیں۔ کیونکہ علقمہ تابعی ہیں اور ابن عمر صحابی۔ انصاف کی بات تو یہ تھی کہ ابن عمر

---

[1] مصفیٰ [2] اکمال فی اسماء الرجال [3] مصفی [4] اکمال فی اسماء الرجال ۔

مقابلہ ابن مسعود سے کیا جاتا۔ مگر افسوس کہ امام ابو حنیفہ فقاہت میں علقمہ کو ابن عمر پر ترجیح دیتے ہیں جو کسی طرح ابن عمر کے غلام نافع کے مرتبہ کو بھی نہیں پہنچتا جیسا کہ نافع کے حالات سے ظاہر ہے۔ معہذا علقمہ سے چند مسائل میں ایسی صریح غلطیاں ہوئی ہیں جو مجبوراً امام ابو حنیفہ کو بھی تسلیم ہی کرنی پڑی ہیں۔ مثلاً وہ رکوع میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کی بجائے دونوں گھٹنوں کے درمیان ہاتھ رکھتے تھے جس کو تطبیق کرنا کہتے ہیں۔ اور اگر جماعت میں صرف دو مقتدی ہوں تو اُن کا امام کے پیچھے کھڑا ہونا جائز نہ سمجھتے تھے۔ صاحب مشکوۃ نے علقمہ کی تعریف میں کوئی کلمہ نہیں لکھا بخلاف اس کے ابن عمر کا حال سُنیئے۔ حذیفہؓ۔ عائشہؓ ام المومنینؓ۔ جابر بن عبد اللہ۔ ابن شہاب زہری۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ بجز حضرت عمر اور ابن عمر کے کوئی صحابی ایسا نہیں جس میں بعد آنحضرت کے کسی نہ کسی قسم کی تغیر و تبدل نے راہ نہ پایا ہو۔ مگر یہ دونو اُسی طریق پر قائم رہے جسپر آنحضرت نے لوگوں کو چھوڑ کر رحلت فرمائی۔ محمد بن الحنفیہ بن علی فرمایا کرتے تھے کہ ابن عمر تمام امت میں افضل ہیں۔ ابو جعفر کہتے ہیں کہ ابن عمر حدیث رسول میں زیادتی اور کمی دونوں کے ہوجانے سے بہت ہی ڈرتے تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ علم فقہ اور فتاوے اول حضرت عمر اور اُن کے بعد فقہاء صحابہ مثل ابن عمر۔ عائشہ۔ ابن عباس۔ ابوہریرہ۔ انس۔ جابر وغیرہ پر موقوف تھا اور یہ لوگ فقہ کے مرکز تھے۔ غرض جو شرف علو اسناد میں امام شافعی کو حاصل ہوا وہ امام ابو حنیفہ جیسے فقیہ اور مجتہد کو نہ ہوا باوجودیکہ زمانہ میں وہ امام شافعی سے مقدم تھے اور یہ تقدم مقتضی اس امر کا تھا کہ اُن کی اسناد میں بہت ہی قلیل واسطے ہوں ؎

شیخ ابن حجر نے امام شافعی کے اور بھی بہت سے شیوخ حدیث بیان کئے ہیں جن کے نام یہ ہیں۔ ابراہیم بن سعد بن ابراہیم الزہری۔ ابراہیم بن عبد العزیز بن ابی محذورہ۔

ابراہیم بن محمد بن ابی یحیی - ابراہیم بن ہرم - اسامہ بن زید بن اسلم - اسحاق بن یوسف الازرق
اسمعیل بن ابراہیم بن مقسم - اسمعیل بن جعفر بن ابی کثیر - اسمعیل بن عبداللہ بن قسطنطین -
انس بن عیاض ابوضمرۃ اللیثی - ایوب بن سوید الرملی - جعفر بن ابراہیم الطائی - حاتم بن اسمعیل
المدنی - الحرث بن عمیر البصری - الحر بن ابراہیم مولی بنی امیتہ - حسین الاشج وہو اصغر منہ -
حماد بن اسامہ ابو اسامہ - حماد بن زید البصری - حماد بن طریف - داؤد بن عبد العطار - سعید
بن سالم القداح - سعید بن سلمہ بن ابی الحسان - سعید بن مسلمۃ الاموی - سفیان بن عیینہ سلیمان
بن عمر - سماک بن الفضل الجندی - الضحاک بن عثمان الحزمی - عباد بن العوام - عبداللہ بن
ادریس الاودی - عبداللہ بن الحرث المکی - عبداللہ بن سعید بن عبد الملک - ابو صفوان صفوان
الاموی - عبداللہ بن المبارک المروزی - عبداللہ بن موسی التیمی - عبداللہ بن المؤمل - عبداللہ
بن نافع الصائغ - عبداللہ بن الولید العدنی - عبدالرحمن بن ابی بکر الملیکی - عبدالرحمن بن
الحسن بن القاسم الغسانی الازرق - عبدالرحمن بن ابی الزناد بن ذکوان - عبدالرحمن بن عبداللہ
بن عمر العمری - عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابی سلمہ - عبدالعزیز بن محمد الدراوردی - عبدالمجید
بن عبدالعزیز بن ابی رواد - عبدالکریم بن محمد الخرسانی - عبدالملک بن الولید - عبدالوہاب بن
عبدالمجید الثقفی - عطاف بن خالد - عمر بن عبدالرحمن بن محیصن - عمر بن حبیب - عمر بن ابی سلمۃ
العنسی - عمر بن یحیی بن عمر بن سعید الاموی - الفضیل بن عیاض الزاہد المشہور - القاسم بن
عبداللہ بن عمر العمری - مالک بن انس الامام - محمد بن اسمعیل بن ابی فدیک - محمد بن الحسن
الشیبانی - محمد بن خالد الجندی - محمد بن العباس الشافعی والد ابراہیم - محمد بن عبداللہ الانصاری -
محمد بن عثمان بن ابی صفوان - محمد بن علی بن شافع - محمد بن عمر الواقدی - محمد بن یزید الواسطی - مروان
بن معاویۃ الفزاری - مسلم بن خالد الزنجی - مطرف بن مازن الصنعانی - معاذ بن موسی الجعفری - ہشام

بن یوسف الصنعانی - وکیع بن الجراح - یحیی بن حسان التنیسی - یحیی بن سعید القطان یحیی بن سلیم المکی - یزید بن عبدالملک النوفلی - یعقوب بن نصا - یوسف بن الاسود - یوسف بن خالد السمنی - یوسف بن عمرو بن یزید - یوسف بن یعقوب بن الماجشون - ابن ابی الکنات الخزاعی المکی ۔

اِن کے سوا امام شافعی نے اور بھی بیشمار شیوخ و اساتذہ سے استفادہ حاصل کیا جن کا استقصاء ناممکن ہے - مولف مشکوٰۃ لکھتا ہے کہ امام شافعی نے مالک بن انس - سفیان بن عینیہ - مسلم بن خالد اور اِن کے سوا خلق کثیر سے حدیثیں سُنی ہیں - امام صاحب کی یہ کثرت اساتذہ محض اتفاقی امر نہ تھا - بل کہ اُنھوں نے خود قصداً بے شمار شیوخ کی طرف رجوع کی تا کہ اُن کے مذاہب کے مختلف اصول سے آگاہ ہوں اور اُن پر مجتہدانہ راے قائم کر کے حدیثوں کے جانچنے کا ایک ایسا معیار قرار دیں جس سے موضوعات اور بے اصل روائتیں صحیح حدیثوں سے تمیز ہو جائیں اور تنقید احادیث کی ایک سیدھی اور صاف راہ نکل آئے ۔

امام شافعی کے زمانے تک کوئی صاف راستہ تنقید احادیث کا نہ نکلا تھا - جو لوگ رسول خدا سے حدیثیں بیان کرتے تھے اِن کے لئے کوئی شرایط یا قیود نہ تھی جس طرح دنیا کے واقعات کی روایتیں بیان کی جایا کرتی ہیں اُسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثوں کا حال تھا - کوئی راوی صرف اپنی بات ہی کہکر حدیث بیان کر دیتا تھا کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے - وہ اُن واسطوں کا کچھ ذکر نہ کرتا تھا - جو رسول خدا اور اس راوی کے درمیان میں ہوتے تھے - بعضے آدمی درمیانی راویوں کا نام لیتے تھے مگر یہ پابندی نہ کرتے تھے کہ درمیان سے کوئی بھی راوی نہ چھوٹنے پائے - اِس لئے کسی کا درمیانی راوی چھوٹ جاتا تھا - کوئی اخیر راوی کا نام چھوڑ جاتا تھا - کوئی اپنے

اُستاد کے نام کے بجائے اُستاد کے اُستاد کا نام بیان کر دیتا تھا۔ پھر کوئی صرف اتنی ہی بات کہدیتا تھا کہ رسول اللہ کے زمانے میں ہم یوں کیا کرتے تھے۔ اور کوئی یوں کہتا تھا۔ کہ رسول اللہ نے یوں فرمایا ہے۔ دنیا کے عام تاریخی واقعات کے بیان کرنے میں بھی روایت کے یہ مختلف طریقے اختیار کئے جاتے ہیں اور یہ مختلف اسالیب روایت سامعین کے دل میں صحت و وثوق کے مختلف مدارج یقین پیدا کرتے ہیں۔ صحابہ کی عظمت اور اُن کے مناقب کی حدیثوں نے اور حدیث خیر القرون نے حسن ظن کو تدریجات کے ساتھ ایسے زمانہ تک پہنچا دیا تھا جس میں دیانت داری اور امانت کو بہت تنزل ہو گیا تھا۔ اس لئے دینداروں اور پاکیزہ نفس لوگوں کی احتیاط کا یہ حال تھا کہ جس قول و روایت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام مبارک سُن لیتے تھے اس کے آگے اُن کے دل اور دماغ عظمت و ہیبت سے جُھک جاتے تھے اور اُن کو یارائے تحقیق تو کیا خیال یا وہم بھی ذہن میں نہ گذرتا تھا کیونکہ تحقیق متفرع ہے شک یا وہم پر اور اُن نیک بندوں کے دل خدانے اوہام و شکوک کے لوث سے پاک بنائے تھے اس تساہل نے جو سراسر حسن ظن اور دینداری پر مبنی تھا ایک ایسی فراخ راہ کھولدی تھی جس سے ہزاروں نہیں لاکھوں بے سروپا اقوال و بے اصل روایات و قصص احادیث میں بلکہ اسلام میں داخل ہو گئیں ⁂

حدیثوں کا سیلاب جو کوڑا کرکٹ لئے دین میں زور شور سے چلا آرہا تھا اُس نے بہت سے نیک اور دیندار بندوں کو گھبرا دیا تھا اور بہت سے خادمان دین کی توجہ اس کے روکنے کی طرف لگ گئی تھی۔ مگر حدیث کی روایت اور اس سے مسائل اخذ کرنے کے فن کو جو سراسر ایک منقولی فن تھا علوم حکمیہ کے پایہ تک پہنچا دینا محمد بن ادریس الشافعی کا ہی کام تھا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ بعض مہمات مسائل میں امام شافعی کے ظہور سے پہلے ہی بحثیں چھڑ

گئی تھیں۔ اور بعض اقسام حدیث کے قبول یا رد کرنے میں اختلاف ہونے لگے تھے مگر اب تک اِس فن کی کوئی اصطلاحات قائم نہ ہوئی تھیں اور یہ فخر امام شافعی کے لئے مقدر تھا کہ وہ قرآن اور حدیث سے احکام اخذ کرنے کے فن کو ایک متسم بالشان فن بنائیں اور اِس پر حیرت انگیز اسلامی عمارت تعمیر کی جائیں۔ امام شافعی نے فن حدیث میں جو اصول قائم کئے۔ اور ائمہ دین سے جن جن مسائل میں اختلاف کیا اس کا کچھ مختصر ذکر ہم اِس مقام پر کرنا چاہتے ہیں۔

منجملہ مختلف طرق روایت حدیث کے ایک یہ طریق تھا کہ صحابی یا تابعی بالتصریح یہ کہتا تھا کہ رسول اللہ نے یوں فرمایا یا یوں کیا اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ رسول اللہ کے فرمانے یا کرنے کا مطلق ذکر نہ کرتا تھا بلکہ بجائے اِس کے یہ کہتا تھا کہ آنحضرت کے زمانے میں ہم یوں کیا کرتے تھے یا یہ بات سنت ہے اِن دونو قسم کی حدیث میں جمہور فقہا و محدثین کچھ فرق نہ کرتے تھے۔ چنانچہ ابن عبدالبر نے اِس پر اجماع نقل کیا ہے امام شافعی کا بھی ابتداءً یہی خیال تھا لیکن اُنھوں نے بہت جلد اپنے اِس قول سے رجوع کیا اُن کی یہ رائے تھی کہ صرف اِس بات کے کہنے سے کہ آنحضرت کے وقت میں ہم ایسا کیا کرتے تھے یا یہ فعل سنت ہے اُس فعل کے سنت نبوی ہونے پر یقین نہیں ہو سکتا ممکن ہے کہ سُنت نبوی ہو اور ممکن ہے کہ وہ فعل اُس زمانہ میں جس زمانہ کا راوی نے ذکر کیا ہے بطور رسم و رواج جاہلیت کے عمل میں آتا ہو اور سنت نبوی اُس کے برخلاف ہو یا مراد سنت سے سنت خلفاء راشدین و سنت صحابہ ہو کیونکہ خود حدیث میں سنت خلفاء راشدین پر لفظ سنت کا اطلاق ہوا ہے غرض کہ ایسی حدیث کو یقینی طور پر قول و فعل رسول قرار دینا ایک صریح غلطی تھی امام شافعی سے پہلے یہ غلطی عام طور پر پھیلی ہوئی تھی جس کی سب سے اول اُنھوں نے اصلاح کی۔ اگرچہ اُن کی رائے نے قبولیت عامہ حاصل نہیں کی لیکن تاہم بالکل بے اثر بھی نہیں رہی۔

ابوبکر صیرفی - ابوبکر رازی - اور ابن حزم ظاہری نے بھی یہ ہی رائے صحیح قرار دی +

منجملہ اقسام حدیث کے ایک وہ حدیث تھی جس میں جناب رسول خدا کا کچھ ذکر نہیں کیا جاتا تھا بلکہ صرف تابعی یا صحابی کا کوئی قول یا فعل بیان کیا جایا کرتا تھا - اس قسم کی احادیث کو جن کے لئے مقطوع اور موقوف کی اصطلاحات وضع کی گئیں - امام شافعی نے یہ قرار دیا کہ اول قسم تو بالکل بے اعتبار اور ناقابل عمل ہے اور دوسری قسم کا بھی جب تک کُل صحابہ کا کسی بات پر اتفاق نہ ہو اعتبار نہیں - اور ان دونوں قسموں میں سے کسی کے مقابلہ میں قول رسول نہیں چھوڑنا چاہیئے - امام ابوحنیفہ اکثر ایک صحابی یا تابعی کے مقابلہ میں حدیث رسول اللہ ترک کر دیتے تھے - چنانچہ اُنہوں نے ابراہیم نخعی کے مقابلہ میں اشعار اور آمین بالجہر کی حدیثوں پر عمل نہیں کیا - زکوٰۃ مال یتیم کے باب میں اُنہوں نے ابن مسعود کے قول کو حدیث رسول اللہ پر ترجیح دی - اقسام احادیث میں سے وہ احادیث بھی تھیں جن کی اخیر سند میں تابعی کے بعد صحابی کا نام نہیں لیا جاتا تھا مثلاً تابعی یوں کہتا تھا کہ جناب رسول خدا صلعم نے یوں فرمایا ہے اِس قسم کی احادیث کی نسبت جن کے لئے مرسل یا منقطع اصطلاحات تجویز کی گئیں امام شافعی نے ایک جم غفیر کے مقابلے میں یہ قرار دیا کہ ایسی حدیث پر اعتقاد و عمل کی بُنیاد قائم نہیں کی جاسکتی کیونکہ اِس حدیث کی نسبت کسی طرح حدیث رسول اللہ ہونے کا یقین نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ ضرور نہیں کہ تابعی نے صحابی ہی سے سُنا ہو بلکہ ممکن ہے کہ اُس نے دوسرے تابعی سے سُنا ہو اور اُس کا نام نہ لیا ہو اور چونکہ تابعی ثقہ اور غیر ثقہ ہر قسم کے ہیں اس لئے تا وقتیکہ اُس راوی کا حال معلوم نہ ہو جس سے تابعی نے روایت کیا ہے اِس حدیث کو کسی طرح حدیث رسول نہیں کہا جاسکتا - اِس اہم امر کی طرف امام شافعی سے پہلے کسی کا ذہن نہیں گیا - اُن سے پیشتر عموماً فقہا و محدثین کا یہ خیال تھا کہ تابعی نے جس راوی کو چھوڑا ہے

وہ ضرور ثقہ ہی ہوگا کیونکہ تابعی کو اگر اُس کی ثقاہت میں کسی قسم کا شک و شبہ ہوتا تو وہ ضرور اُس کا نام لیکر بار کذب سے خود بری الذمہ ہوجاتا پس اُس کا راوی کا نام نہ لینا اِس امر کی دلیل ہے کہ اُس کو اُس راوی کی ثقاہت کی نسبت کسی قسم کا کلام نہ تھا افسوس کہ اِس غلطی سے بعض بڑے بڑے ائمہ فن بھی نہ بچے حتے کہ خود حضرت امام مالک اور امام اوزاعی نے بھی ان مرسل حدیثوں کو معتبر سمجھا اور اُن سے مسائل بھی استنباط کئے بلکہ امام ابوحنیفہ نے تو اُن کی یہاں تک عزت بڑھائی کہ وہ مرسل کو مسند پر ترجیح دیتے اور اُنہوں نے اُس پر یہی دلیل پیش کی کہ اگر راوی کو اُس راوی کی ثقاہت پر جس کا اُس نے ذکر نہیں کیا کامل وثوق نہ ہوتا تو وہ اُس کا ضرور ذکر کرتا لیکن یہ اُن کا صرف حسن ظن ہے - ہماری بحث یہاں پر صرف واقعیت سے ہے کیا یہ ممکن نہیں کہ شاید اُس نے راوی کا نام صرف اُس کا عیب چھپانے کی غرض سے چھوڑا ہو؟ پس مرسل حدیث یقینی طور پر حدیث رسول اللہ کس طرح ہوسکتی ہے؟ مع ہذا صدہا مرسل محض بے اصل اور موضوعات ہیں شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں وکم من مرسل لا اصل لہ وکم من مرسل یخالف مسندا یعنی بہت سی مرسل محض بے اصل ہیں اور بہت سی مسند حدیثوں کے مخالف ہیں - مرسل احادیث کی نسبت امام شافعی کی یہ راے ایسی صحیح تھی کہ بخاری مسلم وغیرہ اکابر اہل حدیث نے نہ اس بارہ میں امام مالک اور اوزاعی کی پرواکی اور نہ امام ابوحنیفہ رح کی جانب التفات کیا بلکہ تمام محدثین نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو اِس اصول میں اپنا مقتدا قرار دیا اور اَب یہ ایک مسلمہ اصول بن گیا کہ حدیث مرسل ناقابل اعتبار ہے *

ایک اَور طریق روایت کا چل پڑا تھا جس میں روایت کرنے والا اُس شخص کا نام جس سے حدیث سُنی ہے چھوڑ کر اُس سے اوپر کے راوی کا نام ایسے طور پر لیتا تھا جس

سے یہ دھوکا ہوتا تھا کہ روایت کرنے والے نے اس اوپر والے راوی سے اپنے کان سے یہ حدیث سُنی ہے ایسی حدیث کو جس کا نام مدلس قرار پایا امام شافعی نے جمہور علمار کے خلاف ناقابل اعتبار ٹھیرایا ۔ دیگر علما کی یہ رائے تھی کہ اگر وہ راوی ثقہ اور نیک ہے اور کوئی غرض فاسد درمیانی نام ترک کرنے سے نہیں رکھتا تو یہ حدیث قبول کرنے کے لائق ہے مگر امام شافعی رح ایسی مشتبہ چیز کو قوانین شریعت کا ماخذ قرار دینا سخت غلطی سمجھتے تھے ۔ علی ہذا القیاس احادیث مستور الحال و مجاہیل کو یعنی ان احادیث کو جن کے کل یا بعض راویوں کا حال معلوم نہ ہوتا تھا امام ابو حنیفہ قبول کر لیتے تھے مگر امام شافعی ایسی احادیث کا مطلق اعتبار نہیں کرتے تھے اصول مذکورہ کے مقرر کرنے کے بعد امام شافعی نے صحت حدیث کے لیئے اور بھی چند شرائط قرار دی ہیں جن میں سب سے بڑی اہم شرط یہ قرار دی کہ جو حدیث صریح عقل کے مخالف ہو وہ کسی طرح قابل اعتبار نہیں اور اُس حدیث کو حدیث نبوی نہیں قرار دیا جا سکتا کیونکہ آنحضرت کا کسی ایسی بات کو فرمانا جو صریح عقل کے خلاف ہو ممکن نہیں یہ شرط ایک ایسا صحیح معیار تنقید احادیث کا تھا کہ اِس زمانے کے بڑے بڑے معترض اور نکتہ چین بھی اس سے بہتر کوئی معیار صحت احادیث کا قائم نہیں کر سکتے ۔ اِس شرط کے قائم کرنے سے امام شافعی نے فنِ حدیث میں وہ اصلاح پیدا کی کہ اگر اُس پر ٹھیک طرح عمل کیا جائے تو مخالفین کو اسلام پر اعتراض کرنے کی کوئی بھی گنجایش نہیں رہتی ۔ یہ اصول تمام اصلاحات دینی کی بُنیاد تھی اور جب تک اسلام قائم ہے تب تک امام شافعی کا نام نامی آسمان اسلام پر چاند اور سورج کی طرح چمکتا رہیگا امام شافعی کا خیال نہایت صحیح تھا کہ احادیث صحیحہ بہت کم ہیں وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کُل سات حدیثیں صحیح طور پر ثابت ہیں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح حدیثوں کی تعداد صرف پچاس تک ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بھی یہی حال ہے کیونکہ یہ لوگ کاروبار خلافت میں مصروف رہتے تھے ان کے سوا باقی صحابہ سے کثرت سے حدیثیں مروی ہیں لیکن صحیح اُن میں بھی اہل معرفت کے نزدیک قلیل ہیں۔ امام شافعی اپنے شاگردوں کو ہمیشہ تاکید کرتے تھے کہ اگر میں کوئی ایسی بات کہوں جو تمہاری عقل کے مخالف ہو تو تم اُسے ہرگز قبول نہ کرنا کیونکہ صحیح بات وہی ہے جو عقل کے خلاف نہ ہو[۱]۔

بعض مصنفوں نے غلطی سے یہ خیال کیا ہے کہ اصول درایت مذکورہ صدر کے بیان میں امام شافعی نے امام ابوحنیفہ کے خیال کا اظہار کیا ہے۔ ایسا خیال صرف اُن تاریک دل لوگوں کا ہو سکتا ہے جو اپنے تعصب کی وجہ سے یہ چاہتے ہیں کہ ان کے اپنے امام و مقتدا کے سوا تمام جہان سے دینداری اُٹھ جائے تاکہ دنیا میں سب سے بڑھ کر جلیل القدر نظر آئے کیا ممکن ہے کہ یہ اصول درایت ان لوگوں کا ہو جنہوں نے خود ایسی بےشمار حدیثیں معتبر سمجھی ہیں جو اصول روایت و درایت کے لحاظ سے بالکل بے اصل اور نامعتبر ہیں اور جن کا نمونہ دیکھنے کے لئے ہدایہ کا مطالعہ کافی ہے۔

امام شافعی کا قول تھا کہ صحیح حدیث ہر شہر کی قابل عمل ہے بشرطیکہ کوئی دوسری صحیح حدیث اُس کے معارض نہ ہو۔ امام ابوحنیفہ کو کوفے کی حدیثوں پر نہایت اصرار تھا وہ اپنے شہر کی ضعیف حدیثوں کے مقابلہ میں دوسرے شہروں کی صحیح حدیثیں بھی قبول نہیں کرتے تھے چنانچہ امام ابوحنیفہ نے اختلافی مسائل میں کبھی کسی مسئلے میں اہل کوفہ کی مخالفت نہیں کی۔ امام شافعی نے اس بودے اور غیر محققانہ اصول کو توڑا چنانچہ اُنہوں نے امام احمد سے کہا کہ فاذا کان خبر صحیح فاعلونی حتی اذھب الیہ کوفیا کان او بصریا او شامیا۔ غرض امام شافعی ہی وہ شخص تھے جنہوں نے شہر پرستی کے اصول کو جس کی کوفے میں بنیاد پڑنے لگی تھی جڑ

[۱] رسالہ مناقب الشافعی امام رازی

سے اکھیڑ ڈالا ۔

امام شافعی نے یہ بھی قاعدہ مقرر کیا کہ اگر ایک حدیث میں کچھ الفاظ کم وارد ہوں اور دوسری میں زیادہ ہوں تو وقتیکہ دوسرے طور پر زیادتی کا کامل ثبوت نہ ہو یا اُس کا راوی غایت درجہ کا حافظ نہ ہو تو یہ زیادتی قابل قبول نہ ہوگی ۔ جمہور علما اس کے مخالف تھے اُن کی رائے یہ تھی کہ زیادتی ثقہ کی ہر حالت میں قابل اعتبار ہے [1]۔

امام شافعی نے یہ بھی اصول مقرر کیا کہ اگر دو حدیثوں میں تعارض ہو تو یوں ہی بلا دلیل کسی حدیث کو رد نہ کرنا چاہئے بلکہ جہاں تک ممکن ہو دونو حدیثوں میں باہم تطبیق دے کر اُن پر عمل کیا جائے چنانچہ اُنھوں نے اس طرح تطبیق دینے کے لئے اصول و قواعد مقرر کئے اور اس فن میں ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام **اختلاف الحدیث** ہے ۔

یہ وہ اصول ہیں جن کی صحت میں کسی منصف مزاج کو کلام نہیں ہو سکتا تھا اس لئے تمام ائمہ اہل حدیث نے امام صاحب کو فن حدیث میں اپنا مقتدا قرار دیا اور سب نے اُن کی غاشیہ برداری قبول کی ۔ قطع نظر اہل حدیث کے امام صاحب کے ان اصولوں کی مضبوطی نے اہل رائے کے دلوں پر بھی یہاں تک اثر ڈالا کہ اکثر ذی علم اہل رائے اپنا پُرانا مذہب چھوڑ کر اُن کی شاگردی میں داخل ہو گئے اور خود حکام وقت پر اُن کا یہاں تک اثر پڑا کہ وہ امام صاحب کے ساتھ بے انتہا تعظیم و تکریم سے پیش آنے لگے اور اب وہ علی الاعلان اہل رائے کے مذہب کی قباحتیں بیان کرنے لگے چنانچہ اُنھوں نے امام محمد کے روبرو اُن کے مذہب کی چند خرابیاں بیان کیں جن کا ذکر اُن کے باہمی مناظرات میں کیا گیا ۔ امام صاحب کی وجہ سے اہل حدیث کے حوصلے بھی بڑھ گئے اور وہ بھی ہر حدیث کے مراتب علی الاعلان بیان کرنے لگے علم حدیث کو روز بروز ترقی ہونے لگی ۔ غرض اس طریق پر امام صاحب نے اہل رائے کے فتنہ کو دور کیا اور

[1] نخبۃ الفکر

حدیثوں کی تنقید کی بنیاد ڈالی*

جس شخص نے حدیث رسول اللہ کو اس طرح مدد دی اور دین اسلام کو ایک مضبوط چٹان پر قائم کیا اس کی بزرگی اور دینداری کا نقش ائمہ حدیث کے دلوں پر کیونکر نہ ہوتا۔ اس لئے اس جگہ مختصراً یہ بتلانا بھی بے موقعہ نہ ہوگا کہ ائمہ حدیث نے امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے باب میں کیا کیا کہا ہے*

امام شافعی کے زمانہ میں جو شخص بڑے محدث اور امام فن خیال کئے جاتے تھے۔ یحییٰ بن سعید القطان۔ عبدالرحمن بن مہدی۔ احمد بن حنبل۔ سفیان بن عینیہ۔ اسحاق بن راہویہ۔ یحییٰ بن معین۔ عبدالرحمن بن مہدی اور یحییٰ بن سعید القطان اور احمد بن حنبل ایسے جلیل القدر محدثوں کا قول ہے کہ ہم نے کوئی نماز ایسی نہیں پڑھی جس میں امام شافعی کے لئے دعائے مغفرت نہ کی ہو*

امام احمد سے ایک شخص نے امام مالک کی نسبت سوال کیا۔ امام احمد نے جواب دیا کہ حدیث صحیح و رائے ضعیف یعنی اُن کی حدیث صحیح ہے مگر رائے ضعیف ہے۔ پھر سائل نے امام اوزاعی کی نسبت پوچھا امام احمد نے جواب دیا کہ حدیث ضعیف و رائے ضعیف یعنی اُن کی حدیث بھی ضعیف ہے اور رائے بھی ضعیف ہے۔ پھر سائل نے امام شافعی کا حال دریافت کیا۔ امام احمد نے جواب دیا حدیث صحیح و رائے صحیح یعنی اُن کی حدیث صحیح ہے اور رائے بھی صحیح ہے پھر سائل نے امام ابوحنیفہ کی نسبت دریافت کیا امام احمد نے جواب دیا لا رائے و لا حدیث یعنی اُن کی نہ رائے کام کی نہ حدیث*

بیہقی نے امام احمد کے اس قول کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ امام مالک صحیح حدیث روایت کرتے ہیں اور وہ اس میں کوئی نقص بیان نہیں کر سکتے مگر باایں ہمہ بعض مسائل میں حدیث پر

عمل اہل مدینہ کو ترجیح دیتے ہیں اور اُس میں اجماع کا دعوی کرتے ہیں حالانکہ واقع میں اُس میں اجماع نہیں ہوتا امام شافعی نے امام مالک کی اِس غلطی کو مُدلل طور پر بیان کیا ہے۔شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں کہ "و قسمے دیگر است کہ امام مالک مختار خود را و فقہا سبعہ و معمول مدینہ را تقریر میکند و میگوید السنۃ عندنا کذا و کذا۔شافعی افادہ فرمودہ است کہ آن اجماع نیست بلکہ مختار مالک و شیوخ اوست۔پس فقیر ازین قسم آنچہ موافق جمہور بودہ است دریں شرح ذکر کرد و آنچہ مخصوص بود باو از ذکر آں اعراض نمود"۔

اوزاعی کی نسبت جو امام احمد نے فرمایا وجہ یہ ہے کہ وہ بعض مسائل میں منقطع و مُرسل حدیثوں سے حجت پکڑتے ہیں پھر اُن پر اور مسائل کو قیاس کرتے ہیں۔

امام شافعی کی نسبت امام احمد کے حدیث صحیح و رائے صحیح کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ صحیح حدیثوں کے سوا کسی قسم کی روایت قبول نہیں کرتے اور نہ اُس پر عمل کرنا اُن کے نزدیک جائز ہے۔

امام ابوحنیفہ کی نسبت امام احمد کے لا رای و لا حدیث کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ مرسل و منقطع اور مجہول راویوں کی حدیثیں قبول کرتے ہیں اور اپنے شہر کی ضعیف حدیثوں کے مقابلہ میں دوسرے شہروں کی صحیح حدیثوں کو رد کر ڈالتے ہیں۔

سفیان بن عیینہ کی مجلس میں امام شافعی کو نہایت اعزاز کے ساتھ جگہ ملتی تھی اور یہ جلیل القدر محدث باوجود اپنے کمال علمی کے اکثر حدیث و تفسیر کے مطالب میں اُن سے استفادہ حاصل کرتا تھا۔ایک روز اس نے ایک حدیث بیان کی جس میں دنیا کی بے ثباتی اور جناب باری کی عظمت و جلال اور اُس کی بے نیازی اور امور آخرت وغیرہ کا ذکر تھا۔امام شافعی کے دل پر اُس حدیث کا اتنا اثر پڑا کہ غشی سے مُردہ کی مانند زمین پر گر پڑے یہ حالت دیکھ کر کسی نے

سفیان بن عینیہ سے کہا کہ اے ابو محمد محمد بن ادریس یعنی امام شافعی کا انتقال ہوگیا۔ سفیان بن عینیہ فرمانے لگے کہ اگر محمد بن ادریس کا انتقال ہوا تو بے شک زمانے بھر کا افضل شخص جاتا رہا

یہ سفیان بن عینیہ کوئی معمولی محدث نہ تھے بلکہ وہ فن حدیث کے اعلیٰ درجہ کے اماموں میں شمار کئے جاتے ہیں اور اُن کی عظمت و جلالت اس سے ظاہر ہے کہ جس وقت اُن کی عمر بیس برس سے بھی کم تھی وہ کوفہ تشریف لے گئے۔ امام ابوحنیفہ جو بڑے فقیہ اور مجتہد تھے اپنے اصحاب سے فرمانے لگے کہ آج تمہارے شہر میں عمرو بن دینار کے علم کا حافظ آیا ہے۔ سفیان بن عینیہ کہتے ہیں کہ میں نے اُن سے مودبانہ عرض کیا کہ حضرت آپ یہ کیا فرماتے ہیں۔ فرمانے لگے کہ صاحبزادے تمکو کیا خبر ہے میں نے تمام عمر میں عمرو بن دینار سے کل تین حدیثیں سُنی ہیں۔ مگر مجھے اُن تینوں حدیثوں کے حفظ میں بھی اضطراب ہے۔ سفیان بن عینیہ کہتے ہیں کہ مجھے اول جس شخص نے محدث کا لقب دیا وہ حضرت امام ابوحنیفہ ہیں ؂

اسحاق بن راہویہ کا قول ہے کہ سفیان ثوری امام مالک امام ابوحنیفہ امام شافعی ان چاروں اماموں میں امام شافعی سب سے زیادہ متبع حدیث اور قلیل الخطا ہیں۔ یہ امام بھی معمولی امام نہ تھے۔ بخاری و مسلم ان کی حدیثوں سے مالا مال ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحب انکو اہل الرائے اور اہل ظاہر کے درمیانی فرقہ محققین اہل سنت میں لکھتے ہیں ؂

یحیی بن معین کا قول ہے کہ امام شافعی صادق ہیں اُن سے حدیث لینے میں مضائقہ نہیں اور اگر مطلق کذب بھی ہوتا تو اُن کی مروت اُن کو اس سے باز رکھتی یہ وہ امام ہیں جن پر اسلام اور اہل اسلام کو جسقدر ناز ہو بجا ہے۔ جرح و تعدیل میں ان کو سب سے زیادہ تشدد ہے۔ بات بات میں لوگوں کو مجروح قرار دیتے ہیں۔ ان کی نظر سب سے زیادہ لوگوں کے عیبوں پر پڑتی ہے۔ ہر شخص کا عیب بے تامل بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ انہیں کے باب میں بکر بن حماد شاعر مغربی نے یہ

شعر کہے ہیں ؀

ولابن معین فی الرجال وقیعۃ	سیسئل عنہا والملیک شہید
فان یک صدقا فہی لابد غیبۃ	وان یک کذبا فالعذاب شدید

یعنی یحیی بن معین ہمیشہ لوگوں کے عیب بیان کرتا رہتا ہے جس کی نسبت قیامت کو خدا کے سامنے اُس سے بازپرس ہوگی۔ اگر اُس کا قول صادق ہے تب بھی وہ غیبت ضرور ہے۔ اگر وہ جھوٹ کہتا ہے تو اُس کے لیئے سخت عذاب ہے ؀

اگرچہ اِس جاہل شاعر کی ہجو بالکل اُس کی بے علمی کی دلیل ہے کہ وہ اتنا بھی نہیں سمجھتا کہ اہلحدیث کا کسی شخص کے عیوب بیان کرنا قبیل غیبت محرمہ سے نہیں ہے تاہم اِس شاعر کے کلام سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ یحیی بن معین کو لوگوں کے عیوب بیان کرنے میں سخت تشدد تھا اور اکثر اُن کی نظر عیب ہی پر پڑتی تھی پس ایسے شخص کا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں اتنا کلمہ بھی کہنا کافی ہے کہ وہ صادق ہیں اور اُن سے حدیث لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ؀

امام احمد سے ایک شخص نے بیان کیا کہ فلاں مسئلہ میں کوئی صحیح حدیث نہیں۔ امام احمد نے جواب دیا کہ اگر حدیث نہیں تو کیا مضائقہ ہے اُس میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول تو ہے[1] ؀

امام شافعیؒ کے زمانہ کے بعد بڑے محدث اور امام فن اصحاب صحاح ہوئے ہیں امام بخاری نے تو امام شافعی کے حق میں کوئی کلمہ تعریف کا نہیں کہا بلکہ اُن کو اُن کی شہرت پر چھوڑ دیا ہے اور ضعفاء کے رجسٹر میں اُن کا نام درج نہیں کیا۔ بخاری کی عام عادت ہے کہ وہ اکثر ائمہ مشہورین کو اُن کی شہرت پر چھوڑ دیتے ہیں۔ یہی طریقہ اکثر محدثین نے اختیار کیا ہے۔

[1] توالی التاسیس

علامہ شمس الدین ذہبی کو دیکھو کہ انہوں نے میزان الاعتدال میں کہیں امام شافعی کا ذکر نہیں کیا اور دیباچہ کتاب میں اس کی یہی وجہ بیان کی ہے کہ ہم ایسے شخصوں کا ذکر نہیں کرتے جن کی عظمت وجلالت پر دُنیا کو اتفاق ہو۔ پس امام بخاری کا امام شافعی کے حق میں کوئی کلمہ تعریف کا نہ کہنا اس بات کی دلیل نہیں کہ امام بخاری کے دل میں اُن کی عظمت نہ تھی بلکہ محض بنا بر اُنکی شہرت کے ہے۔ اس امر کی اس سے بڑھکر اور کیا دلیل ہوگی کہ جس شخص کے نام نامی اور اسم گرامی سے اُنہوں نے اپنے جامع صحیح کو شروع کیا ہے وہ امام شافعی کے ارشد تلامذہ سے ہیں بخاری کے اوّل صفحہ کی پہلی سطر یوں شروع ہوتی ہے کہ حدثنا الحمیدی یہ حمیدی حضرت ابوبکر عبداللہ بن زبیر حمیدی ہیں جو امام شافعی کے ارشد تلامذہ سے ہیں ان کی عادت تھی کہ جس وقت امام سے کوئی حدیث بیان کرتے اُس کی روایت ان الفاظ میں کرتے حدثنا سید الفقہا الشافعی یعنی سردار فقہا امام شافعی نے ہم سے یہ حدیث بیان کی ہے[۱]۔ نیز امام احمد نے امام شافعی سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ اور امام بخاری نے امام احمد سے۔ پس اگر بخاری کے نزدیک امام شافعی قابل جرح ہوتے تو وہ اُن کے شاگردوں سے ہرگز روایت نہ لیتے۔ علاوہ ازین امام احمد یحییٰ بن معین۔ سفیان بن عیینہ۔ اسحاق بن راہویہ۔ عبدالرحمن بن مہدی وغیرہ ائمہ کے مقابلہ میں جو بخاری اور مسلم دونو کے اُستاد ہیں امام بخاری کی تعریف کی کچھ حاجت بھی نہیں ہے۔ البتہ امام بخاری کے ذمہ راویوں کا عیب بیان کرنا ضرور ہے سو اُنہوں نے امام شافعی میں کوئی عیب بیان نہیں کیا مسلم بن الحجاج صاحب صحیح سے امام بیہقی نے اپنی کتاب خطام خط الشافعی میں نقل کیا ہے کہ امام مسلم نے ایک مسئلہ کو اختیار کرکے اُس کی تائید میں لکھا کہ ھذا

قول اھل العلم بالحدیث والاخبار من یعرف بالتفقہ فیھا والاتباع لھا منہم یحیی بن	یعنی یہی قول ہے اُن لوگوں کا جو حدیث اور اخبار کے عالم ہیں اور حدیث کے اتباع اور اُسکے

[۱] توالی التاسیس

سعید القطان وعبد الرحمن بن مهدی ومحمد ابن ادریس الشافعی رح واحمد بن حنبل واسحٰق بن راھویہ۔	تفقہ میں مشہور ہیں جن میں سے بعض نام یہ ہیں۔ یحیٰی بن سعید القطان۔عبدالرحمن بن مہدی۔محمد بن ادریس شافعی۔احمد بن حنبل۔اسحاق بن راہویہ۔

اسی طرح ترمذی نے بھی اپنی جامع میں چند جگہ اسی قسم کی عبارت لکھی ہے ۔

نسائی۔ابوداؤد۔ابن ماجہ وغیرہ نے امام شافعی کی بے انتہا تعریفیں کی ہیں۔ان سب کے اقوال لکھنا موجب تطویل ہے۔صرف اتنی بات لکھنی کافی ہے۔کہ ان کی کتابوں میں امام شافعی سے بکثرت روایات موجود ہیں ۔

اصحاب صحاح کے بعد جو مشہور محدث ہوے ہیں اُن کے اسماے گرامی یہ ہیں [۱]ابو بکر[۵] محمد ابن اسحٰق بن خزیمہ۔[۲]ابوالحسن دارقطنی۔حاکم [۳]ابوعبداللہ۔حافظ [۴]شیخ ابونعیم اصفہانی۔حافظ [۵]ابوبکر بیہقی۔[۶]امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن زکریا خوارزمی۔امام [۷]خطیب صاحب تاریخ بغداد۔ ابوسلیمان خطابی[۵۲]۔یہ لوگ امام شافعی کے علم حدیث میں عظمت وجلالت پر متفق ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی اُن کے مناقب میں ایک ایک مستقل تصنیف موجود ہے ۔

امام شافعی کے قول پر علماء حدیث نے جرح وتعدیل میں بھی اعتماد کیا ہے امام مالک رح اور سفیان بن عیینہ کی قدر ومنزلت اور علو مرتبت پر ہمیشہ اہلحدیث امام شافعی کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں کہ مالک وابن عیینہ القرینان لولاھما لذھب علم الحجاز یعنے مالک اور سفیان ابن عیینہ ایک دوسرے کے مساوی ہیں اور اگر وہ دونو نہوتے تو حجاز سے علم اُٹھ جاتا ۔

---

[۵۱] یہ بزرگ مزنی شاگرد امام شافعی کے شاگرد تھے [۵۲] ان کی نسبت مشہور ہے کہ الحدیث لابی سلیمٰن کما جعل الحدید لابی سلیمان (یعنے ابوسلیمان حدیث کا ایسا اُستاد ہے جیسے لوہے کے لئے ابوسلیمان یعنے حضرت داؤد علی نبینا وعلیہ السلام ۔

اصحاب مالک امام مالک کی فضیلت میں ہمیشہ امام شافعی کا یہ قول پیش کرتے ہیں کہ اذا جاء الاثر فمالک النجم یعنی علم حدیث میں امام مالک مثل ستارہ کے ہیں ❊

موطا کی صحت پر امام شافعی کا یہ قول پیش کیا جاتا ہے کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ موطا یعنی قرآن مجید کے بعد تمام کتابوں میں صحیح تر موطا ہے ❊

جابر بیاضی۔ حزام بن عثمان کی تضعیف میں اہل حدیث نے صرف امام شافعی ہی کے قول پر اعتماد کیا ہے ❊

امام شافعی کا حافظ الحدیث اور محدث ہونا ایک ایسا امر ہے جس سے موافق و مخالف کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اُن کے حافظ الحدیث ہونے کی یہی کافی دلیل ہے کہ اُنھوں نے موطا حضرت امام مالک کے روبرو حفظ سُنا دیا اور امام احمد بن حنبل نے باوجودیکہ بڑے بڑے مشائخ سے موطا سُنا تھا مگر تاہم جب امام شافعی بغداد تشریف لائے تو امام احمد نے پھر اُن سے ازسرنو موطا سُنا اور اُس کی سند حاصل کی ❊

امام شافعی کی روایت حدیث میں صحت کا التزام کرنے پر یہ کتنا بڑا ثبوت ہے کہ اُن کی کتاب مسند مشرق و مغرب میں رائج ہے مگر آج تک اُس کی صحت میں کسی شخص نے کلام نہیں کیا۔ شیخ حافظ احمد بیہقی نے نہایت قوی دلائل کے ساتھ اُن احادیث کی قوت ثابت کی ہے جن سے امام شافعی نے استدلال کیا ہے۔ اور پھر نہایت شرح و بسط کے ساتھ اُن روایات کا ضعف ثابت کیا ہے جن سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تمسک نہیں کیا اور مخالفین استدلال کرتے ہیں ❊

سب سے بڑے فخر کی بات کہ جس کی وجہ سے امام شافعی کا نام اسلامی تاریخ میں سُنہری حروف میں چمکتا رہے گا یہ ہے کہ سند شافعی عن مالک عن نافع عن ابن عمر کو محدثین نے

سلسلۃ الذہب یعنی سلسلۂ زرین کا لقب دیا ہے[1]۔ وہ کون سا اور امام ہے جس کے سینہ کو محدثین نے اس طلائی تمغہ سے مزین کیا ہو ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

فقہ

حدیث کی طرح فقہ کا آغاز بھی جناب رسول خدا کے عہد مبارک میں ہی ہوا۔ اس کا آغاز کس طرح ہوا اور امام شافعی کے زمانہ تک کس حالت میں پہنچا اس کی تفصیل شاہ ولی اللہ صاحب نے یوں لکھی ہے:۔

جاننا چاہئے کہ فقہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک میں کتابوں میں مدون نہ تھا اور اُس وقت احکام میں ایسی بحثیں نہ تھیں جیسی یہ فقہا کرتے ہیں کہ اپنی نہایت کوشش سے ارکان اور شرطیں اور آداب ہر چیز کو جدا جدا دلائل سے ثابت کرتے ہیں اور مسائل کی فرضی صورتیں مقرر کر کے اُن پر بحث کرتے ہیں اور جو چیز قابل حد ہے اُس کی حد اور جو قابل حصر ہے اُس کا حصر بیان کرتے ہیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال یہ تھا کہ وضو فرماتے اور صحابہ کو اپنا وضو کرنا دکھلاتے۔ وہ لوگ اسی کو اختیار کرتے۔ یہ نہ تھا کہ آپ بیان فرمائیں کہ یہ فعل رکن ہے اور یہ ادب ہے۔ آپ نماز پڑھتے اور صحابہ اُن کو نماز پڑھتا دیکھتے اور خود ویسے ہی پڑھتے جیسی آپ کو پڑھتے دیکھتے۔ آپ نے حج کیا اور لوگوں نے آپ کا حج دیکھا اور انہوں نے ویسا ہی کیا جیسا آپ نے کیا۔ غرض آپ کا غالب حال یہی تھا۔ آپ نے یہ بیان نہیں کیا کہ وضو میں چھ فرض ہیں یا چار اور نہ یہ بات فرض کی کہ ہو سکتا ہے کہ کوئی آدمی بغیر ترتیب کے وضو کر لے تاکہ اسپر حکم صحت یا فساد وضو کا کیا جائے۔ صحابہ بھی آپ سے ان باتوں کو بہت کم پوچھتے تھے۔ چنانچہ ابن عباس کا قول ہے کہ میں نے کوئی قوم نہیں دیکھی جو اصحاب رسول اللہ صلعم سے بہتر ہو

[1] ابن خلکان ترجمہ نافع۔

اُن لوگوں نے آپ کی وفات تک آپ سے صرف تیرہ مسئلے پوچھے جو کل قرآن میں مذکور ہیں۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ وہ لوگ صرف وہ بات پوچھتے تھے جو اُن کو مفید ہو۔ ابن عمر کہتے ہیں کہ جو بات ابھی نہیں ہوی اُس کو مت پوچھو کیونکہ میں نے عمر بن خطاب سے سُنا ہے کہ لعنت کرتے تھے اُس آدمی کو جو بن ہوی بات پوچھے ٭

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دستور تھا کہ لوگ واقعات میں آپ سے فتوی پوچھتے آپ اُن کو فتوے دیتے۔ اور آپ کے حضور میں مقدمے پیش ہوتے تو آپ اُن میں فیصلہ فرماتے اور لوگوں کو اچھا کام کرتے دیکھ کر اُس کام کی مدح فرماتے یا بُری بات کرتے دیکھتے تو اُس کو منع کرتے اور جب کبھی فتوے پوچھنے والے کو فتوے دیتے اور کسی معاملہ میں فیصلہ فرماتے یا بُرے کام کرنے والے کو اس کام سے منع کرتے یہ سب باتیں مجمع میں ہوتیں۔ اسی وجہ سے شیخین کو جب کسی مسئلہ میں علم نہ ہوتا تو لوگوں سے حدیث رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال دریافت کرتے چنانچہ ابو بکر صدیق رضؓ نے جدہ کے باب میں کہا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں سُنا کہ آپ نے اُس کے حصہ کے باب میں کچھ فرمایا ہے اور میں اس بارہ میں لوگوں سے پوچھوں گا۔ جب ظہر پڑھ چکے تو کہا کہ تم میں سے کسی نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جدہ کے بارہ میں کچھ سُنا ہے؟ مغیرہ بن شعبہ نے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے جدہ کو چھٹا حصہ دیا ہے۔ آپ نے کہا کہ اُس کو تیرے سوا کوئی اور بھی جانتا ہے۔ محمد ابن مسلمہ نے کہا کہ مغیرہ نے سچ بیان کیا ہے۔ غرضکہ ابو بکر صدیق نے یہ حدیث سُن کر جدہ کو چھٹا حصہ دیا۔ ہر صحابی نے آپ کے عبادات اور فتاوے اور فیصلوں سے وہ امر دیکھا جو خدا تعالی نے اُس کو میسّر کیا اور اُس کو سمجھا اور بسبب اجتماع قرائن کے ہر چیز کے وجہ پہچانی۔ بعض کو اباحت پر محمول کیا اور بعض کو استحباب پر۔ اور بعض کو نسخ پر۔ اُنھیں علامات اور قرینوں سے جو اُس کے پاس کافی تھے

اور اُن لوگوں کے پاس اطمینان دل اور تسکین خاطر سے بڑھ کر کوئی چیز نہ تھی جیسے کہ اعراب کو دیکھتے ہو کہ مقصود کلام باہمی سمجھ لیتے اور تصریح اور کنایہ اور اشارہ سے اُن کے دلوں کو ایسی طرح تسکین ہو جاتی ہے کہ اُن کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ حاصل یہ کہ عہد مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ختم ہو چکا اور وہ لوگ اسی حال پر قائم رہے۔ پھر وہ لوگ شہروں میں منتشر ہوئے اور اُن میں سے ہر ایک شخص ایک طرف کا پیشوا ہو گیا۔ اور بہت سے معاملات و مسائل واقع ہوئے جن میں اُن سے فتویٰ پوچھا گیا۔ ہر ایک نے مطابق اپنی یادداشت یا استنباط کے جواب دیا اور اگر اپنی یادداشت و استنباط میں ایسی بات نہ پائی جو قابل جواب ہو تو اس صورت میں اپنی رائے سے اجتہاد کیا اور اُس علّت کو معلوم کیا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صریح ارشادوں میں حکم دائر کیا تھا اور آنحضرت کی غرض کے موافق ہونے میں کچھ کوتاہی نہیں کی۔ اُس وقت اُن لوگوں میں کئی طرح پر اختلاف ہو گیا۔

اولاً یوں کہ ایک صحابی نے کوئی حکم کسی معاملہ یا استفتا میں سُنا اور دوسرے نے وہ حکم نہیں سُنا اُس نے اُس باب میں اپنی رائے سے اجتہاد کیا۔ اور یہ بھی کئی طور پر ہوا +

اوّل اس طرح کہ اُس کا اجتہاد موافق حدیث کے ہوا اُس کی مثال یہ ہے کہ نسائی وغیرہ نے روایت کیا کہ ابن مسعود سے اُس عورت کا حال پوچھا گیا جس کا شوہر مر گیا اور اُس کا مہر مقرر نہیں کیا تھا۔ ابن مسعود نے کہا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس معاملہ میں حکم دیتے نہیں دیکھا۔ لوگ ابن مسعود کے گرد مہینہ بھر پھرا کئے۔ اور جواب مسئلہ کے لئے اصرار کیا۔ تب اُنہوں نے اپنی رائے سے اجتہاد کر کے حکم کیا کہ اُس عورت کو مہر مثل بلا کم و بیش چاہئے۔ اور اُس کا عدت میں بیٹھنا ضروری ہے۔ اور وہ شوہر کے مال سے میراث کی مستحق ہے معقل بن یسار کھڑے ہوئے اور اُنہوں نے گواہی دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا ہی

حکم ہمارے قبیلے کی ایک عورت یعنی سماۃ بروع بنت واشق کے حق میں فرمایا تھا۔ اس بات کے سُننے سے ابن مسعود ایسے خوش ہوئے کہ مسلمان ہونے کے بعد کبھی ایسے خوش نہوے تھے ٭

دوم اس طرح کہ دو شخصوں میں مناظرہ ہوا۔ اور حدیث ایسی طرح ظاہر ہوئی جس سے غلبہ ظن ہو گیا اور مجتہد نے اپنے پہلے اجتہاد سے رجوع کر کے حدیث کو اختیار کیا۔ اُس کی مثال یہ ہے کہ مذہب ابوہریرہ کا یہ تھا کہ جو شخص صبح تک حالت جنابت میں رہے تو اُس کا روزہ نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ بعض ازواج پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو اُن کے مذہب کے خلاف حدیث سُنائی چنانچہ اُنھوں نے حدیث سُن کر اپنے مذہب کو چھوڑ دیا اور اِس حدیث پر عمل کیا ٭

تیسرے اس طرح کہ مجتہد کو حدیث پہنچی لیکن نہ اس طرح کہ اس سے ظن غالب پیدا ہو لہٰذا مجتہد نے اپنا اجتہاد نہ چھوڑا بلکہ حدیث میں طعن کیا۔ اُس کی مثال یہ ہے کہ فاطمہ بنت قیس نے عمر فاروق کی خدمت میں گواہی دی کہ مجھ کو تین طلاقیں دی گئی تھیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ مجھے نفقہ دلوایا نہ رہنے کا مکان۔ حضرت عمر فاروق نے اُس کی گواہی کو نہ مانا اور فرمایا کہ ہم قرآن کو نہیں چھوڑ سکتے ایک ایسی عورت کے کہنے سے جس کی نسبت ہم نہیں جانتے کہ اُس نے سچ کہا یا جھوٹ بولا۔ تین طلاقوں والی عورت کو نفقہ بھی ہے اور رہنے کا مکان بھی ٭

چوتھے اس طرح کہ حدیث مجتہد کو مطلق نہ پہنچی۔ اُس کی مثال یہ ہے کہ ابن عمر عورتوں کو حکم کرتے تھے کہ جب نہائیں اپنے سر کے بال کھول ڈالیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے یہ بات سُنکر کہا کہ ابن عمر سے تعجب ہے کہ وہ عورتوں کو سر کھولنے کا حکم دیتے ہیں یہ کیوں نہیں کہتے کہ عورتیں اپنا سر منڈوا ڈالیں۔ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک برتن سے نہاتے

تھے۔ بس اس سے زیادہ کچھ نہ کرتی کہ اپنے سر پر تین بار پانی بہا لیتی یعنی بدون سر کھولنے کے ۔

دوسری طرح اختلاف کی یہ ہے کہ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی فعل کرتے دیکھا تو بعض صحابہ نے اُس فعل کو عبادت پر محمول کیا اور بعض نے اباحت پر۔ اسکی مثال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابطح میں اُترے تو ابوہریرہ اور ابن عمر نے سمجھا کہ یہ اُترنا بوجہ عبادت تھا اور اس لئے اُس کو حج کی سنتوں میں داخل کیا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ابن عباس کی یہ رائے ہوئی کہ آپ کا یہ اُترنا اتفاقیہ امر تھا سُنّت حج نہیں ۔

تیسری طرح اختلاف کی اختلاف وہم ہے اُس کی مثال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کیا اور لوگوں نے آپ کو دیکھا تو کسی نے یہ بیان کیا کہ آپ متمتع تھے اور کسی نے کہا کہ قارن تھے اور کسی نے کہا کہ مفرد تھے ۔

چوتھی طرح اختلاف کی اختلاف سہو ونسیان ہے۔ اُس کی مثال یہ ہے کہ ابن عمر کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عمرہ رجب میں کیا ہے۔ اس حال کو عائشہ صدیقہ نے سُنا اور ابن عمر پر بھول جانے کا حکم لگایا ۔

پانچویں طرح اختلاف کی اختلاف ضبط ہے یعنی حدیث کو وجہ اصلی پر قائم نہ رکھنا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ابن عمر نے آنحضرت سے روایت کیا کہ میّت کو اُس کے گھر والوں کے رونے کے باعث عذاب ہوتا ہے۔ عائشہ صدیقہ نے ابن عمر کی نسبت حکم لگایا کہ اُنھوں نے حدیث کو اصلی وجہ پر ضبط نہیں کیا اصل اس طرح ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک یہودیہ کی قبر پر گذرے اور اُس کے گھر والے اُس پر روتے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ اُس پر روتے ہیں اور اُس کو قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔ ابن عمر نے رونے کو عذاب کی علت سمجھا

اور ہر مرد کے حق میں حکم کو عام خیال کر لیا ❊

چھٹی طرح اختلاف کی اختلاف علت ہے یعنی صحابہ کا حکم کی علت میں مختلف ہونا۔ اس کی مثال آنحضرت کا جنازہ کے لئے کھڑا ہو جانا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ قیام فرشتوں کی تعظیم کے لئے تھا۔ اس صورت میں یہ حکم جنازہ مومن اور کافر دونو کے لئے عام ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ قیام موت کے خوف کی وجہ سے تھا اس صورت میں بھی دونو کو عام ہے۔ اور بعض نے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کھڑا ہونا اس لئے تھا کہ آپ نے اس کا اپنے سر سے اونچا ہونا مکروہ سمجھا اس صورت میں قیام خاص جنازہ کافر کے لئے ہے ❊

ساتویں طرح اختلاف کی یہ ہے کہ دو مختلف احکام کی مطابقت میں صحابہ کا اختلاف ہوا اس کی مثال یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے استنجا کرتے وقت قبلہ رخ ہونے سے منع فرمایا تو بعض لوگوں کا مذہب یہ ہے کہ یہ حکم عام ہے مگر جابر نے آنحضرت صلعم کو ایک سال پیشتر آپ کی وفات سے قبلہ رو ہو کر پیشاب کرتے دیکھا۔ تو یہ تجویز کیا کہ یہ فعل پہلی ممانعت کا ناسخ ہے۔ اور بعض لوگوں نے دونو روایتوں میں مطابقت کی۔ چنانچہ شعبی وغیرہ نے یہ قرار دیا کہ ممانعت خاص جنگل میں ہے اور جب آدمی مکانوں کے پاخانوں میں ہو تو قبلہ کو رخ اور پشت کرنا مضائقہ نہیں۔ اور بعض لوگوں کی یہ رائے ٹھہری کہ حکم در بارہ نہی عام اور محکم ہے اور آپ کا فعل ممکن ہے کہ آپ کی ذات سے مخصوص ہو پس یہ فعل نہ حکم قولی کا ناسخ ہو سکتا ہے نہ مخصص۔ حاصل یہ ہے کہ مذاہب اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختلف ہوئے اور ان سے تابعیوں نے اسی طرح حاصل کئے۔ ہر ایک کو جو میسر ہوا اسی کو اختیار کیا۔ اور جو کچھ حدیث حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اور مذاہب صحابہ میں سے سنا اسی کو یاد کیا اور سمجھا اور مختلف باتوں میں جس طرح اس سے بن سکا مطابقت کی ❊

اُس وقت میں علماء تابعین سے ہر عالم کا مذہب علیحدہ ہوگیا اور ہر شہر میں ایک امام قائم ہوا۔ مثلاً سعید بن مسیّب اور سالم بن عبداللہ بن عمر۔ اور دونو کے بعد زہری اور قاضی یحیٰی بن سعید اور ربیع بن عبدالرحمن مدینہ منورہ میں امام ہوے۔ اور عطا بن ابی رباح مکہ معظمہ میں۔ اور ابراہیم نخعی اور شعبی کوفہ میں۔ اور حسن بصری بصرہ میں۔ اور طاؤس بن کیسان یمن میں۔ اور مکحول شام میں۔ غرضکہ زمانہ تابعین میں فقہ کا مدار انہیں اماموں پر تھا سعید بن مسیب اور اُنکے شاگردوں کا یہ مذہب تھا کہ مکے اور مدینے والے فقہ میں سب آدمیوں سے بڑھکر ہیں۔ اور اصل اُن کے مذہب کے فتاوے عمر فاروق رضہ اور عثمان غنی رضہ اور فتاوی عبداللہ ابن عمر اور عائشہ صدیقہ رضہ اور ابن عباس۔ اور فیصلہ جات مدینے کے قاضیوں کے ہیں۔ ابراہیم نخعی اور اُن کے شاگردوں کا یہ اعتقاد تھا کہ عبداللہ ابن مسعود اور اُن کے شاگرد فقہ میں سب سے بڑھکر ہیں۔ اور اُن کے مذہب کی اصل فتاوی عبداللہ ابن مسعود اور فتاوی علی مرتضی کرم اللہ وجہ اور قاضی شُریح اور دیگر قاضیان کوفہ کے ہیں۔ سعید بن مسیّب فقہاے مدینہ کی زبان تھے اور فیصلہ جات عمر فاروق رضہ اور حدیث ابوہریرہ کے زیادہ حافظ تھے۔ اور ابراہیم فقہاے کوفہ میں سب سے بڑھکر تھے۔

زمانۂ تابعین کے بعد علما کا ایک گروہ پیدا ہوا اُنھوں نے تابعین سے کیفیت وضو اور غسل اور نماز اور حج اور نکاح اور خرید و فروخت کی اور تمام چیزیں جو اکثر واقع ہوتی ہیں سیکھیں۔ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث روایت کی۔ اور شہروں کے قاضیوں کے فیصلے اور اُن کے مفتیوں کے فتاوی سنے اور مسائل کو دریافت کیا اور ان سب باتوں میں اجتہاد کیا۔ یہ لوگ بھی اپنے استادوں کے ڈھنگ پر چلے۔ خود حکم اور فتوے دیئے اور روائتیں بیان کیں۔ اور لوگوں کو سکھلایا۔ اس طبقہ کے علماء کے فعل کا خلاصہ یہ تھا کہ حدیث رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسند اور مرسل دونو سے تمسک کیا جائے۔ اور صحابہ اور تابعین کے

اقوال سے دلیل بیان کی جائے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ اقوال یا حدیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہیں جن کو مختصر کر کے موقوف بنا لیا ہے ۔ یا یہ جانتے تھے کہ اقوال صحابہ اور تابعین کے حکم منصوص سے خود اُن کے استنباط ہیں یا اُن کی رایوں سے بطور اجتہاد کے ہیں اور صحابہ اور تابعین ان سب باتوں میں بہرحال آیندہ زمانہ کے لوگوں سے بہتر ہیں ۔ اور علم میں سب سے بڑھکر ہیں اور جس صورت میں کہ احادیث کسی مسئلہ میں مختلف ہوتیں تو علما مذکورہ اقوال صحابہ کی طرف رجوع کرتے ۔ اگر صحابہ بعض حدیث کے قائل ہوے یا اُنھوں نے حدیث کو ظاہری معنی سے پھیر دیا یا تاویل کی یا اُس پر کسی وجہ سے عمل نہ کیا تو علماے مذکور نے صحابہ کا اتباع کیا ۔ اور نیز خلاصہ اُن کے فعل کا یہ تھا کہ جب مذاہب صحابہ اور تابعین کے مسئلے میں مختلف ہوں تو ہر عالم کے نزدیک اپنے اہل شہر اور استادوں کا مذہب مختار ٹھہرتا تھا ۔

تبع تابعین کے زمانہ میں حدیث و فقہ کی تعلیم و تعلم کی صورت تو وہی تھی جو تابعین کی تھی لیکن اُس وقت میں بسبب کثرت مسلمانوں کے اور شروع ہو جانے جھگڑے اور فساد کے اور جاہل ہو جانے خلفاے وقت کے ۔ اور شائع ہونے جھوٹ و افترا کے ۔ اور واقع ہونے اختلاف کے ۔ خدا تعالیٰ نے لوگوں کو مسائل کے جمع کرنے اور اصول و قواعد کے منضبط کرنے اور ارکان اور آداب اور عبادات کی تشریح کرنے اور اجتہاد اور استنباط اور استخراج کے قاعدے ترتیب دینے پر راغب کیا اور اُس وقت کے پاک اور مقدس لوگوں کو حدیث اور فقہ کی تدوین کا شوق دیا ۔ چنانچہ دوسری صدی کے اوسط سے جس شہر میں جو نامی فقیہ اور مجتہد عالم تھا اُس نے حدیث کی تالیف اور فقہ کی تدوین پر کمر باندھی اور مسائل کا جمع کرنا شروع کیا ۔ چنانچہ مکے میں ابن جریج اور ابن عیینہ نے ۔ اور مدینے میں امام مالک اور محمد بن عبدالرحمن بن ابی ذئب نے اور کوفہ میں ثوری نے ۔ اور بصرہ میں ربیع بن صبیح نے ۔ اول اول حدیث میں تالیف اور

امام ابوحنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما وغیرہ نے فقہ کی تدوین شروع کی ؂

سب سے پہلے حنفی مذہب کی بنیاد پڑی اس لئے کہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کو خدا تعالی نے اجتہاد اور استنباط مسائل اور استخراج فروعات کی ایک خاص قسم کی استعداد دی تھی اور وہ زہد و ورع میں بھی کامل تھے - پس اُنہوں نے اپنے شہر کے امام و فقیہ ابراہیم نخعی کی احادیث اور اقوال و روایات پر اپنے مذہب کی بنا قائم کی اور اُنہیں کے اصول پر جزئیات مسائل کا استخراج کرنا شروع کیا - چنانچہ یہ امر اُس شخص پہ بخوبی ظاہر ہے جس نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الآثار اور جامع عبدالرزاق اور مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ کو دیکھا ہے اور پھر ابراہیم نخعی کے اقوال کو امام ابوحنیفہؒ کے مذہب سے ملایا ہے - غرضیکہ امام ابوحنیفہؒ ابراہیم نخعی کے مذہب پر جمے ہوے ہیں - اور وہ اُن کی مخالفت کسی مسئلہ میں جائز نہیں رکھتے - اور اگر کسی مسئلہ میں انہیں بہ مجبوری ابراہیم نخعی کا مذہب چھوڑنا بھی پڑتا ہے تاہم وہ فقہاے کوفہ کے مذہب سے باہر قدم نہیں رکھتے - غرض جب امام ابوحنیفہ نے اس طریقیہ پر فقہ کی تدوین شروع کی تب لوگوں نے اُن کی طرف رغبت کی اور اُنکے اصول و فروع کو پسند کرکے اُنہیں سیکھا - اور فقہاے کوفہ نے اُن کے اجتہاد کو قبول کیا اور اُن کے استخراجی مسائل پر عمل کیا - اور جب قاضی ابویوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما سے دو شاگرد اُن کے ہوگئے تب پہلے شاگرد کی امارت اور عہدۂ قضا کے سبب سے اور دوسرے شاگرد کے علم اور تالیف کی برکت سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب سارے عراق اور خراسان اور ماوراءالنہر میں پھیل گیا ؂

حنفی مذہب کے بعد بنیاد مالکی مذہب کی پڑی - کیونکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حدیث اور فقہ اور زہد اور تقوی میں بڑے معروف و مشہور تھے اور اُن کو احادیث نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بہت سی یاد تھیں اور وہ اُس کے ضعف اور قوت سے بھی بخوبی واقف تھے -

چنانچہ نہایت عمدہ اور صحیح اور جامع کتاب مؤطا حدیث میں تالیف کی اور اُس کی قبولیت اعلیٰ درجہ پر پہنچی۔ اور اس وقت کے ہزاروں عالموں نے اس کی سند امام مالک سے حاصل کی۔ پھر جہاں جہاں اُن کے شاگرد اور اصحاب پہنچے اور اُن کی کتاب کو لوگوں نے دیکھا اُن کے مذہب پر عمل کرنا شروع کیا۔ امام مالک کا طریق یہ تھا کہ حدیث مرسل و مسند دونوں پر عمل کرتے تھے اور اُن کے مذہب کا اصلی ماخذ فتاوے عمر فاروق و عبد اللہ بن عمر و عائشہ صدیقہ اور اقوال فقہائے سبعہ تھے۔ امام مالک کا یہ بھی طریق تھا کہ جس حدیث پر اُن کے شیوخ کا عمل نہ تھا اُس حدیث پر خود بھی عمل نہ کرتے اور کبھی حدیث کے خلاف اجماع کا دعویٰ کرتے حالانکہ درحقیقت مسئلہ مختلف فیہ ہوتا۔

غرض امام شافعی سے پیشتر جو فقہ کی کیفیت تھی وہ یہ تھی کہ نہ اُس وقت اُس کے اصول قواعد ایجاد ہوئے تھے اور نہ غلط و صحیح مسائل معلوم کرنے کا کوئی معیار تھا۔ نہ احادیث مختلفہ میں تطبیق دینے اور اُن کے تعارض کے دور کرنے کا کوئی قانون تھا۔ اُس زمانہ کے فقہا عموماً مرسل و منقطع حدیثوں سے استنباط مسائل کرتے تھے اور تعارض کی صورت میں اپنے اطمینان قلب اور فراست طبع سے کسی ایک حدیث کو ترجیح دے کر اُس پر عمل کرتے اور دوسری کو متروک قرار دیتے۔ اکثر ضعیف حدیثوں کے مقابلہ میں صحیح حدیثیں چھوڑ دیتے اور اقوال صحابہ و تابعین کو آڑ پکڑتے۔ رائے مخالف شرع کو قیاس صحیح شرعی سے خلط کرتے اور کبھی اُس کا نام استحسان رکھتے۔ ناسخ و منسوخ۔ مطلق و مقید۔ عام و خاص۔ شرط و وصف وغیرہ امور سے نہ بحث کی جاتی تھی اور نہ ان امور کی طرف اُن کو توجہ تھی۔ اس واسطے اُن کے اجتہاد و استنباط میں اکثر تعارض و تناقض واقع ہوتا اور اُن کے مسائل ایک دوسرے سے نہایت مختلف ہوتے۔ امام شافعی نے حنفی اور مالکی مذہب کے اصول و فروع کو دیکھ کر اور اُن کے

تمام کلیات وجزئیات پر نظر کرکے اُن باتوں کو جو اُن مذہبوں میں ناقص تھیں پورا کیا اور نئی طرز سے اصول وقواعد کو ترتیب دیا۔ سب سے اول اُنھوں نے اصول کی ایک کتاب تالیف کی۔ اور اُس میں احادیث مختلفہ کے باہم تطبیق دینے کے قاعدے بیان کئے اور احادیث مرسل اور منقطع پر بغیر پائے جانے اُس کی شرائط کے استناد کرنے کا التزام ترک کیا۔ امام شافعی نے جن اموریں حنفی اور مالکی مذہب سے اختلاف کیا ہے وہ زیادہ تر یہ تھے :-

اول حدیث مرسل اور منقطع پر استناد نہ کرنا۔ امام شافعی نے حنفی اور مالکی مذہب والوں کو بعض احادیث مرسل اور منقطع پر استناد کرتے دیکھ کر یہ اصول قائم کیا کہ ایسی احادیث پر جب تک اُسکے شرائط پائی نہ جائیں استناد نہ کیا جائے اس لئے کہ طرق حدیث کے جمع کرنے سے یہ امر بخوبی ظاہر ہوگیا کہ بعض مرسل حدیثیں بالکل بے اصل اور بعض مسند کے مخالف ہیں *

دوسرے احادیث مختلفہ میں باہم تطبیق دینے کے اصول قائم کرنا۔ امام شافعی سے پہلے احادیث کی وہ کثرت نہ تھی جو اُن کے زمانہ میں ہوئی۔ اس لئے کہ اُن سے پہلے ہر شہر کے رہنے والے اپنے ہی شہر کے اماموں اور عالموں سے حدیث کو لیتے تھے مگر جب امام شافعی کے زمانہ میں اس علم کی تدوین شروع ہوی اور ایک شہر کے لوگوں نے دوسرے شہروں میں جاکر حدیثیں سکھیں اور متفرق شہروں کے اماموں اور عالموں سے جس قدر حدیثیں اُن کو یاد تھیں سُنیں تو احادیث کی کثرت ہوگئی اور اُن میں اختلاف بھی معلوم ہوا لہٰذا ضرور ہوا کہ اس اختلاف کے رفع کرنے اور احادیث مختلفہ میں باہم تطبیق دینے کے قاعدے مقرر کئے جائیں چنانچہ خاص اسی غرض سے امام شافعی نے ایک اصول کی کتاب تالیف کی اور اُس میں احادیث مختلفہ کے تعارض دور کرنے کے قواعد بیان کئے *

تیسرے احادیث صحیحہ کے ترک کرنے سے پرہیز کرنا۔ پہلے لوگوں نے جن جن علماء

اور اماموں سے فقہ کو حاصل کیا تھا اور جن کے اقوال پر اپنے مذہب کی بنا قائم کی تھی اُن کو اُس وقت تک بعض احادیث صحیحہ نہیں پہنچی تھیں اور اُن کو بسبب نہ معلوم ہونے اُن احادیث صحیحہ کے جن سے مسائل تصریح نکلتے تھے قیاس و رائے یا اجتہاد و استنباط سے کام لینا پڑا تھا۔ پس جب امام شافعی نے دیکھا کہ بعض احادیث صحیحہ پر عمل کرنا پہلے لوگوں سے بہ مجبوری رہ گیا ہے تو اُنھوں نے اس امر کو بہ تصریح بیان کیا کہ وقت مل جانے حدیث صحیح کے قیاس کو چھوڑ دینا اور حدیث پر عمل کرنا ضرور ہے اور اُنھوں نے یہ بھی ثابت کیا کہ یہی طریقہ صحابہ اور تابعین کا تھا کہ وہ ہمیشہ احادیث کی جستجو کرتے جب کوئی حدیث نہ ملتی تب بہ مجبوری استدلال اور قیاس یا رائے اور استنباط سے کام لیتے اور بعد میں جب اُن کو حدیث پہنچ جاتی تو وہ اُسی وقت قیاس کو چھوڑ دیتے اور حدیث پر عمل کرنے لگتے ؛

اس بات سے کہ بعض احادیث صحیحہ امام ابو حنیفہ یا مالک کو نہیں پہنچیں اور اس لئے اُنھوں نے بمجبوری اُن احادیث پر عمل نہیں کیا کسی منصف مزاج آدمی کو انکار نہیں ہو سکتا کیونکہ اُس وقت تک احادیث کا وہ مادہ موجود نہیں تھا جو بعد میں امام شافعی کو ملا چنانچہ علامۂ شعرانی لکھتے ہیں کہ ؎

انہ لو عاش حتی دونت احادیث الشریعۃ وبعد رحیل الحفاظ فی جمعھا من البلاد والثغور وظفر بھا لاخذ بھا وترک کل قیاس کان قاسہ وکان القیاس قل فی مذھبہ کما قل فی مذھب غیرہ بالنسبۃ الیہ لکن لما کان ادلۃ الشریعۃ مفرقۃ فی عصرہ مع التابعین و

اگر امام ابو حنیفہ اُس وقت تک زندہ رہتے جس وقت کہ احادیث شریعت کی تدوین ہوئی اور حفاظ کا کوچ حدیثوں کے جمع کرنے میں شہروں اور دروں میں دور تک پہنچا اور وہ حدیثوں پر ظفر پاتے تو ضرور اُن پر عمل کرتے اور ہر ایک قیاس کو چھوڑ دیتے اور

تابع التابعین فی المدائن والقریٰ والثغور کثر القیاس فی مذھبہ بالنسبۃ الی غیرہ من الائمۃ ضرورۃ لعدم وجود النص فی تلک المسائل التی قاس فیھا

اُن کے مذہب میں بھی قیاس ویسا ہی کم ہوتا جیسا اُن کے مذہب کی نسبت دوسروں کے مذہب میں کم ہوا لیکن چونکہ اُن کے زمانہ میں تابعین اور تبع تابعین کے پاس اولہ شریعت شہروں اور قریوں اور دروں میں متفرق تھیں اس لئے اُن کے مذہب میں بہ نسبت اوزائمہ کے قیاس زیادہ ہوا اور اُس کی ضرورت اسی واسطے ہوئی کہ جن مسائل میں اُنہوں نے قیاس کیا اُن میں کوئی نص نہ تھی ۔

چوتھے اقوال صحابہ سے بوجہ مخالفت حدیث استدلال نہ کرنا۔ امام شافعی کے وقت میں صحابہ کے اقوال بھی جمع ہوگئے اور وہ باہم مختلف تھے اور بعض بعض احادیث صحیحہ کے بھی مخالف تھے اس لئے امام شافعی نے بعد پانے حدیث صحیح کے اُن کے اقوال سے تمسک کرنا ترک کیا اور صاف کہدیا کہ ھم رجال ونحن رجال یعنے وہ بھی آدمی تھے اور ہم بھی آدمی ہیں اُن سے بھی غلطی اور سہو ونسیان ممکن ہے پس بعد پانے حدیث صحیح کے اُن کے اجتہاد پر عمل کرنا ضرور نہیں بلکہ اُس کا ترک کرنا اور حدیث پر عمل کرنا لازم ہے ۔

پانچویں رائے خلاف شرع اور قیاس شرعی میں تمیز کرنا۔ امام شافعی کے وقت اکثر لوگ ایسے تھے جو اجتہاد میں رائے کو دخل دیتے اور وہ اُس کو قیاس شرعی سمجھتے اور اُسکا نام استحسان رکھتے حالانکہ قیاس شرعی جو صحابہ اور تابعین میں جاری تھا وہ یہ تھا کہ کسی حکم منصوص سے اُس کی علت نکالنا اور جس میں وہ علت پائی جائے اُس میں اُسی حکم کو قائم کرنا مثلاً قرآن کریم میں شراب کی حرمت کا ذکر ہے نہ کسی اور نشے والی چیز کا تو حرمت شراب کی حکم منصوص ہے اور سکر اُس کی حرمت کی علت ہے پس جس چیز میں علت مذکورہ پائی جائے اُس پر حرمت کا حکم لگانا قیاس شرعی ہے جو صحابہ اور تابعین میں جاری تھا۔ اور رائے یہ ہے کہ اپنی تراشی ہوئی بات کو

حرمت وحلت کی علت قرار دینا مثلاً حرج یا مصلحت عام کو کسی حکم کی علت ٹھہرانا پس ایسے قیاس کو جو کہ درحقیقت رائے ہے نہ قیاس شرعی امام شافعی رح نے ترک کیا اور صاف کہدیا کہ من استحسن فانہ اراد ان یکون شارعا یعنے جس نے قیاس استحسان کیا اُس نے گویا صاحب شرع یعنے پیغمبر بننے کا قصد کیا +

غرض امام شافعی نے ان چند امور میں پہلے ائمہ سے اختلاف کیا اور درمیانی واسطے اور ذریعے چھوڑ کر اصل ماخذ سے فقہ کو لیا اور مدار اپنے مذہب کا صرف کتاب وسنت ہی پر رکھا اور کسی خاص قوم کے فقیہ اور مجتہد یا کسی معین شہر کے عالموں کے اقوال واصول پر اپنے اجتہاد کی بنا قائم نہ کی اس بات پر اہل تواریخ اور جمیع علمار متقدمین ومتاخرین اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ سب سے اول جس شخص نے فقہ کے اصول ایجاد کئے اور اُس کے ابواب وفصول کو ترتیب دیا اور اُس کے جدا جدا اقسام اور مراتب کو بیان کیا۔ قرآن۔ حدیث۔ اجماع۔ قیاس سے استدلال کی شرطیں قائم کیں۔ ناسخ منسوخ۔ مطلق مقید۔ عام خاص وغیرہ کی بحثیں مقرر کیں قیاس واستدلال کی ضعف وقوت کے لحاظ سے تقسیم کی وہ امام شافعیؒ ہیں + اگر ارسطاطالیس کو علم منطق کے اور خلیل بن احمد کو علم عروض کے ایجاد کرنے کا فخر حاصل ہے تو بے شک امام شافعی کو اصول فقہ کی ایجاد پر ناز ہو سکتا ہے۔ جس طرح ارسطاطالیس سے پہلے علم استدلال اور خلیل بن احمد سے پہلے شعر گوئی کی بُنیاد اصول وقواعد پر نہ تھی اسی طرح سے امام شافعی سے پیشتر علم فقہ بھی اصول اور قواعد پر مبنی نہ تھا اور اُس وقت تک لفظ فقہ کا اطلاق فن کی حیثیت سے نہیں تھا بلکہ فقہ سے مراد صرف اُس کے لغوی معنی ہوتے تھے۔ وہ علم جس کو ہم فقہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور جو ایک مستقل منتظم بالشان فن بن گیا ہے اُسکے موجد امام شافعیؒ ہیں +

امام شافعی نے جو اصول مقرر کئے ہیں۔ اور جن کو بڑے بڑے فقہا ومحدثین نے اپنے

اجتہاد میں استعمال کیا ہے اُن میں بڑی نمایاں بات بطور خصوصیت یہ تھی کہ قرآن مجید و حدیث کو اس اعلیٰ رُتبہ پر جگہ دی گئی جو ائمہ دین سے ملنی چاہئے تھی *

(۱) اُن کا سب سے اول اصول یہ تھا کہ دین میں اصل قرآن و حدیث ہے اور وہ دونو نہوں تو پھر قیاس جو مطابق قرآن مجید و حدیث کے ہو *

(۲) دوسرا اصول یہ تھا کہ جب حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متصل ہو اور اُس کی اسناد بھی آپ سے صحیح طور پر ثابت ہو تو وہ سنت ہے *

(۳) اجماع خبر مفرد سے بڑھ کر ہے *

(۴) حدیث ہمیشہ اپنے ظاہر معنے پر محمول ہونی چاہئے۔ اور جب اُس میں چند معنی کا احتمال ہو تو اُن میں جو معنی ظاہر حدیث کے زیادہ مشابہ ہوں تو وہ معنی سب معنی سے اولے ہیں *

(۵) جب چند حدیثیں ایک رتبہ کی آپس میں متعارض ہوں تو جس کی اسناد زیادہ صحیح ہو وہ اُن میں اولیٰ ہے *

(۶) حدیث منقطع سوا منقطع ابن مسیب کے کوئی چیز نہیں *

(۷) ایک اصل کو دوسری اصل پر قیاس نہ کیا جائے اور اصل میں یہ بات نہ کہی جائے کہ کس وجہ سے اور کیونکر ہے بلکہ فرع میں کہنا چاہئے کہ کیوں ہے اور جب فرع کا قیاس اصل پر درست ہو تو وہ فرع صحیح ہے اور اُس سے حجّت ہو سکتی ہے *

(۸) خاص سبب نزول حکم نص سے خارج نہیں ہو سکتا یعنی نص کا حکم خاص اُس واقعہ اور محل کو ضرور شامل ہوگا جس میں نص وارد ہوی ہے اگرچہ عموم الفاظ کے لحاظ سے غیر سبب نزول بھی حکم نص میں داخل ہو سکتا ہے مگر سبب نزول حکم نص سے کسی طرح خارج نہیں کیا جا سکتا۔

اِس اہم اور ضروری اصول کے قائم نہ ہونے سے بڑے بڑے ائمہ دین نے ٹھوکر کھائی یہاں تک کہ امام ابوحنیفہ کے بعض مسائل نصوص صریحہ کے مخالف واقع ہوئے۔ مثال کے طور پر ہم تین مسئلے یہاں بیان کرتے ہیں*

پہلا مسئلہ بخاری نے روایت کی ہے کہ عبد بن زمعہ اور سعد بن ابی وقاص نے زمعہ کی باندی کے لڑکے کے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں جھگڑا کیا۔ سعد نے کہا کہ یا رسول اللہ میرے بھائی نے مجھے اِس امر کی وصیت کی تھی کہ جب تو مکہ جائے اور زمعہ کی باندی کے لڑکے کو دیکھے تو اُسے لے لینا کیونکہ وہ میرا بیٹا ہے۔ اور عبد بن زمعہ نے کہا کہ وہ میرا بھائی ہے اور میرے باپ کی باندی کا بیٹا ہے۔ میرے باپ کے فراش پر پیدا ہوا ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس لڑکے کی صورت میں عتبہ کی مشابہت پائی۔ پھر فرمایا کہ یہ لڑکا تیرا ہے۔ اے عبد بن زمعہ لڑکا صاحب فراش کا ہوتا ہے۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اے سودہ اِس لڑکے سے پردہ کر*

> ان عبد بن زمعة وسعد بن ابی وقاص اختصما الی النبی صلی الله علیہ وآلہ وسلم فی ابن امة زمعة فقال سعد یا رسول الله اوصانی اخی اذا قدمت ان انظر ابن امة زمعة فاقبضه فانه ابنی وقال عبد بن زمعة اخی وابن امة ابی ولد علی فراش ابی فرای النبی صلی الله علیہ وسلم شبها بینا بعتبة فقال هو لك یا عبد بن زمعة الولد للفراش واحتجبی منه یا سودة۔

جملہ الولد للفراش میں مجتہدین کا اختلاف ہے امام ابوحنیفہ رح کہتے ہیں کہ مراد فراش سے فراش حرہ ہے۔ امام شافعی فراش کو عام کہتے ہیں جو فراش حرہ اور امہ دونوں کو شامل ہے۔ نتیجہ اِس اختلاف کا یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی باندی سے وطی کی اور پھر اُس کو اُس مکان سے کہیں جانے نہ دیا۔ پھر اُس باندی کے چھ مہینے پیچھے لڑکا پیدا ہوا تو امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک

اگر وطی کرنے والا اُس لڑکے کا دعویٰ نہ کرے تو صرف اقرار وطی سے اُس لڑکے کا نسب اُس شخص سے ثابت نہ ہوگا۔ لیکن امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ اگر اُس شخص نے وطی کا اقرار کیا تو اُس اقرار سے اُس لڑکے کا نسب ضرور ثابت ہو سکے گا۔ خواہ وہ شخص لڑکے کا دعویٰ کرے یا نہ کرے۔

چونکہ محل نزول اس جملے کا خاص فراش امہ ہی ہے اور فراش حرہ کا حکم صرف عموم الفاظ الولد للفراش سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ عبد بن زمعہ اور سعد بن ابی وقاص نے باندی ہی کے فراش میں جھگڑا کیا تھا اور اُسی کے فیصلہ میں آنحضرت نے یہ حکم دیا کہ لڑکا صاحب فراش کا ہوتا ہے اس لئے امام شافعیؒ کا یہ قرار دینا نہایت صحیح ہے کہ چونکہ شان نزول کسی طرح حکم نص سے خارج نہیں ہو سکتا لہذا یہ حدیث فراش امہ کو ضرور شامل ہوگی۔ امام ابو حنیفہؒ نے چونکہ اس اصول کا لحاظ نہیں کیا اس لئے وہ فراش امہ کو باوجود ورود نص کے حکم سے خارج کرتے ہیں[1] جو نہایت تعجب کی بات ہے۔

[1] ابو معین نسفی نے امام ابو حنیفہ پر سے اس الزام کے دور کرنے میں بڑی کوشش کی ہے اور حدیث مذکورہ کی ایسی رکیک تاویلات کی ہیں جن کے دیکھنے سے کسی سمجھدار آدمی کے دل میں ہرگز اُن کے علم اور کمال کی وقعت نہیں رہ سکتی۔

پہلی تاویل اُن کی یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جو عبد اللہ بن زمعہ کو فرمایا کہ ھولک یا عبد بن زمعہ یعنی وہ لڑکا تیرا ہے اے عبد بن زمعہ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اے عبد بن زمعہ وہ لڑکا تیری ملک ہے۔ اور لک میں لام لام تملیک ہے جس طرح ہذا الدار لک کے ظاہر معنی یہی ہیں کہ یہ مکان تیری ملک ہے پس اس صورت میں حدیث مذکورہ بالکل امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کے مطابق ہے اور اُلٹی امام شافعی پر حجت ہے اور اس معنی کی صحت پر دلیل یہ ہے کہ آپ نے اُس لڑکے سے سودہ کو پردہ کا حکم دیا پس اگر آپ کے قول ہولک کے یہ معنی ہوتے کہ وہ لڑکا زمعہ کا بیٹا ہے تو اس صورت میں تو وہ سودہ کا بھائی تھا پھر اُس سے پردہ کے کیا معنی۔

یہ امر بھی کچھ کم تعجب انگیز نہیں ہے کہ امام ابو حنیفہ صرف اسی حدیث کی بنا پر ایسے محل میں تو نسب ثابت کرتے ہیں جہاں اُس کے منتفی ہونے کا کامل ثبوت ہے اور نہ اُس میں کوئی نص وارد ہوئی ہے مگر ایسے محل میں وہ نسب ثابت کرنے سے انکار کرتے ہیں جہاں اُس کے ثبوت میں ذرہ بھر بھی گنجائش انکار نہیں مثلاً اگر کسی شخص نے حرہ عورت سے نکاح کیا پھر مجلس عقد ہی میں بغیر عورت کو ہاتھ لگائے قاضی اور گواہوں کے روبرو طلاق دیدی پھر اُس عورت کے نکاح سے چھ مہینے

دوسری تاویل ابو معین کی یہ ہے کہ ابن زمعہ نے آنحضرت کے سامنے اس بات کا اقرار کیا کہ وہ لڑکا میرے باپ کے فراش پر پیدا ہوا ہے اور فراش امر ہمارے نزدیک بغیر دعوی فراش ہی نہیں ہوتا پس جب ابن زمعہ نے اس بات کا اقرار کیا کہ وہ لڑکا میرے باپ کے فراش پر پیدا ہوا ہے تو گویا اُس نے اس بات کا بھی اقرار کیا کہ میرے باپ نے اُس کا دعوی کیا ہے اور اس صورت میں ثبوت نسب میں ہمیں کلام ہی نہیں *

تیسری تاویل ابو معین کی یہ ہے کہ ابو یوسف نے امالی میں روایت کیا ہے کہ عبد بن زمعہ نے آنحضرت سے یہ بھی کہا کہ میرے باپ نے اُس لڑکے کا دعوی کیا ہے اور اس صورت میں بھی ثبوت نسب میں کلام نہیں۔

اگرچہ ابو معین کی تاویلات ایکدوسری سے ایسی متعارض و متناقض ہیں کہ ان کے جواب کی مطلقاً ضرورت نہیں کیونکہ وہ خود ایک دوسرے کو رد کرتی ہیں مگر پھر بھی ہم ان تاویلات باطلہ کا فساد ظاہر کرتے ہیں *

ابو معین کی پہلی تاویل کہ ہولک میں لام لام تملیک ہے چند وجہ سے باطل ہے اولاً یہ کہ لام زبان عرب میں صرف اختصاص کے لئے موضوع ہے نہ تملیک کے۔ اہل عرب اپنے محاورہ میں بولتے ہیں لا ابا لک یعنی تیرے لئے باپ نہو جیو۔ ظاہر ہے کہ مراد اس کلام سے نفی اختصاص ابوت ہے نہ نفی ملک کیونکہ باپ کا کوئی مالک نہیں ہو سکتا پس اسی طرح آنحضرت کے قول ہولک کے صرف یہی معنی ہیں کہ اسے عبد بن زمعہ وہ لڑکا تجھ سے مختص ہے نہ سعد کے ثانیاً متخاصمین سے کسی شخص نے اُس لڑکے کے باب میں ملک کا دعوی نہیں کیا تھا بلکہ سعد کہتا تھا کہ وہ لڑکا میرا بھتیجا ہے اور عبد کہتا تھا کہ میرا بھائی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جواب کے لئے مطابقت سوال ضروری ہے۔

بعد لڑکا پیدا ہوا تو اس صورت میں باوجودیکہ اس بات کا پورا یقین ہے کہ وہ لڑکا نکاح کرنیوالے کا نہیں مگر بااین ہمہ امام ابو حنیفہ محض بر دستی اُس کا نسب ثابت کرتے ہیں لیکن اگر کسی شخص نے باندی خرید کی پھر اُس سے وطی کی اور اُس کو گھر میں محبوس رکھا۔ پھر چھ مہینے بعد اُسکے لڑکا پیدا ہوا تو اس صورت میں باوجود علم اور یقین اس بات کے کہ وہ لڑکا صاحب فراش کا ہے امام ابو حنیفہ نسب ثابت نہیں کرتے حال آنکہ جس حدیث کی بناء پر وہ فراش حرہ میں نسب

پس اگر آنحضرت کے قول ہولک کے یہ معنی لئے جائیں کہ وہ لڑکا تیری ملک ہے تو یہ بالکل وہی بات ہے سوال از آسماں جواب از ریسماں ثالثاً بخاری کی روایت میں آیا ہے واشرکہ فی میراثہ یعنی آنحضرتؐ نے اُس لڑکے کو میراث میں عبد کے ساتھ شریک کیا یہ روایت ابطال مملوکیت پر صریح دال ہے رابعاً جو روایت ابو یوسف سے نقل کی گئی ہے کہ اقربہ ابی یعنے اُس لڑکے کا میرے باپ نے اقرار کیا ہے اس امر پر صریح دلالت کرتی ہے کہ ہولک سے مراد اثبات مملوکیت نہیں ورنہ لازم آتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اقرار کی صورت میں بھی نسب ثابت نہ ہو رہا احتجاب سودہ کا عذر سو وہ بھی بدتر از گناہ ہے کیونکہ ابو یوسفؒ کی روایت اثبات اخوۃ میں نص صریح ہے پس جو جواب اس کا حنفیہ امام ابو حنیفہؒ کی طرف سے دیں وہی امام شافعی کی طرف سے تصور کریں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس لڑکے اور عبد میں اخوت کا حکم صادر فرما کر جب آپ نے اُس لڑکے میں ابو الوقاص کی اولاد سے مشابہت پائی تو احتیاطاً سودہ کو پردہ کا حکم دیا ہوگا ۔

دوسری دلیل ابو معین کی کہ فراش امر بغیر دعوے کے فراش ہی نہیں ہوتا محض بے دلیل بات ہے لغت میں لفظ فراش دعوت کے لئے موضوع نہیں پس دعوت کو لفظ فراش کے مفہوم میں داخل کرنا لغت میں تصرف کرنا ہے جو کسی عاقل کے نزدیک بھی جائز نہیں ۔ نیز روایت ابو یوسف سے بھی کہ اقربہ ابی یعنے اُس لڑکے کا میرے باپ نے اقرار کیا ہے ۔ اس دعوے کا کافی ابطال ہوتا ہے کیونکہ اگر اقرار لفظ فراش کے مفہوم میں داخل ہوتا تو آگے اقربہ کی قید محض مہمل اور بے فائدہ ہے اس سے صاف

ثابت کرتے ہیں اُس کا شان نزول خاص فراش امہ ہی ہے مگر ان عموم الفاظ میں فراش حرہ بھی داخل ہے ٭

دوسرا مسند عن سھل بن سعد ان رجلا اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال یا رسول اللہ ارایت رجلا رای مع امراتہ رجلا ایقتلہ فتقتلونہ ام کیف یفعل فانزل اللہ فیھما ماذکر فی القرآن من التلاعن فقال لہ رسول اللہ قد قضی فیک وفی امراتک قال فتلاعنا وانا شاھد عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ففارقھا فکانت سنۃ ان یفرق بین المتلاعنین وکانت حاملا فانکر حملھا وکان ابنھا یدعی الیھا ثم جرت السنۃ فی المیراث ان یرثھا وترث منہ ما فرض اللہ لھا ٭

آنحضرت کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اُس نے کہا کہ یا رسول اللہ آپ مجھے ایسے شخص کا حکم بتلایئے جو اپنی عورت کے پاس کسی غیر شخص کو دیکھے - کیا اُس کو قتل کر دے ؟ پھر آپ اُسکو قصاص میں مار ڈالیں - یا وہ شخص کیا کرے ؟ پس اللہ نے اُس کے اور اُس کی زوجہ کے حق میں وہ حکم نازل فرمایا جس کا قرآن میں ذکر ہے یعنی حکم لعان - پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو کہا کہ تیرے اور تیری زوجہ کے حق میں خدا نے حکم نازل فرمایا - سہل کہتے ہیں کہ آپ نے اُن دونوں شوہر و زوجہ میں لعان کرایا اور میں اُس وقت آپ کی خدمت میں حاضر تھا - پھر آپ نے اُن دونوں میں تفریق کی پس یہ سنت جاری ہو گئی

ظاہر ہے کہ لفظ فراش کے مفہوم میں اقرار داخل نہیں ٭

تیسری تاویل ابو معین کی روایت ابو یوسف ہے - مگر اوّلاً روایت ابو یوسف سے صحیح بخاری کو ترجیح ہے - ثانیاً امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا تمسک عموم لفظ الولد للفراش سے ہے اور فراش ہر حالت میں قائم ہے خواہ اُس کے ساتھ اقرار ہو یا نہ ہو ٭

لعان کرنے والوں میں تفریق کی جاتی اور وہ عورت حاملہ تھی اور شوہر کو اُس کے حمل سے انکار تھا اور اُس عورت کا لڑکا اُسی کی طرف یعنی اپنی ماں کی طرف منسوب کیا جاتا تھا پھر میراث میں یہ دستور جاری ہوا کہ لڑکا ماں کا وارث ہو اور ماں اُس لڑکے کی بقدر اُس حصہ کے جو خدا نے اُس کے لئے مقرر فرمایا ہے ؁

اِس حدیث کی بنا پر امام شافعی کہتے ہیں کہ اگرچہ غیر حمل کی صورت میں بھی لعان ہو سکتا ہے مگر چونکہ آیات لعان کا شان نزول خاص حمل ہی ہے اس لئے آیات لعان کا حکم حمل کو ضرور شامل ہوگا اور حاملہ عورت سے لعان جائز ہے - امام ابوحنیفہ نے چونکہ اِس نکتہ پر کافی غور نہیں کیا کہ شان نزول کا حکم نص میں داخل ہونا ضروری ہے اس لئے اُنہوں نے اپنی یہ رائے قائم کی کہ حمل سے لعان صحیح نہیں اور اُس کی وجہ یہ تجویز کی کہ حمل پر کافی یقین نہیں ہو سکتا ممکن ہے کہ وہ ریح ہو اور حمل نہ ہو مگر آنحضرت کا حمل سے لعان کرانا اور اُسی میں آیات لعان کا نازل ہونا ایک ایسا امر ہے جس سے امام ابوحنیفہ جیسے امام کا بے خبر رہنا موجب حیرت ہے ؁

تیسرا مسئلہ امام شافعی کے نزدیک تکبیرات عید الفطر واجب ہیں کیونکہ خدا نے روزوں کے ذکر میں فرمایا ہے ولتکبروا اللہ علی ما ھداکم پس عید الفطر جس میں تکبیرات نازل ہوئی ہیں اُن کے نزدیک حکم تکبیر سے خارج نہیں ہو سکتی اور تکبیرات عید الضحی صرف عموم الفاظ میں داخل ہیں - مگر امام ابوحنیفہ رح تکبیرات عید الفطر کو مکروہ قرار دیتے ہیں حالانکہ نص تکبیر صرف عید الفطر ہی میں نازل ہوئی ہے ؁

دوسرا اصول امام شافعی نے یہ مقرر کیا کہ حدیث خواہ وہ کسی درجہ کی کیوں نہ ہو قرآن کی ناسخ نہیں ہو سکتی ؁

تیسرا اصول امام شافعی نے یہ مقرر کیا کہ قرات شاذہ جو قرات مشہورہ و متواترہ کے

مخالف ہیں قابل عمل نہیں اسی لئے وہ قسم کے کفارہ کے روزوں میں پے درپے ہونے کی شرط نہیں لگاتے کیونکہ خدا نے آیت فمن لم یجد فصیام ثلثۃ ایام میں مطلق تین روزے رکھنے کا حکم فرمایا ہے اور اُس کے ساتھ اور کوئی قید نہیں لگائی بخلاف اس کے امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ کفارہ قسم کے روزوں کا پے درپے رکھنا ضرور ہے اور وہ اس کی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اس آیت میں ابن مسعودؓ نے فصیام ثلثۃ ایام متتابعات پڑھا ہے مگر ابن مسعود کی قرأت سے قراءت متواترہ کے اطلاق کو منسوخ کرنا انصاف سے بعید ہے ❊

(۹) کسی حکم کا کسی وصف خاص یا شرط پر معلق ہونا وقت نہ پائے جانے اُس شرط اور وصف مذکور کے نفی حکم پر دلالت کرتا ہے۔ اس باب میں امام ابوحنیفہ کا یہ مذہب تھا کہ شرط یا وصف کے جاتے رہنے سے حکم نہیں جاتا رہتا۔ اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہے کہ اس آیت میں ومن لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنٰت المؤمنٰت فمن ما ملکت ایمانکم من فتیٰتکم المؤمنٰت یعنے اور جو شخص تم میں سے اِس بات کی مقدرت نہ رکھے کہ نکاح کرے آزاد مومنہ سے تو وہ نکاح کرلے اپنی مومنہ باندیوں سے امام شافعیؒ کے نزدیک اُس شخص کو جو آزاد عورت سے نکاح کرنے کی مقدرت رکھتا ہو باندی سے نکاح کرنا درست نہیں کیونکہ اجازت نکاح امہ کو خدا نے اس شرط کے ساتھ معلق کیا ہے کہ وہ شخص آزاد عورت سے نکاح کرنے کی مقدرت نہ رکھتا ہو۔ اسی طرح امام شافعیؒ کے نزدیک باندی غیر مومنہ سے بھی نکاح صحیح نہیں کیونکہ خدا تعالی نے اس حکم میں وصف ایمان کی بھی قید لگائی ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک باوجود مقدرت رکھنے نکاح آزاد عورت کے باندی سے نکاح درست ہے اور نیز امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک باندی کا مومنہ ہونا ضروری نہیں ❊

(۱۰) اجماع سکوتی قابل حجت نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ بعض صحابہ نے ایک فعل کیا ہو اور

بعض بوجہ خوف کے خاموش رہے ہوں پس بعض صحابہ کا خاموش رہنا اور کسی فعل کا انکار نہ کرنا دلیل اُن کی رضا کی نہیں ہو سکتا۔ اور یہ امر کتب احادیث کے دیکھنے سے بخوبی ظاہر ہے کہ بعض صحابہ خوف کی وجہ سے بعض موقعوں میں خاموش رہے ہیں ؂

(۱۱) حکم مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے مثلاً صدقہ فطر میں دو نص وارد ہوئی ہیں و ادوا عن کل حر و عبد۔ وادوا عن کل حر و عبد من المسلمین۔ پہلی نص میں حکم مطلق ہے کہ صدقہ فطر ہر ایک آزاد اور غلام کی طرف سے دیا جائے۔ اور دوسری میں حر اور غلام کو اسلام کے ساتھ مقید کیا ہے یعنی صدقہ ہر ایک آزاد اور غلام مسلمان کی طرف سے دیا جائے اس لئے امام شافعی کہتے ہیں کہ پہلی نص بھی دوسری پر مقید کرنی چاہئے اور اس میں آزاد اور غلام سے مراد مسلمان آزاد اور غلام ہی لینا چاہئے لہذا غلام کافر پر صدقہ فطر واجب نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صدقہ فطر میں اسلام کی کوئی شرط نہیں لہذا اُن کے نزدیک کافر غلام پر صدقہ فطر واجب ہے لیکن کافر غلام پر صدقہ فطر واجب کرنا حقیقت میں ایک بڑی بھاری غلطی ہے جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی ؂

(۱۲) عام قطعی نہیں اور ایسا کوئی عموم نہیں جس میں کچھ نہ کچھ تخصیص نہ ہوئی ہو۔ اس اصول کی پابندی کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک بقولات وغیرہ ترکاریوں میں عشر واجب نہیں اگرچہ حدیث میں الفاظ ما اخرجت الارض ففیہ العشر وارد ہوئے ہیں لیکن دوسری حدیث میں لیس فی الخضروات صدقۃ نے اُس کے عموم کو باطل کر دیا مگر امام ابوحنیفہ ہر ایک ترکاری میں بھی عشر واجب کرتے ہیں ؂

ان اصول کے علاوہ امام شافعی نے فقہ میں ایک خاص بات یہ ایجاد کی کہ انہوں نے قیاس کی تین قسمیں مقرر کی ہیں اور اس کا انحصار اس طرح پر کیا ہے اگر فرع عند العقل حکم اصل کی

کی بدرجہ اولی مستحق ہے تو اس صورت میں علت حکم کی تلاش کرنی کچھ ضرور نہیں بلکہ اصل کا حکم فرع میں بدرجہ اولی ثابت کیا جائے گا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ قرآن مجید میں باندیوں کی نسبت فرمایا گیا ہے فان اتین بفاحشۃ فعلیھن نصف ما علی المحصنٰت من العذاب یعنی اگر باندیاں زنا کی مرتکب ہوں تو ان کی سزا آزاد عورتوں سے نصف ہے۔ اس آیت سے صرف باندیوں کی حد معلوم ہوتی اور قرآن مجید میں غلاموں کی نسبت اس بارہ میں کوئی حکم نہیں مگر چوں کہ عقل کے نزدیک غلاموں پر بلحاظ اُن کی قوت کے بدرجہ اولی حد قائم کرنی چاہئے اس لئے غلام اس حکم میں بدرجہ اولی داخل ہیں ؂

لیکن اگر فرع حکم اصل کی بدرجہ اولی مستحق نہیں تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اصل سے حکم کی علت معلوم کی جائے اور اس علت کے سبب فرع میں بھی اصل کا حکم جاری کیا جائے مثلاً قرآن میں شراب کی حرمت مذکور ہے نہ کسی اور نشہ والی چیز کی اور سکر اُس کی علت ہے پس جس چیز میں سوا شراب کے نشہ پایا جائے گا اُس میں بھی حرمت کا حکم جاری کیا جائے گا اس قسم کے قیاس کا نام امام شافعی نے قیاس المعنی رکھا ؂

دوسرے یہ کہ مختلف الحکم صورتوں کے درمیان ایک تیسری صورت واقع ہو جسکا حال بتصریح معلوم نہ ہو۔ ایسی حالت میں اُس تیسری صورت کا اُن دونو صورتوں سے مقابلہ کیا جائے پس جس صورت سے اُس کی مشابہت اکثر اور زیادہ ہو اُسی صورت کا حکم اُس میں بھی جاری کیا جائے۔ مثلاً تیمم میں نیت شرط ہے۔ تطہیر ثوب میں نہیں۔ اور وضو ان دونوں قسموں کے درمیان واقع ہے مگر وضو کی مشابہت بہ نسبت تطہیر ثوب کی تیمم سے زیادہ ہے اس لئے کہ وضو اور تیمم ایک ہی مقصد یعنی صحت صلوۃ کے لئے مشروع ہیں بخلاف تطہیر ثوب کے۔ اسی طرح وضو اور تیمم کے توڑنے والی چیزیں بھی ایک ہی ہیں پس وضو کو تیمم کے حکم سے ملانا بہ نسبت تطہیر

ثوب کے اولیٰ ہے اس قسم کے قیاس کا نام امام شافعی نے قیاس الشبہ رکھا - امام فخرالدین رازی نہایت تعجب اور افسوس کے ساتھ لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے باوجودیکہ اپنی تمام عمر قیاس میں صرف کردی اور اُن کے مخالفین اُن پر ہمیشہ مخالفت حدیث اور اتباع قیاس کا الزام لگاتے رہے اور یہ بات مشہور ہے کہ امام جعفر صادقؓ نے اُن پر ابطال قیاس کی بہت سی دلائل پیش کیں مگر باینہمہ امام ابوحنیفہ نے نہ کبھی اپنے مخالفین کا کوئی جواب دیا اور نہ قیاس کے حجت شرعی ہونے پر کوئی دلیل قائم کی اور نہ اس علم میں اُنہوں نے کوئی ورق لکھا بالکہ سب سے اول صحت قیاس کے مسئلہ کو بھی امام شافعی ہی نے ظاہر کیا اور اس علم میں کتابیں لکھیں اور لوگوں کو فائدہ پہنچایا باوجودیکہ غالب اُن پر متابعت حدیث تھی - جس غور و تدبر سے امام شافعی نے اپنے اصول اور قواعد ایجاد کئے ہیں اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ وہ خود لکھتے ہیں کہ میں نے اجماع کے حجت ہونے کی دلیل تلاش کرنے میں تین سو مرتبہ اول سے آخر تک قرآن مجید پڑھا بالآخر اس آیت پر میرا اطمینان ہوگیا ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدیٰ ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولیٰ ونصلہ جہنم وساءت مصیراؕ ٭

کیفیت اجتہاد امام شافعیؒ

علماء حدیث نے مجتہد کے لئے پانچ علوم سے واقف ہونا ضروری قرار دیا ہے اول قرآن اور حدیث متعلق باحکام اور اُن کے اقسام خاص وعام - مجمل و مبین - ناسخ و منسوخ وغیرہ کو پہچانے - دوم حدیث متواتر اور غیر متواتر - متصل اور مرسل اور راویوں کی قوت اور ضعف کا حال جانے - سوم عربی زبان سے لغت اور نحو کے اعتبار سے بخوبی واقف ہو - چہارم اقوال علماء صحابہ اور تابعین سے اجماع اور اختلاف کے لحاظ سے ماہر ہو - پنجم قیاس کی سب قسموں سے

آگاہ ہو۔ پھر یہ مجتہد کبھی مستقل ہوتا ہے اور کبھی منسوب بہ مستقل ؛

مجتہد مستقل وہ ہے کہ اور مجتہدوں سے تین باتوں میں امتیاز رکھتا ہو۔ اوّل یہ کہ اُن اصول و قواعد میں جن سے فقہ کا استنباط ہوتا ہے تصرف کرے۔ چنانچہ امام شافعیؒ نے کتاب اُم کے شروع میں پہلے لوگوں کے استنباطات بیان کئے پھر اُن کی ترمیم کی۔ دوسرے بات مجتہد مستقل کی یہ ہے کہ احادیث و آثار کو جمع کرے اور اُن کے احکام کو بہم پہنچاوے اور اُن میں سے ماخذ فقہ سے واقف ہو۔ اور اُن میں سے مختلف کی تطبیق کرے اور بعض کو بعض پر ترجیح دے۔ اور بعض احتمالات کو معین کرے اور یہ بات ہمارے خیال میں امام شافعی کے دو تہائی علم کے قریب ہے۔ تیسری صفت مجتہد مستقل کی یہ ہے کہ جو مسائل اُس پر ایسے پیش ہوں جن کا جواب پہلے تینوں قرنوں میں نہیں دیا گیا اُن مسائل کی تفریعات نکالے یعنے جواب دے ؛

شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں و مراد از اجتہاد دریں جا نہ مستقل است مثل اجتہاد شافعی کہ در معرفت تعدیل و جرح رجال و معرفت لغت و مثل آن محتاج بشخصے دیگر نبود و ہمچنیں در درآمد مجتہدانہ مسبوق بارشاد کسے نہ ؛

امام شافعی استنباط مسائل میں سب سے اوّل قرآن مجید پر نظر ڈالتے تھے۔ اگر قرآن مجید سے اُن کو کوئی مسئلہ ملجاتا تھا تو پھر کسی حدیث یا قیاس کی طرف وہ بالکل التفات نہیں کرتے تھے۔ جس وقت قرآن میں کوئی مسئلہ نہیں پاتے تھے اُس وقت حدیث اور قیاس کیطرف رجوع کرتے تھے۔ اُن کا طریق استنباط دیگر مجتہدین سے بالکل انوکھا تھا۔ وہ کسی مسئلہ کے اخذ کرنے میں صرف قرآن کی کسی ایک آیت یا ایک لفظ پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ ایک آیت کی تفسیر میں دوسری آیات اور ترتیب خاص اور دیگر قرائن داخلی و خارجی وغیرہ کو بھی ملحوظ

رکھتے تھے۔ حدیث میں راویوں کی کثرت اور فقاہت اور حفظ وغیرہ کے لحاظ سے ایک حدیث کو دوسری حدیث پر ترجیح دیتے تھے۔ ناسخ منسوخ کو نہایت دقیق نظر سے دیکھتے تھے۔ غرض تا امکان بشری وہ ہر پہلو پر نظر ڈالتے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے مسائل اکثر قرآن اور عقل کے مطابق ہیں۔ چنانچہ ہم یہاں پر اُن کے مسائل سے کسی قدر تفصیلی بحث کرنا چاہتے ہیں اور اُن کے اور امام ابوحنیفہ کے استنباط میں جو فرق ہے وہ بھی دکھانا چاہتے ہیں ؛

(۱) امام شافعی کے نزدیک وضو میں نیت شرط ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک نہیں امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ وضو عبادت ہے اور ہر عبادت میں نیت شرط ہے حدیث میں آیا ہے الطھور شطر الایمان یعنے وضو نصف ایمان ہے پس اگر وضو نیت سے خالی ہو تو اُس کا نصف ایمان ہونا صحیح نہیں کیونکہ جس فعل میں قربت مقصود نہیں وہ فعل مقتضائے ایمان نہیں ہو سکتا ورنہ لازم آتا ہے کہ انسان کا ہر فعل ایمان میں داخل ہو نیز اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ وضو بغیر نیت ثواب سے خالی ہے اور یہ امر ممکن نہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کوئی ایسا فعل کیا ہو جس میں ثواب نہ ہو۔ پس اس سے آنحضرت کی مداومت نیت پر ثابت ہوئی اور جس فعل پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مداومت ثابت ہو وہ فعل امت پر واجب ہے۔ قرآن میں اس قسم کی بہت سی آیات موجود ہیں جن ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت کے افعال کا اتباع ضرور ہے۔ خدا تعالی نے خود فرمایا ہے فاتبعوہ یعنی نبی کا اتباع کرو اور ظاہر امر وجوب کی دلیل ہے ؛

امام شافعی کے نزدیک وضو میں ترتیب فرض ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک نہیں امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ خدا تعالی نے آیت وضو میں اعضائے وضو کو ترتیب وار بیان فرمایا ہے اور یہ بات قرآن سے ثابت ہے کہ خدا تعالی نے جس شے کا جس طریق خاص پر

حکم دیا ہے اُسی طریق پر اُسے ادا کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے فاستقم کما اُمرت یعنے اُسی طرح قائم رہ جس طرح تجھے حکم ہوا۔ پس اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وضو کا باترتیب ادا کرنا ضروری ہے۔ نیز اگر ترتیب واجب نہ کی جائے تو نظم قرآن فصاحت سے نکلی جاتی ہے کیونکہ ترتیب صحیح آیت وضو میں دو ہیں شرعی یا عقلی۔ ترتیب شرعی یہ ہے کہ جن اعضاء کے دھونے کا حکم ہے وہ علیحدہ بیان کئے جائیں اور جن اعضاء کے مسح کرنے کا حکم ہے وہ علیحدہ۔ ترتیب عقلی یہ ہے کہ اول سر سے شروع ہو اور پیروں پر ختم ہو۔ مگر آیت میں ان دونوں قسموں سے کسی قسم کی ترتیب نہیں بلکہ اول مُنہ دھونے کا حکم دیا گیا ہے پھر ہاتھوں کے دھونے کا۔ پھر مسح سر کا۔ پھر پاؤں دھونے کا۔ پس اگر ترتیب ملحوظ نہ ہو تو آیت میں کسی قسم کی صحیح ترتیب ہی نہیں رہتی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید کا ہر قسم کی ترتیب صحیح سے خالی ہونا کس قدر اُس کی فصاحت کے مخل ہے۔ گویا معترضین کو یہ کہنا پڑے گا کہ قرآن مجید میں بالا لحاظ ترتیب صحیح اعضاے وضو کو کیف ما اتفق بیان کر دیا ہے۔ مگر جس وقت ترتیب کو فرض قرار دیا جائے اُس کی فصاحت میں کسی قسم کا فرق نہیں آتا۔ کیونکہ ترتیب صحیح شرعی موجود ہے اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر جگہ قرآن کی ترتیب کو ضروری سمجھا ہے اور آپ نے فرمایا ہے کہ نحن نبدا ءبما بدا اللہ بہ یعنے جس چیز سے خدا تعالیٰ نے ابتدا کی اُسی چیز سے ہم ابتدا کرتے ہیں اور اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام امت سے ہمیشہ وضو ترتیب وار ہی ثابت ہے علاوہ ازیں لفظ فاغسلوا وجوھکم میں حرف فا اس بات پر صریح دلالت کرتا ہے کہ سب سے اول منہ دھونا ضروری ہے کیونکہ فا تعقیب کے لئے موضوع ہے۔ جس کے صاف یہ معنی ہوئے کہ جب نماز کے لئے وضو کرنے کا قصد ہو تو اُس کے بعد ہی مُنہ دھو۔ پس ترتیب یقیناً فرض ہے ؎

(۳) امام شافعی کے نزدیک مسح سر میں کوئی مقدار معین نہیں اگر ایک بال یا دو بال کا بھی مسح کر لیا جائے تو کافی ہے۔ امام ابو حنیفہ رضہ کے نزدیک چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے۔ امام شافعی کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے وامسحوا برؤسکم امام شافعی کہتے ہیں کہ وامسحوا برؤسکم میں حرف با تبعیض کے معنی میں ہے کیونکہ اس آیت میں حرف با کے بجز تبعیض کے اور کوئی معنی صحیح نہیں اور اُس کے زائد قرار دینے میں حرف قرآن مہمل ٹھیرتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ حرف قرآن مجید کا کسی فائدہ کو شامل ہونا اولی ہے پس اس آیت میں حرف با کو معنی تبعیض پر محمول کرنا اولی اور انسب ہے۔ اور چونکہ بعض کی آیت میں کوئی مقدار معین نہیں اس لئے جس بعض پر کسی نے مسح کر لیا کافی ہے۔ نیز محاورۂ عرب میں مسحت یدی بالمندیل کے یہی معنی سمجھے جاتے ہیں کہ میں نے رومال کے بعض اجزاء یا بعض حصہ کا اپنے ہاتھ سے مسح کر لیا۔ پس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ اپنے سروں کے بعض حصہ کا مسح کر لو۔

امام ابو حنیفہؒ اپنے مذہب کی بنا مغیرہ بن شعبہ کی اس حدیث پر رکھتے ہیں کہ آنحضرت نے چوتھائی سر کا مسح فرمایا۔ حنفی مذہب کے فقہ کی تمام کتابوں میں اس مسئلہ کے متعلق امام ابو حنیفہؒ کی طرف سے یہی حدیث بطور دلیل پیش کی جاتی ہے اور اس مسئلہ میں آیت قرآنی کو وہ مجمل قرار دیتے ہیں یعنی اُن کی سمجھ میں صاف طور پر اس آیت کا مطلب نہیں آتا۔ ہمیں اس سے کچھ بحث نہیں کہ امام ابو حنیفہؒ نے اس آیت کو کیوں مجمل قرار دیا یہ اُن کا اجتہاد ہے لیکن بحث صرف اس سے ہے کہ جس حدیث سے وہ استدلال کرتے ہیں اُس سے اُن کا مدعا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس حدیث سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ بعض مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے چوتھائی سر کا بھی مسح کیا۔ اس حدیث سے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُس فعل پر مداومت ثابت ہوتی ہے اور نہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کبھی آپ نے

چوتھائی سر سے کم پر مسح نہیں کیا۔ کیونکہ مفہوم مخالف کے امام ابوحنیفہؒ خود بھی قائل نہیں ہیں پھر اس حدیث سے یہ بات کیونکر ثابت ہوسکتی ہے کہ کبھی آپ نے چوتھائی سر سے کم پر مسح نہیں کیا۔ اگر بعض مرتبہ آپ نے چوتھائی سر کا مسح کیا تو اس سے اُس کی فرضیت ثابت نہیں ہوسکتی آپ نے ہزارہا افعال کئے ہیں جو فرض نہیں ہیں۔ بالفرض اگر ہم یہ بھی تسلیم کرلیں کہ آنحضرت نے ہمیشہ چوتھائی سر کا مسح کیا ہے۔ اور اس حدیث سے چوتھائی سر سے کم پر مسح کرنے کی نفی بھی نکلتی ہے تاہم اس حدیث سے چوتھائی سر کے مسح کی فرضیت ثابت نہیں ہوسکتی کیونکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وجوب صرف امر سے ثابت ہوتا ہے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فعل پر مداومت کرنے سے ؛

قطع نظر ان تمام باتوں کے یہ حدیث کئی وجہ سے زیر بحث ہے۔ کیونکہ اولاً یہ حدیث مخالف ہے ظاہر قرآن کے۔ اور حدیث مخالف قرآن باجماع امت قابل عمل نہیں۔ ثانیاً اسی حدیث میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرتؐ نے عمامہ پر بھی مسح کیا ہے اور عمامہ پر مسح کرنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی صحیح نہیں۔ پھر کیونکر ہوسکتا ہے کہ ایک ہی حدیث کے ایک جزو کو قابل عمل اور دوسری جزو کو ناقابل عمل قرار دیا جائے ؟ یہ امر بھی کچھ کم تعجب انگیز نہیں ہے کہ امام ابوحنیفہ رضؓ نے صرف اتنے قول سے تو فرضیت نکال لی کہ آنحضرت نے چوتھائی سر کا مسح کیا ہے اور آپ کے ہمیشہ قراءت فاتحہ پڑھنے پر اُن کو مطلقاً التفات نہیں ہوا !!

(۴) امام شافعی رضؓ کے نزدیک ہر ایک نماز کا اول وقت پر ادا کرنا افضل ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سوائے نماز مغرب کے دیگر اوقات میں تاخیر کو افضل قرار دیتے ہیں۔ امام شافعیؒ کی دلیل اس مسئلہ میں قرآن اور حدیث اور قیاس ہے قرآن مجید میں اس قسم کی آیتیں بکثرت موجود ہیں کہ جمیع احکام الٰہی میں تعجیل موجب ثواب اور باعث رضامندی خدا تعالیٰ ہے

مگر ہم اس جگہ صرف چند آیتوں کو بطور نظیر پیش کرتے ہیں *

(۱) خدا تعالیٰ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہم الصلوٰۃ و السلام وغیرہ انبیائے سابقین کی خوبیوں میں بیان فرماتا ہے انھم کانوا یسارعون فی الخیرات یعنے وہ ہمارے ایسے مطیع اور نیک بندے تھے کہ نیک کاموں میں وہ ہمیشہ جلدی کیا کرتے تھے۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے لفظ خیرات کو معرف باللام بیان فرمایا ہے اور جمع سالم معرف بلام استغراق کا فائدہ دیتی ہیں جس کے یہ معنے ہوئے کہ وے لوگ ہر ایک نیکی میں عجلت کیا کرتے تھے۔ اور نماز کا نیکی اور خیر ہونا ظاہر ہے پس معلوم ہوا کہ نماز کو اول وقت پر ادا کرنا موجب ثواب عظیم و موجب رضامندی خدائے کریم ہے *

(۲) خدائے تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے حکایتاً بیان فرمایا ہے وعجلت الیک رب لترضیٰ یعنے اے خدا میں نے تیری طرف رجوع کرنے میں اس لئے جلدی کی تاکہ تو راضی ہو جائے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا کی طرف رجوع ہونے میں خدا تعالیٰ کی خوشنودی ہے اور نماز عین رجوع الی اللہ ہے۔ پس معلوم ہوا کہ نماز اول وقت پر پڑھنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہے۔ غالباً اسی آیت کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے الوقت الاول رضوان اللہ والوقت الاخر عفو اللہ یعنے اول وقت میں خدا تعالیٰ کی رضا ہے اور اخیر وقت میں خدا تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے درگذر کرتا ہے۔ اس حدیث کو سُن کر حضرت صدیق اکبر نے فرمایا رضوان اللہ احبّ الینا من عفو اللہ یعنے ہمیں خدا کی رضا اُس کی معافی سے زیادہ محبوب ہے *

بعض حنفی اس حدیث کو محض اس حیلہ سے کہ یہ حدیث صحیحین میں نہیں آئی غیر صحیح قرار دیتے ہیں لیکن بڑے بڑے اکابر محدثین اس کی صحت کے قائل ہیں اور اگر بالفرض یہ

حدیث صحیح بھی نہو تاہم چونکہ قرآن مجید کی آیات سے اُس کی تائید ہوتی ہے لہذا اُس کی صحت مضمون میں کلام نہیں ہوسکتا *

(۳) سارعوا الی مغفرۃ خدا تعالی اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ مغفرت کے اسباب اور وسائل کی طرف جلدی کرو اور اس میں کیا کلام ہوسکتا ہے کہ نماز مغفرت کا بڑا سبب اور ذریعہ ہے *

(۴) و بالاسحار ہم یستغفرون خدا تعالی اپنے نیک بندوں کی صفت میں بیان کرتا ہے کہ وے لوگ سحر کے وقت استغفار کرتے ہیں اور یہ بات کل امت کے نزدیک مسلم ہے کہ افضل استغفار نماز کے بعد ہے پس اس آیت سے معلوم ہوا کہ فجر کی نماز ایسے وقت پڑھنی چاہئے کہ اُس کے بعد سحر باقی رہے نہ یہ کہ طلوع آفتاب کے قریب نماز سے سلام پھیرے *

(۵) وقرآن الفجر اس آیت میں قرآن سے مراد باتفاق مفسرین نماز ہے اور فجر لغت میں اُس وقت کو کہتے ہیں جب کہ افق مشرق میں روشنی پھیل جائے اور باقی تینوں افقوں میں تاریکی ہو۔ پس اس آیت سے ثابت ہوا کہ فجر کی نماز ایسے وقت پڑھنی چاہئے جبکہ مشرق کے سوا آسمان کے تمام کناروں میں اندھیرا ہو *

(۶) واذا قاموا الی الصلوٰۃ قاموا کسالی خدا تعالی منافقوں کی خصلت میں بیان فرماتا ہے کہ جب وے لوگ نماز پڑھتے ہیں تو سستی اور کسل سے پڑھتے ہیں اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ نماز میں سستی و کسل مذموم اور موجب ناراضی خدا تعالی ہے *

غرض اور بھی اس قسم کی بہت سی آیتیں موجود ہیں۔ ان کے علاوہ حدیثیں جو تعجیل صلوٰۃ پر دال ہیں۔ اس کثرت سے آئی ہیں کہ اُن سب کا نقل کرنا یہاں پر دشوار ہے جس کو شوق ہو کتب احادیث کی طرف رجوع کرے ہم نے تو یہاں خدا کے کلیم اور حبیب دونو کی

زبان سے افضلیت تعجیل اوقات صلوۃ ثابت کر دکھائی +

دلائل نقلی کے علاوہ قیاس کے رو سے بھی تعجیل اوقات صلوۃ کے افضل ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ امر کسی پر مخفی نہیں کہ حقوق انسان کے ادا کرنے میں بہ نسبت تاخیر کے تعجیل بدرجہا افضل و اولی ہے۔ پس اسی طرح احکام الٰہی کی بجا آوری میں بھی تعجیل موجب اجر جزیل ہے نیز قضاے صوم میں باتفاق امت تعجیل افضل ہے پس کیا وجہ ہے کہ نماز میں تعجیل افضل نہ سمجھی جائے نیز نماز کو آخر وقت ادا کرنے میں اُس کے فوت ہو جانے کا بھی قوی اندیشہ ہے فاعتبروا یا اولی الابصار +

(۵) امام شافعی کے نزدیک جہری نماز میں بسم اللہ کا پکار کر پڑھنا ضروری ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک مکروہ ہے۔ اس اختلاف کی بنا ایک دوسرے مسئلہ پر ہے وہ یہ ہے کہ امام شافعی رح کے نزدیک بسم اللہ الحمد کی ایک آیت ہے اور امام ابو حنیفہ رح اُس کے مخالف ہیں۔ اُن کے نزدیک بسم اللہ قرآن کی کسی خاص سورۃ کا جزو نہیں بلکہ وہ اُس کو ایک علیحدہ منفرد آیت قرار دیتے ہیں جو سورتوں کے فصل کی غرض سے نازل ہوئی ہے لیکن بسم اللہ کا الحمد کی ایک آیت ہونا ایسا یقینی امر ہے جس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی مطلقاً گنجایش نہیں کیونکہ اس امر میں کُل امت کا اجماع ہے کہ الحمد کی کل سات آیتیں ہیں اور یہ امر بخوبی ظاہر ہے کہ اگر بسم اللہ کو سورۃ فاتحہ کی آیت نہ قرار دیا جائے تو اُس کی سات آیتیں نہیں رہتیں اس مشکل کے دور کرنیکو بعض حنفیہ نے یہ حیلہ تراشا ہے کہ صراط الذین انعمت علیھم کو ایک آیت قرار دیا ہے اور غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کو ایک علیحدہ آیت مانا ہے اور اس تکلف سے اُنھوں نے بغیر شمول بسم اللہ کے فاتحہ کی سات آیتیں پوری کر دی ہیں۔ لیکن جس شخص نے علم نحو میں ہدایۃ النحو بھی پڑھی ہوگی تو وہ کبھی اس بات کو تسلیم نہ کرے گا کہ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین

کوئی مفید یا مستقل کلام ہے اور اُس کا اپنے جملہ ماقبل سے تعلق منقطع ہے غیر کلام عرب میں صفت یا استثناء کے لئے آتا ہے اور نحو کا یہ ایک مسئلہ مسلمہ ہے کہ صفت کا موصوف سے اور مستثنیٰ منہ کا مستثنیٰ سے انقطاع درست نہیں بلکہ صفت اپنے موصوف سے اور مستثنیٰ مستثنیٰ منہ سے ملکر ایک جملہ بنتا ہے پس غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کو ایک آیت قرار دینا اُس کے معنی کے لحاظ سے کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا۔ نیز آیات قرآنی کے مقاطع دو قسم کے ہیں متشاکلہ یا متقاربہ اور علیھم دونو قسم کے مقاطع سے خارج ہے کیونکہ وہ باقی آیتوں کے مقاطع سے نہ متشاکل ہے نہ متقارب پس اس سے معلوم ہوا کہ صراط الذین انعمت علیھم کا مستقل آیت ہونا مقاطع قرآن کے لحاظ سے بھی صحیح نہیں۔ اس دلیل سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ کی ایک آیت ہے اور جب اُس کا سورۃ فاتحہ کا جزو ہونا یقینی طور پر ثابت ہے پھر اُس کے جہر نہ پڑھنے کی کوئی وجہ نہیں ٭

علاوہ ازیں اگر بالفرض بسم اللہ الحمد کا جزو نہ بھی ہوتا ہم اس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ وہ قرآن کی ایک آیت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ قرآن کی تمام آیات کی قراءت کا ایک ہی حکم ہونا چاہئے پس جب تمام قرآن کو جہری نمازوں میں جہر سے پڑھتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ بسم اللہ کو نماز جہر میں جہر سے نہ پڑھیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب یعلا نے محمد ابن الحسن سے دریافت کیا کہ بسم اللہ قرآن میں داخل ہے یا نہیں۔ اور اُنھوں نے جواب دیا کہ دو پٹھوں کے درمیان کُل قرآن ہے تو یعلا نے سوال کیا کہ تم بسم اللہ کو بالجہر کیوں نہیں پڑھتے محمد بن الحسن اس کا کچھ جواب نہ دے سکے اور وہ خاموش ہوگئے۔ غرض اس مسئلہ میں امام شافعی کا اعتماد تمامتر دلائل قطعیہ یقینیہ پر ہے۔ امام ابو حنیفہ کا استدلال اس مسئلہ میں چند احادیث سے ہے جن میں تاویل کی گنجایش ہے معہذا وہ حدیثیں بھی معارضہ سے سالم نہیں ٭

حکایت ایک مرتبہ امیر معاویہ نے شام سے آکر مدینہ میں نماز پڑھائی اور جہر بسم اللہ نہ کیا جب سلام پھیرا تو تمام مہاجرین و انصار کو ایک تعجب سا پیدا ہوگیا ناچار امیر معاویہ نے دوبارہ نماز کا اعادہ کیا۔ یہاں پر ہم اس بات کو بھی ظاہر کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ صحیحین میں بہت سی ایسی روایتیں آئی ہیں جن میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما الحمد للہ رب العالمین سے قرأت شروع کرتے تھے۔ صحیحین کے سوا صحاح کی باقی کتابوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کبھی جہر بسم اللہ نہیں کرتے تھے بلکہ بعض صحابہ سے یہاں تک بھی ثابت ہے کہ وہ جہر بسم اللہ کو بدعت خیال کرتے تھے۔ ان روایات کی بنا پر اس مسئلہ میں امام شافعی پر بعض لوگوں نے مخالفت احادیث کا الزام لگایا ہے۔ لیکن صحیحین کی بنا پر یہ الزام اُن پر صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ اس کہنے سے کہ آنحضرت اور ابوبکر اور عمر الحمد للہ رب العالمین سے قرأت شروع کرتے تھے جہر بسم اللہ کی صریح طور پر نفی ثابت نہیں ہوتی امام شافعی کا ان حدیثوں میں خیال تھا کہ مراد الحمد للہ رب العالمین سے سورۃ فاتحہ کا نام ہے یعنے اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت اس سورۃ سے نماز شروع کرتے تھے نہ یہ کہ بسم اللہ کو ترک فرماتے تھے۔ صحیحین کے علاوہ باقی کتب صحاح کی حدیثوں کے اور صحیح حدیثیں معارض ہیں۔ پس اس مسئلہ میں امام شافعیؒ پر مخالفت حدیث کا الزام لگانا درست نہیں معلوم ہوتا ؛

(۶) امام شافعی کے نزدیک ہر نماز میں خواہ وہ جہری ہو یا سرّی قرأت فاتحہ ضروری ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک نہیں۔ امام شافعی کی دلیل یہ آیت ہے فاقرؤا ما تیسر من القرآن یعنے پڑھو جو قرآن میں سے آسان ہو امام شافعی کہتے ہیں کہ ما تیسر کی تفسیر میں تین احتمال ہیں۔ یا مراد اُس سے خاص سورۃ فاتحہ ہے یا غیر سورۃ فاتحہ یا سورۃ فاتحہ و غیر سورۃ فاتحہ دونوں کو شامل ہے

درصورت اول وجوب فاتحہ ثابت ہوتا ہے اور یہی ہمارا عین مقصود ہے اور درصورت ثانیہ وجوب غیر فاتحہ ثابت ہوتا ہے اور یہ باتفاق امت باطل ہے کیونکہ وجوب غیر فاتحہ کا کوئی قائل نہیں اور درصورت ثالثہ لازم آتی ہے مساوات فاتحہ وغیر فاتحہ کی اور تخییر قراءت فاتحہ وغیر فاتحہ میں اور یہ بھی باتفاق امت باطل ہے کیونکہ باجماع قرأت فاتحہ افضل ہے اور بغیر اس کے نماز ناقص ہے۔ اور تخییر درمیان کامل اور ناقص کے جائز نہیں پس ثابت ہوا کہ مراد ماتیسر سے صرف سورۃ فاتحہ ہے اور اس سورۃ کو ماتیسر اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ اس کو ہر ایک مسلمان نہایت شوق اور رغبت سے یاد کرلیتا ہے بخلاف دیگر سورتوں کے کہ اُن کا یاد کرنا اس قدر آسان نہیں ہے اسی واسطے غالباً کوئی مسلمان ایسا نہو گا جسے سورۃ فاتحہ یاد نہو ✤

وجوب قرأت فاتحہ کی ایک یہ بھی بڑی قوی دلیل ہے کہ نماز سے اصلی مقصود اظہار عبودیت اور عظمت وجلال ذات باری تعالی اور اُس کی صفت وثنا ہے اور یہ تمام باتیں جیسے کامل طور پر سورۃ فاتحہ میں بیان کی گئی ہیں ویسی کسی دوسری صورت میں بیان نہیں کی گئیں پس کچھ شک نہیں کہ نماز کا اصلی مقصود صرف سورۃ فاتحہ ہی سے حاصل ہے اور حقیقتہً عقل بھی اسی کی متقاضی ہے کیونکہ قصہ موسی وفرعون یا حمل مریم وولادت عیسی میں نہ خدا کی کامل طور پر صفت وثنا کا مذکور ہے اور نہ اُس میں بندہ کی طرف سے اظہار عبودیت ہے پس حقیقت میں تمام قصص وتمثیلات قرآنی کو نماز سے کوئی تعلق نہیں نماز صرف سورۃ فاتحہ پر ختم ہوجاتی ہے مگر باقی سورتوں کو بھی چونکہ خدا تعالی کی کلام ہونے کا شرف حاصل ہے اس لئے بغرض مزید ثواب اُن کا پڑھنا بھی مسلمانوں میں مروج ہے نیز ان قصوں کے نماز میں پڑھنے سے یہ بھی فائدہ ہے کہ مسلمانوں میں قرآن کے محفوظ رہنے کا ایک قوی ذریعہ ہے ورنہ درحقیقت نماز کے اصلی مقصود سے ان قصوں کو کوئی لگاؤ نہیں ✤

(۷) امام شافعی کے نزدیک رکوع اور قومہ کے وقت رفع الیدین سنت ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک نہیں۔ امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ احادیث اس مسئلہ میں بکثرت وارد ہیں اور اکثر امت نے انہیں قبول کیا ہے اور اہل حرمین شریفین کا اُس پر ہمیشہ عملدرآمد رہا ہے اور قیاس اس کا مقتضی ہے کیونکہ نماز کے جمیع افعال قیام۔ قرأت رکوع سجود قومہ جلسہ تکبیر تشہد وغیرہ مکرر ہیں پس رفع الیدین کا مکرر ہونا بھی قیاساً جبکہ احادیث اُس کی موید ہوں اولی ہے۔ امام ابوحنیفہ کراہت رفع یدین پر ابن مسعود کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں جو انہوں نے حماد۔ ابراہیم نخعی۔ علقمہ عبداللہ ابن مسعود کے سلسلہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ان مواقع پر رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ وہ اس حدیث کے راویوں کو زہری۔ سالم۔ عبداللہ ابن عمر پر جو حدیث رفع یدین کے راوی ہیں فقاہت میں ترجیح دیتے ہیں اور اس بارہ میں اُن کا امام اوزاعی سے۔ جو اہل شام کے امام اور مستقل مذہب کے بانی تھے ایک مناظرہ بھی نقل کیا جاتا ہے مگر علماء محدثین کے نزدیک حماد۔ ابراہیم نخعی۔ علقمہ ابن مسعود رضہ کو زہری۔ سالم۔ ابن عمر پر کسی بات میں بھی ترجیح نہیں ہو سکتی۔ حماد کوفہ کے فقیہ تھے تو زہری مدینہ کے امام تھے۔ اگر تعصب کو چھوڑ کر ان دونوں روایتوں پر منصفانہ نظر ڈالی جائے تو کچھ شک نہیں بوجوہ چند در چند امام ابوحنیفہ کی روایت پر امام اوزاعی کی روایت کو ترجیح ہے اوّل یہ کہ اوزاعی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے درمیان کُل تین واسطے ہیں اور امام ابوحنیفہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے درمیان چار۔ دوسرے امام ابوحنیفہ کی حدیث کے راوی کُل کوفی ہیں اور امام اوزاعی کی سند کے کُل مدنی۔ فقاہت کے لحاظ سے بھی زہری اور سالم کو حماد اور ابراہیم نخعی پر ترجیح ہے۔ کُل محدثین کے اس بارہ میں اقوال نقل کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی لہٰذا ہم فقط شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کا زہری اور سالم کے بارہ میں قول نقل کرتے ہیں۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ زہری یکے از فقہاے اسلام و محدثین است و مشارالیہ

در جمیع فنون شرعیہ۔ اول کسے است کہ کتابت حدیث کرد و احادیث طویلہ بدون وے متفق علیہ
نمے شود و سالم ابن عبد اللہ ابن عمر یکے از فقہاے مدینہ و مشہور عالی و ثقات است *

ابن عمر پر اگرچہ امام ابوحنیفہ ابن مسعود کو ترجیح دیتے ہیں لیکن اگر غور سے دیکھا جائے
تو یہ دعوی ثبوت کا محتاج ہے۔ ابن مسعود سے نماز ہی کے چند متفق علیہ مسائل میں غلطی ہوئی
ہے مثلاً وہ رکوع میں گھٹنوں پر ہاتھ نہ رکھتے تھے بلکہ بجاے اُس کے تطبیق کرتے تھے۔ اور
دو مقتدیوں کے امام کے پیچھے کھڑے ہونے کے قائل نہ تھے۔ جنب کے لئے تیمم کرنا جائز نہ سمجھتے
تھے۔ پس جب ایسے مسائل میں ابن مسعود رضہ سے غلطیاں ہوئیں جن کا روزمرہ برتاؤ تھا تو ممکن
ہے کہ رفع الیدین کا مسئلہ بھی اسی قبیل سے ہو *

اِس مسئلہ میں ہم زیادہ بحث کرنا نہیں چاہتے امام محمد ابن اسمٰعیل بخاری اور مولوی محمد اسمٰعیل
صاحب شہید کی مستقل تصانیف اِس کے ثبوت میں موجود ہیں جن میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ سوائے
رفع الیدین کے ایسی کوئی سنت نہیں جس کے راوی جمیع عشرہ مبشرہ ہوں اور احادیث و آثار اِس
بارہ میں قریب چار سو کے ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب اپنی بے نظیر کتاب حجۃ البالغہ میں لکھتے ہیں
والذی یرفع احب الیّ من لا یرفع یعنے رفع یدین کرنے والا میرے نزدیک نہ کرنے والے سے
زیادہ محبوب ہے فالعاقل تکفیۃ الاشارۃ *

(۸) امام شافعی کے نزدیک الفاظ تکبیر سواے کلمہ قد قامت الصلوٰۃ کے مکرر
نہیں یعنے اُن کے نزدیک تکبیر فرادیٰ فرادیٰ کہنی چاہئے۔ امام ابوحنیفہ اِس کے مخالف ہیں
اُن کے نزدیک الفاظ تکبیر مثل اذان کے مکرر ہیں۔ امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ احادیث
افراد اقامت میں کثرت سے آئی ہیں۔ اور اکثر امت نے انہیں قبول کیا ہے اور اہل حرمین کا
ہمیشہ اُس پر عملدرآمد رہا ہے پس اگر اقامت مثل اذان کے مکرر اور مثنی مثنی ہوتی تو ضرور تھا کہ وہ

بتواتر منقول ہوتی اور اُس میں اختلاف نہ ہوتا کیونکہ اقامت ایسی شے ہے کہ جمیع خلق اُس کی مکلف ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ جس شے کی تکلیف عام ہو اُس کا بتواتر منقول ہونا ضروری ہے اور جبکہ اقامت بتواتر منقول نہیں بلکہ بجائے اُس کے یہ بات ثابت ہے کہ مکے اور مدینے والے ہمیشہ اقامت فرادی ہی پر عمل کرتے رہے تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت کے عہد مبارک میں مثنی مثنی اقامت کا وجود نہ تھا ورنہ ممکن نہیں کہ ایسا امر جس کا پانچ مرتبہ ہر روز اعلان ہو اکثر صحابہ اور فقہاء سبعہ اور تمام اہل حرمین پر مخفی رہے۔ تعجب ہے کہ حنفیہ رفع یدین میں تو بتواتر منقول نہ ہونے کا عذر بہت جلد پیش کر دیتے ہیں حالانکہ رفع یدین کا صرف ایک ہی صحابی نے انکار کیا ہے اور مسئلہ متنازعہ میں اُن کو کبھی اس کا خیال بھی نہیں گذرتا باوجودیکہ اس میں تمام مکی اور مدینے والوں کو انکار ہے۔ اس مسئلہ میں حنفیہ امام شافعی رح پر یہ الزام عائد نہیں کر سکتے کہ اگر اقامت فرادی ہوتی تو اُس کا بتواتر منقول ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ تواتر کی ضرورت صرف امر وجودی میں ہے اور عدم تو اصل ہی ہے۔ اُس کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ اُس کی ضد بتواتر منقول نہیں۔ اگر اقامت کو اذان پر قیاس کیا جائے تو بھی صحیح نہیں کیونکہ اذان سے مقصود غائبین کو آگاہ کرنا ہے۔ پس اُسکے لئے مبالغہ اور تکرار نہایت مناسب ہے بخلاف اقامت کے کیونکہ اُس سے مقصود صرف اطلاع حاضرین ہے پس اُس میں مبالغہ کی چنداں ضرورت نہیں۔ مگر کلمہ قد قامت الصلوۃ چونکہ اذان میں نہیں ادا کیا گیا تھا اور اُس سے مقصود صرف اظہار اس امر کا ہے کہ امام مصلے پر کھڑا ہو گیا لہٰذا اُس میں تکرار مناسب ہے نیز اُس کے ثبوت میں کسی کا اختلاف بھی نہیں۔

(۹) امام شافعی کے نزدیک زکوۃ مویشی میں ادائے قیمت جائز نہیں امام ابوحنیفہ رح اِس کے مخالف ہیں اور اُس کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ مقصود اصلی زکوۃ کا فقراو مساکین کی اعانت اور بنی نوع انسان کی ہمدردی ہے اور وہ بہر طور حاصل ہے خواہ زکوۃ مویشی میں

قیمت ادا کی جائے یا جانور۔ یہ دلیل امام ابو حنیفہ کی اگرچہ بظاہر معقول معلوم ہوتی ہے اور غالباً عوام لوگ اسے نہایت پسند کرتے ہوں گے اور عجب نہیں کہ زمانہ حال کے بعض معقول پسند لوگ ایسی باتوں سے امام ابو حنیفہ کی افضلیت اور اُن کے طریق اجتہاد کی خوبی ثابت کرنے لگیں۔ اگرچہ بظاہر ایسی باتیں دل کو خوش لگتی ہیں مگر درحقیقت یہ باتیں اپنے مذہب کی حقیت کو اور مشکوک و مشتبہ کرتی ہیں بعض جہلا اس مسئلہ میں امام شافعی پر بڑے خوش ہو ہو کر اعتراض کرتے ہیں اور اپنے زعم باطل میں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ امام شافعی کے مذہب کی بنا امام ابو حنیفہ کے مذہب کی طرح مصالح اور اسرار پر نہیں لیکن ہم ثابت کر دیں گے کہ امام شافعی کا مذہب جس قدر مصالح و اسرار پر مبنی ہے اُس قدر کسی دوسرے امام کا ہرگز نہیں لیکن ساتھ ہی اُس کے ہم یہ بھی دعوی سے کہتے ہیں کہ کسی امام کے جمیع مسائل کے مصالح اور اسرار کا معلوم ہو جانا ممکن نہیں اور کوئی اس بات کا دعوے نہیں کر سکتا کہ میں فلاں امام کے جمیع مسائل کے اسرار بیان کر سکتا ہوں جس کو اس قسم کا دعوی ہو وہ صرف کلمۂ مدہامتان سے نماز صحیح ہو جانے کے اسرار بیان کرے پھر امام شافعیؒ پر جو وہ اعتراض کرے گا ہم اُس کو تسلیم کریں گے۔

قرآن مجید میں فقط ادائے زکوٰۃ کا حکم وارد ہے اور کوئی نصاب یا مقدار زکوٰۃ کی بیان نہیں کی گئی اس واسطے قرآن مجید کو مجمل سمجھ کر جمیع مجتہدین نے مقادیر و نصاب زکوٰۃ میں کتاب ابوبکر صدیقؓ پر اعتبار کیا ہے۔ کتاب ابوبکر صدیقؓ کا مضمون یہ ہے کہ یہ فریضہ ہے صدقہ کا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں پر فرض کیا اور جس کا خدا تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا پس جس مسلمان سے اس کے مطابق طلب کیا جائے وہ ادا کرے اور جس سے اس کے خلاف طلب کیا جائے وہ نہ دے۔ پانچ[۵] اونٹوں میں ایک بکری ہے۔ پچیس[۲۵] میں بنت مخاض اُنثی۔ چھتیس[۳۶] میں بنت لبون اُنثے۔ چھیالیس[۴۶] میں حقہ۔ اکسٹھ[۶۱] میں جذعہ۔ جب جذعہ واجب ہو

اور وہ اُس کے پاس نہ ہو اور اس کے پاس حقہ ہو تو اس سے حقہ مع دو بکریوں یا بیس درہم کے قبول کیا جائے۔ جس کے ذمہ حقہ واجب ہو اور اُس کے پاس حقہ نہ ہو اور اُس کے پاس جذعہ ہو تو اُس سے جذعہ قبول کیا جائے اور اُس کو بیس درہم یا دو بکریاں واپس دی جائیں۔ اور جس کے ذمہ حقہ واجب ہو اور وہ اُس کے پاس نہ ہو اور بنت لبون ہو تو وہ اُس سے مع دو بکریوں اور ۲۰ درہم کے قبول کیا جائے جس کے ذمہ بنت لبون واجب ہو اور اُس کے پاس حقہ ہو تو وہ اُس سے قبول کیا جائے اور اُس کو بیس درہم یا دو بکریاں واپس دی جائیں۔ اور جس پر بنت لبون واجب ہو اور وہ اُس کے پاس نہ ہو اور اُس کے پاس بنت مخاض ہو تو وہ اُس سے مع ۲۰ درہم اور دو بکریوں کے قبول کیا جائے +

امام شافعی اس حدیث سے وجوب اسنان مذکورہ میں چند طرح پر استدلال کرتے ہیں۔ اوّلاً یہ کہ ابو بکر صدیق نے اس فریضہ کی نسبت فرمایا کہ یہ وہ فریضہ ہے جس کو خدا تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے۔ اس جملہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسنان جس طرح رسول خدا نے مقرر فرمائے ہیں اُسی طرح خدا نے آپ کو حکم دیا تھا۔ اور چونکہ حکم خدا میں تبدیل و تغیر جائز نہیں ہے۔ لہذا اسنان مذکورہ بعینہا متعین ہوے۔ یہود کی خدا نے قرآن میں جا بجا اسی بات پر مذمت کی ہے کہ اُنہوں نے خدا کے حکم کو بدل دیا تھا۔ ثانیاً ابو بکر صدیق نے یہ بات بیان کی کہ جس شخص سے اس کے مطابق طلب کیا جاوے وہ ادا کرے اور جس سے اس کے خلاف مانگا جائے وہ نہ دے۔ اس جملہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسنان مذکورہ ادا کرنا بعینہا واجب ہے۔ ثالثاً یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر بنت مخاض نہ ہو تو ابن لبون قبول کیا جاوے۔ اس قول سے معلوم ہوا کہ وقت موجود ہونے بنت مخاض کے ابن لبون جائز نہیں بفحواے اذا فات الشرط فات المشروط امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگرچہ بنت مخاض موجود ہو تاہم ابن لبون کا ادا کرنا بشرطیکہ اُس کی قیمت بنت مخاض کے مساوی ہو جائز ہے۔ رابعاً یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے اس قول سے کہ اگر بنت

مخاض نہو تو ابن لبون قبول کیا جائے معلوم ہوا کہ وقت عدم موجودگی بنت مخاض کے ابن لبون متعین ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صورت مذکورہ میں ابن لبون کی کوئی قید نہیں بلکہ اُن کے نزدیک کپڑا دینار درہم وغیرہ دینا سب کچھ درست ہے۔ خامسًا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وقت عدم وجود بنت مخاض کے پورا ابن لبون واجب کیا ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک نصف ابن لبون بھی اگر بنت مخاض کی قیمت کے مساوی ہو جائز ہے لیکن معلوم نہیں کہ بنت مخاض کی قیمت میں وہ کیوں مساوات کی شرط کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح بنت مخاض واجب فرمایا ہے اُسی طرح اُس کی عدم موجودگی میں ابن لبون واجب ٹھہرایا ہے۔ خواہ اُس کی قیمت بنت مخاض سے کم ہو یا زیادہ۔ سادسًا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عدول جذعہ سے حقہ کی طرف اس شرط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے اُس کے ساتھ دو بکری یا ۲۰ درہم اور ادا کئے جائیں پس اگر مقادیر زکوٰۃ میں اعتبار قیمت ہی کا ہوتا تو یہ تقدیر باطل تھی کیونکہ حقہ میں جذعہ سے قدر نقصان کبھی زیادہ ہوتا ہے اور کبھی کم اور آپ نے قدر نقصان کل ۲۰ درہم قرار دیئے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ مقادیر زکوٰۃ میں قیمت کا اعتبار نہیں بلکہ اسنان مذکورہ بعینہ واجب ہیں۔ سابعًا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وقت وجود اسنان مذکورہ کے اُن پر نص کی ہے اور اُن کے عدم وجود کے وقت دونوں حالتوں نزول وصعود میں مع جبر نقصان اُن کے بدل مقرر فرمائے ہیں۔ جذعہ سے حقہ کی طرف اور حقہ سے جذعہ کی طرف مع جبر نقصان عدول جائز قرار دیا ہے مگر بنت مخاض نہونے کی صورت میں آپ نے ابن لبون بغیر جبر نقصان تجویز کیا ہے پس اگر مدار تکلیف قیمت پر ہوتا تو بنت مخاض نہونے کی صورت میں بھی ابن لبون کے ساتھ جبر نقصان واجب ہوتا۔ حالانکہ آپ نے اس کے برخلاف تصریح فرمائی ہے کہ بنت مخاض نہونے کی صورت میں صرف ابن لبون واجب ہے اور اس کے ساتھ کوئی شئے نہیں۔ ثامنًا

یہ کہ شارع حکیم نے جبکہ ان تفاصیر مشکلہ کے بیان کرنے میں مبالغہ فرمایا اور سیدھی سادی مختصر بات سے اعراض کیا کہ اتنے جانوروں میں اس قدر قیمت ادا کردی جائے تو اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جانوروں کی زکوٰۃ میں مقصود شرع صرف اداء قیمت نہیں ہے بلکہ اسنان مذکورہ کے مشروع کرنے میں ضرور کوئی حکمت خفی ہے غایت مافی الباب یہ کہ ہم اس حکمت سے واقف نہیں مگر ہم تمام احکام شرعیہ کی حکمتوں سے کب واقف ہیں کہ اسی کی حکمت سے واقف نہیں ہوسے۔ تاسعًا یہ کہ تعبّدات باب زکوٰۃ میں غالب ہیں۔ چونکہ انتقال نصاب میں پچیس[۲۵] سے چھتیس[۳۶]۔ اور چھتیس[۳۶] سے چھیالیس[۴۶]۔ چھیالیس[۴۶] سے اکسٹھ کی طرف امر ہوا ہے تو نہ اس کی حکمت معلوم ہوسکتی ہے اور نہ یہ امر بظاہر قیاس کے مطابق ہے۔ نیز اگر کسی شخص کے پاس یاقوت وجواہر یا پارچہ جات دس لاکھ کی قیمت کے بھی ہوں تب بھی اُن میں ایک پیسہ کی زکوٰۃ واجب نہیں۔ اور صرف ۲۰ دینار سونے میں نصف دینار واجب ہے۔ یہ بات بھی قیاس ظاہر کے خلاف ہے۔ نیز شرع نے ہر قسم کے مال کے نصاب جُدا جُدا مقرر کی ہے مثلاً اونٹ کی اَور ہے اور بکری کی اَور۔ گائیوں کی اَور۔ زراعت کی اَور۔ نقود کی اَور۔ اور خاص امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہر گھوڑے پر ایک دینار۔ یہ تمام باتیں ایسی ہیں جن کا کسی طرح عقل پورے طور پر ادراک نہیں کرسکتی کیونکہ ان مختلف نصابوں میں قیمت کا مطلقًا لحاظ نہیں کیا گیا پس اِن تمام باتوں سے کامل یقین ہوتا ہے کہ زکوٰۃ میں تعبدات غالب ہیں اور عقل کو اُس میں مطلقًا دخل نہیں۔ پس نقل نے اِن جمیع مواضع میں اقتصار مورد نص پر اور ترک تصرف عقل واجب کردیا ہے رہی اس زمانہ کے آزاد منشوں کی معقول پسندی اس پر ہمیں یہ اہل اباحت یاد آتے ہیں جن کا مقولہ ہے کہ مقصود اصلی نماز کا دل کے ساتھ خدا کی تعظیم کرنا ہے۔ پس اگر کوئی شخص دل سے خدا کی تعظیم بجا لائے تو تکلیف ظاہر اعمال صلوٰۃ کی اُس سے ساقط ہے۔ کیونکہ مقصود اصلی نماز کا اُسے حاصل ہے۔ اگرچہ اہل اباحت کا یہ مقولہ بالکل عقل اور قیاس کے

مطابق ہے مگر باینہمہ جمیع علما اہل سنت اُن کے اس مقولہ کو کفر اور ارتداد اور خروج عن الاسلام قرار دیتے ہیں اور اس کی دلیل اُن کے پاس صرف یہی ہے کہ جس طرح اصل مقصود نماز سے خدا کی تعظیم کرنا ہے اُسی طرح اُس کا ادا کرنا بھی ہیئت مخصوصہ کے ساتھ مقصود ہے۔ یا اس واسطے کہ نماز کی ہیئت مخصوصہ کسی ایسی حکمت خفی پر مشتمل ہے جس کی ہمیں اطلاع نہیں اور یا نماز کی ہیئت مخصوصہ تکمیل عبادت کے لئے مخصوص ہے۔ پس جس طرح اہل اباحت کے مقابلہ میں تمام فرقے اہل سنت کہتے ہیں اسی طرح ان اسنان مذکورہ کے معین ہونے کی نسبت ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ اگرچہ ظاہراً مقصود زکوٰۃ سے رفع حاجت فقرا و مساکین ہے مگر ممکن ہے کہ شرع کو ان اسنان معینہ کی بھی ادا مقصود ہو۔ یا اس لئے کہ یہ اسنان معینہ کسی ایسی حکمت خفی پر مشتمل ہیں جس کا ہمیں علم نہیں یا صرف تکمیل عبادت کے لئے۔

(۱۰) امام شافعی کے نزدیک جس عورت کو مرض الموت میں طلاق بائنہ دی گئی ہو وہ شوہر کے مال کی وارث نہیں ہوتی۔ امام ابو حنیفہ اس کے مخالف ہیں۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ مطلقہ بائنہ متوفی کی زوجہ نہیں کیونکہ اگر وہ اُس کی زوجہ ہوتی تو مطابق آیت **ولکم نصف ما ترک ازواجکم** کے زوج بھی (اگر عورت کا انتقال پہلے شوہر سے ہو جاتا تو) اُس کا وارث ہونا چاہیے تھا اور زوج بالاجماع مطلقہ بائنہ کا وارث نہیں ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مطلقہ بائنہ متوفی کی زوجہ نہیں اور میراث حق زوجہ کا ہے نہ اجنبیہ کا لہذا جس طرح شوہر اُس کا وارث نہیں ہو سکتا اسی طرح وہ بھی شوہر کی وارث نہیں ہو سکتی۔ امام شافعی کی یہ دلیل ظاہر قرآن کے بالکل مطابق ہے۔ مگر امام ابو حنیفہؒ اس یقینی اور قطعی دلیل کو تو ترک کرتے ہیں اور اپنی حجت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ فتویٰ پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کی زوجہ کے حق میں وراثت ہی کا حکم لگایا تھا حالانکہ خود حضرت عبدالرحمن بن عوف اور عبداللہ بن زبیر حضرت عثمان کے اس فتوی کے مخالف تھے معہذا حضرت عثمانؓ کے فتوی کی قرآن مجید کے مقابلہ میں کچھ وقعت ہو سکتی ہے؟

(۱۱) امام شافعی کے نزدیک ماءِ مستعمل نجس نہیں کیونکہ اُس کی نجاست پر عقلی یا نقلی کوئی دلیل قائم نہیں ہوئی امام ابوحنیفہ اس کے مخالف ہیں مگر خود اُن کے اصول کے مطابق ماءِ مستعمل کی نجاست ثابت نہیں ہوسکتی کیونکہ اُن کا یہ اصول بیان کیا جاتا ہے کہ جس امر میں عام بلوی ہو اور اُس کی ضرورت ہر شخص سے متعلق ہو اُس کا بتواتر منقول ہونا ضروری ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ نجاست سے اجتناب اور پرہیز کرنا ایسا امر ہے جس کی ضرورت ہر شخص سے متعلق ہے اور اس میں عام بلوی ہے پس اگر ماءِ مستعمل نجس ہوتا تو ضرور اس کی روایت ہزاروں لاکھوں آدمی کرتے چہ جائیکہ اس میں کوئی خبر واحد بھی نہ ہو بلکہ برعکس اُس کے احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ ہمیشہ آنحضرتؐ کے وضو کے پانی کو بطور تبرک کے استعمال کرتے تھے ؛

یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ امام ابوحنیفہ نے صرف اسی مسئلہ میں اپنے اصول کا خلاف کیا ہے بلکہ اُن کے جمیع مسائل اُن کے اُن اصولوں کے بالکل مخالف ہیں جن کو بعد میں خوش اعتقادوں نے اُن کی طرف منسوب کر دیا ہے چنانچہ ہم اُن کے بعض مسائل کو مع اُن اصولوں کے جو اُن کی جانب منسوب کئے جاتے ہیں نقل کرتے ہیں جن سے یہ بات بخوبی ظاہر ہو جائیگی کہ اُن کے مسائل کی بنا اُن اصول پر ہرگز نہیں جو آج ہماری اصول فقہ کی کتابوں میں مندرج ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اُنھوں نے کسی خاص مقررہ اصول پر اجتہاد نہیں کیا بلکہ احادیث اور قرآن کا جو مطلب اُن کے ذہن میں آیا بلا پابندی کسی اصول مقررہ کے وہ اُنھوں نے بیان کیا اور وہ ہی اُن کا فقہ قرار پایا۔ اُن کے زمانہ کے بعد علماے حنفیہ نے نئے نئے اصول اپنے ذہن سے اختراع کئے اور سمجھا کہ شاید امام اعظم نے بھی اپنے اجتہاد میں انہی اصول کو ملحوظ رکھا تھا حالانکہ اُن کو ان اصول کی مطلق خبر نہ تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی ایسا اصول قائم نہیں ہوسکتا جو ان کے تمام مسائل میں جاری ہوسکے۔ بلکہ یہ اصول جو بعد از وقت سوچے اور نکالے گئے ہیں ایسے ہیں کہ کوئی کسی مسئلے میں ٹوٹ جاتا ہے۔ کوئی کسی مسئلہ

ہیں کیونکہ اصول قائم کرکے فقہ کو اس پر مبنی نہیں کیا بلکہ فقہ بنا کر اس میں سے اصول تلاش کئے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نہایت انصاف سے لکھتے ہیں کہ یہ اصول جو حنفی فقہ کی کتابوں میں مندرج ہیں ہرگز امام ابوحنیفہؒ اور ان کے شاگردوں کے نہیں ہیں بلکہ اُن کے بعض مسائل سے متاخرین نے ایجاد کرلئے ہیں"۔ چنانچہ ہم یہاں بعض مسائل حنفی کا ذکر کرتے ہیں جن میں امام ابوحنیفہؒ کے بنائے ہوئے اصول ٹوٹتے ہیں (۱) نفل میں قہقہہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے حالانکہ جو خلاف قیاس واہی حدیث اس بارہ میں آئی ہے اُس کا مورد صرف نماز فرض ہی ہے نہ نفل۔

(۲) امام ابوحنیفہ کا اصول بیان کیا جاتا ہے کہ حکم اور حادثہ واحد میں مطلق کو مقید پر محمول کرنا چاہئے مگر امام ابوحنیفہ اس اصول کے خلاف حکم دیتے ہیں کہ کافر غلام پر صدقہ فطر واجب ہے حالانکہ اکثر حدیثوں میں وجوب صدقہ فطر میں مسلمین کی قید واقع ہے۔

(۳) امام ابوحنیفہ کا اصول بیان کیا جاتا ہے کہ نہی شے کی اُس کی مشروعیت کی دلیل ہے اسی واسطے اُن کے نزدیک عید کے روز روزہ رکھنے کی نذر اور نکاح شغار صحیح ہے مگر امام ابوحنیفہ اپنے اس اصول کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں کہ نکاح متعہ باطل ہے۔ حالانکہ اُن کے اصول کے مطابق متعہ کی قید اُٹھا کر اصل نکاح منعقد ہونا چاہئے جیسا کہ وہ نکاح شغار میں شرط کو باطل قرار دیکر اصل نکاح کو صحیح قرار دیتے ہیں۔

(۴) امام ابوحنیفہ کا اصول بیان کیا جاتا ہے کہ مفہوم شرط و وصف معتبر نہیں اسی واسطے وہ کتابیہ لونڈی سے نکاح جائز رکھتے ہیں باوجودیکہ قرآن میں مومنہ کی قید موجود ہے مگر امام ابوحنیفہ اپنے اس اصول کے خلاف حکم دیتے ہیں کہ کفارہ قتل میں کافر غلام کا آزاد کرنا صحیح نہیں اور پانی موجود ہونے کی صورت میں بغیر عذر تیمم درست نہیں حالانکہ یہ دونو مسئلے اُنکے اصول کے صریح مخالف ہیں۔

(۵) امام ابوحنیفہ کا اصول بیان کیا جاتا ہے کہ مفہوم عدد معین معتبر نہیں پھر امام ابوحنیفہ اپنے اس اصول کے خلاف حکم صادر کرتے ہیں کہ شراب کی حد صرف اسّی دُرّے ہیں اور زنا کی صرف سو دُرّے۔ کمی زیادتی جائز نہیں ؛

(۶) امام ابوحنیفہ کا اصول بیان کیا جاتا ہے کہ ترک واجب سے سجدہ سہو لازم ہے پھر امام ابوحنیفہ اپنے اس اصول کے خلاف تعدیل ارکان کے ترک ہو جانے سے سجدہ سہو لازم نہیں کرتے۔ حالانکہ تعدیل ارکان اُن کے نزدیک واجب ہے ؛

(۷) امام ابوحنیفہ کا اصول بیان کیا جاتا ہے کہ خبر واحد سے قرآن کی تخصیص جائز نہیں پھر امام ابوحنیفہ اپنے اس اصول کے خلاف صحت جمعہ کے لئے بادشاہ اور مصر وغیرہ کی قیدیں لگاتے ہیں حالانکہ قرآن میں نہ کہیں بادشاہ کا ذکر ہے اور نہ مصر کا ؛

(۸) امام ابوحنیفہ کا اصول بیان کیا جاتا ہے کہ خاص مبین ہوتا ہے پس اُس کو بیان کی ضرورت نہیں۔ پھر امام ابوحنیفہ اپنے اصول کے خلاف حکم دیتے ہیں کہ چور کا ہاتھ دس درہم سے کم میں نہیں کاٹا جا سکتا ہے حالانکہ قرآن میں السارق والسارقۃ کا لفظ خاص ہے اور وہاں دس درہم یا ایک درہم کی کوئی قید نہیں ؛

غرض امام ابوحنیفہ کا کوئی اصول بھی کلی نہیں بلکہ درحقیقت انہوں نے کسی اصول کلی کو مدنظر رکھ کر اجتہاد نہیں کیا اور جو اصول اس زمانے کے احناف بیان کرتے ہیں وہ ہرگز ان اصول کے پابند نہ تھے۔ ورنہ کیا یہ امر تعجب انگیز نہیں ہے کہ خود امام ابوحنیفہ کے ایجاد کردہ اصول اُن کے مسائل کے اس قدر مخالف ہوں کہ جسطرح حنفی علما بڑی سخت کوششوں اور جانفشانیوں سے احادیث کو کھینچ تان کر امام ابوحنیفہ کے مسائل کے مطابق بناتے ہیں اسی طرح ان کو امام ابوحنیفہ کے مسائل کو اُن کے اپنے اصول کے مطابق کرنے میں بھی ویسی ہی سخت دشواریاں پیش آتی ہیں اور ان اصولوں یا مسائل میں نہایت رکیک رکیک تاویلیں کرنی پڑتی ہیں ؛

(۱۴) امام شافعی کے نزدیک زنا سے حرمت کے احکام پیدا نہیں ہوتے مثلاً باپ نے کسی عورت سے زنا کیا تو بیٹے کو اُس کی لڑکی سے نکاح کرنا جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ اس کے مخالف ہیں اُن کے نزدیک زنا سے حرمت مصاہرت کے احکام پیدا ہو جاتے ہیں یعنی عورتوں کی حرمت پر نکاح سے جو اثر پڑتا ہے وہی زنا سے بھی پڑتا ہے مثلاً اگر کسی شخص نے کسی عورت سے زنا کیا تو جس طرح وہ اپنی منکوحہ کی ماں یا بیٹی سے نکاح نہیں کر سکتا اسی طرح اُس مزنیہ کی ماں اور بیٹی سے بھی نہیں کر سکتا بلکہ انہوں نے اس مسئلہ کو یہاں تک وسعت دی ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی عورت کو جوشِ شہوت میں آ کر صرف ہاتھ لگا دیا یا شہوت سے اُس کی طرف دیکھ لیا تو اُس شخص کو اُس عورت کی ماں اور بیٹی سے نکاح کرنا ہمیشہ کے لئے حرام ہو گیا اور اسی طرح اُس مرد کی ماں اور بیٹی اُس عورت کے شوہر اور بیٹے پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئیں۔ امام شافعی کی دلیل اس مسئلہ میں یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے محرمات عورتوں کا ذکر کر کے فرمایا ہے واحل لکم ما وراء ذٰلکم یعنے تم پر اُن عورتوں کے سوا جن کی حرمت پہلے مذکور ہو چکی اور سب عورتیں حلال ہیں اور جن عورتوں کی حرمت مذکور ہوئی ہے اُن میں مزنیہ کی ماں یا بیٹی کی حرمت کا کچھ ذکر نہیں پس چونکہ وہ ماوراے محرمات ہیں لہذا اُن سے نکاح درست ہے۔ پس امام شافعی کا یہ مسئلہ بالکل مطابق نص قرآنی کے ہے غایتہ مافی الباب یہ کہ اس آیت میں حنفیہ اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ یہ آیت مخصوص البعض ہے لیکن مخصوص البعض غیر محل تخصیص میں حجت ہے کیونکہ اس مسئلہ میں حدیث کوئی ایسی ہے ہی نہیں جس سے اس آیت کی تخصیص کی جائے اور قیاس بھی بالکل امام شافعی کا مؤید ہے۔ اِس نکاح کو تمام عورتوں کے نکاح پر ہی قیاس کرنا چاہئے پس جس طرح تمام عورتوں کا نکاح وقت حصول شرائط نکاح کے صحیح ہے اُسی طرح یہ نکاح بھی وقت حصول شرائط نکاح کے صحیح ہونا چاہئے اور اس نکاح کی حرمت کا قیاس زوجہ کی ماں یا بیٹی کے نکاح پر صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ زوجہ کی ماں یا بیٹی کی حرمت شرع نے صرف اُس پیوند و اتصال کے باقی اور مستحکم رکھنے کی غرض سے مقرر کی ہے جو زوجین کو بسبب نکاح کے حاصل ہوا۔

وہ اتصال جو زنا سے حاصل ہوتا ہے اُس کا باقی رکھنا مقصود شرع کا نہیں ہو سکتا ہے پس حرمت مصاہرت کا زنا سے ثابت کرنا کسی طرح شرع کے مناسب نہیں ۔

یہ تقریر مندرجہ صدر امام شافعی نے ایک مناظرہ میں امام محمد سے کی تھی اُنہوں نے تعجب کے ساتھ امام محمد سے یہ بھی کہا تھا کہ وطائے حمدت بہ و وطاء رجمت بہ فکیف یشتبھان یعنی ایک وطے سے تو آپ حمد وثنا کا مستحق ٹھہراتے ہیں اور دوسرے وطے سے اُس کو مستحق رجم قرار دیتے ہیں پھر وہ دونو آپس میں کیونکر مشابہ ہو سکتے ہیں[۵] ۔ غرض نہ تو آیت قرآنی کا کوئی مخصص موجود ہے جس سے آیت کی تخصیص ہو سکے نہ مذہب حنفی کی تائید کسی حدیث یا قیاس سے ہوتی ہے ۔

اِس نکاح کے صحیح ہونے میں حنفیہ کو ایک اَور وجہ سے بھی کوئی کلام نہیں ہو سکتا ۔ کیونکہ امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک نہی عن الشئ اُس کی مشروعیت کی دلیل ہے جیسا کہ بیع فاسد اور صوم یوم نحر میں اُن کا مذہب ہے پس جس طرح امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک بیع فاسد باوجود منہی عنہ ہونے کے منعقد ہو جاتی ہے اسی طرح سے یہ نکاح منعقد ہونا چاہئے ۔

(۱۳) امام شافعی کے نزدیک بغیر ولی کے نکاح درست نہیں ۔ امام ابوحنیفہ اس کے مخالف ہیں اُن کے نزدیک عورت بالغہ کو اپنے نکاح کا خود اختیار ہے اور اُس کو ولی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ۔ امام شافعی کی دلیل یہ آیت ہے لاتنکحوا مانکح اباؤکم یعنے تم اُس طریق سے نکاح نکرو جس طریق سے جاہلیت کے زمانہ میں تمہارے باپ دادا کرتے تھے ۔

محمد بن جریر طبری نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ جاہلیت میں بغیر ولی اور گواہوں کے نکاح کیا کرتے تھے اُسی کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی ہے امام ابوحنیفہ کی دلیل اس مسئلہ میں چند حدیثیں اور بعض اشارات قرآنی ہیں لیکن مطابق تحقیق شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے قیاساً وعقلاً ترجیح مذہب امام شافعی کو ہے یہانتک ہمنے جو مسائل بیان کئے اُن سے امام شافعی کے اجتہاد کی کیفیت اور اُسکا فرق

[۵] دیکھو تفسیر کبیر

اجتہاد امام ابوحنیفہ سے بخوبی ظاہر ہوگیا۔ مگر اس نے علی کے زمانہ میں جبکہ علوم قدیمہ روز بروز مٹتے چلے جاتے ہیں کوئی دلیل کسی مذہب کی صحت کی اس سے بڑھکر نہیں سمجھی جاتی کہ اس کے تمام احکام مصالح اور اسرار پر مبنی ہوں اور کوئی حکم خواہ من قبیل عبادات خواہ من قبیل معاملات خلاف عقل انسانی نہو۔ اگرچہ یہ بحث بڑی طولانی ہے کہ معاملات دینی میں عقل کو کہاں تک دخل ہے لیکن ہم اسی معیار کو تسلیم کرکے دعویٰ کرتے ہیں کہ جس قدر مصالح و اسرار کا لحاظ مذہب شافعی میں پایا جاتا ہے اتنا یہ لحاظ کسی اور امام کے مذہب میں نہیں پایا جاتا۔ امام شافعی کے اجتہادات کی خوبی اس باب میں بھی مقابلے سے ہی معلوم ہوسکتی ہے۔ ہم اس امر سے انکار نہیں کرسکتے کہ دوسرے ائمہ نے بھی اپنے اپنے مذہب کے مسائل میں مصالح تمدن کو ملحوظ رکھا ہے مگر حق یہ ہے کہ جمیع مسائل عبادات و معاملات میں اُن سے اس امر کا التزام نہ ہوسکا۔ چنانچہ ہم اس مقام پر اُن کے چند مسائل کا مقابلہ امام ابوحنیفہ کے مسائل سے کرتے ہیں اور دونو مذہب کے مسائل کی سہولت اور معقولیت کو پڑھنے والوں کی رائے پر چھوڑتے ہیں ❊

امام شافعی کے نزدیک	امام ابوحنیفہ کے نزدیک
۱ وضو اور غسل میں کلی کرنا اور ناک میں پانی دینا فرض نہیں ہے۔	۱ دونوں فرض ہیں۔ یہ نہ ہوں گے تو وضو اور غسل درست نہ ہوں گے۔
۲ قہقہہ لگاکر ہنسنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔	۲ اگر باوضو شخص قہقہہ لگاکر ہنسے گا تو اُس کا وضو ٹوٹ جائیگا۔ (بحالت نماز)
۳ بدن میں سے خون نکلنے یا قے آنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔	۳ قے سے اور خون سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔
۴ کھجور کے شیرہ سے وضو نہیں ہوسکتا پانی نہ ہو تو تیمم کرے۔	۴ کھجور کا شیرہ موجود ہو تو تیمم جائز نہیں شیرہ سے وضو کرنا چاہیئے۔

۵ وضو میں کلی کرتے وقت پانی بھولکر بے قصد حلق سے اتر جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔	۵ چاہے بے اختیار اور بھولکر ہی پانی حلق میں جائے روزہ ضرور ٹوٹ جاتا ہے۔
۶ مسلمان آقا پر کافر غلام کے بدلے صدقۂ فطر دینا واجب نہیں ہے۔	۶ کافر غلام کے لئے مسلمان کی طرح صدقۂ فطر واجب ہے۔
۷ نفل روزہ کی قضا واجب نہیں ہے۔	۷ نفل روزہ کی قضا بھی فرض کی طرح واجب ہے
۸ بیس۲۰ من سے کم غلہ پر کوئی مال گذاری نہیں ہے۔	۸ گھر کی کیاری میں سیر بھر غلہ پیدا ہو تو اُس پر بھی مال گذاری واجب ہے۔
۹ پہننے کے زیور میں زکوۃ نہیں ہے۔	۹ پہننے کے زیور میں زکوۃ دینی واجب ہے
۱۰ ہر حال میں نماز جمعہ درست ہے۔	۱۰ جمعہ تب درست ہے جب شہر ہو اور ملک کا کوئی بادشاہ بھی ہو۔
۱۱ عید کے دن کا روزہ رکھنے کی نذر ماننا جائز نہیں۔	۱۱ عید کے روزے کی بھی نذر جائز ہے۔
۱۲ کوئی کسی پر زبردستی کر کے اُس کی بیوی کو طلاق دلوادے اور وہ خوف جان سے طلاق دیدے تو اُس کی بیوی پر طلاق نہیں پڑیگی۔	۱۲ چاہے خوف سے ہی دی ہو۔ طلاق ضرور پڑ جائے گی۔ اور وہ اُس کی بیوی نہ رہے گی۔
۱۳ بغیر نیت کے یوں ہی طلاق کا لفظ بولنے سے طلاق نہیں پڑتی۔	۱۳ نیت ہو یا نہ ہو طلاق پڑ جاتی ہے۔
۱۴ مسلمان غلام کا کفار کو امن دینا درست ہے	۱۴ غلام کو امن دینے کا اختیار نہیں ہے۔ آقا اُس معاہدے کو توڑ سکتا ہے۔
۱۵ کسی شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا پھر	۱۵ چاہے وہ شخص کیسا ہی انکار کیوں نہ کرے اس

اسی مجلس نکاح میں عورت کو بے ہاتھ لگائے قاضی اور گواہوں کے سامنے طلاق دیدی اس عورت کے چھ ماہ بعد لڑکا پیدا ہوا تو اس لڑکے کا نسب نکاح کرنے والے سے ثابت نہیں کیا جائے گا۔	لڑکے کا نسب اُس شخص سے ضرور ثابت کیا جائے گا۔
۱۶ وضو میں جتنے حصہ سر پر چاہو مسح کر لو۔ وضو ہو جائے گا۔	۱۶ اگر سر کے چہارم حصے سے کم پر مسح ہو گا تو وضو درست نہ ہو گا۔

چونکہ مذہب امام شافعی کے مقابلے میں بعض مسائل حنفی بہت غیر معقول تھے یا ان کی تعمیل ممکن نہ تھی یا اُن میں کسی اور قسم کی بے احتیاطی پائی جاتی تھی اس لئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود حنفیوں نے اپنے امام کا مذہب چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کیا اور اس قسم کے مسائل حنفیہ رفتہ رفتہ متروک و غیر معمول بہا ہو گئے اور ان کی جگہ مسائل شافعیہ نے لی جو اُن سے بہتر تھے۔ چنانچہ ہم مثال کے طور پر چند ایسے مسائل کا نشان دیتے ہیں۔

مسئلہ حنفیہ جو ترک کیا گیا	مسئلہ شافعیہ جو اسکی بجائے اختیار کیا ہے
وضو بے نیت اور بے ترتیب جائز ہے	بے نیت اور ترتیب کے وضو صحیح نہیں ہے
کھجور کے شیرہ سے وضو درست ہے	ایسے شیرے سے وضو درست نہیں
ذبح کئے ہوئے کتے کی کھال پاک ہے	ذبح ہو یا بے ذبح کتے کی کھال حرام و ناپاک ہے
سورہ الحمد کے پڑھے بغیر نماز ہو سکتی ہے	الحمد پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔
آخر دو رکعتوں میں قرآن مجید کا پڑھنا ضروری نہیں ہے	ہر رکعت میں قرآن مجید کا پڑھنا ضروری ہے۔
پہلی دو رکعتوں کے بعد التحیات پڑھنا ضروری نہیں ہے	دو رکعت کے بعد بیٹھکر ضرور التحیات پڑھنا چاہئے۔

بیماری اور سفر کی وجہ سے بھی ظہر اور عصر۔ اور مغرب و عشا نمازوں کو ملا کر نہ پڑھے۔	مسافر و بیمار کے لئے ایسا کرنا جائز ہے۔ ان کے لئے تو روزے کا افطار کرنا بھی جائز ہے۔
نماز بے درود پڑھے بھی ہو سکتی ہے	نہیں نبی پر درود ہونا ضروری ہے۔ اس کے بغیر نماز ہی کیا ہوئی۔
کپڑے پر ایک روپیہ کے برابر پیشاب وغیرہ کی نجاست لگی ہو تو ایسے کپڑے سے نماز ہو سکتی ہے	روپیہ بھر چوڑی جگہ میں پیشاب لگا ہو تو ایسے نجس کپڑے سے نماز نہیں ہو سکتی۔
رکوع و سجدے میں ٹھیرنا ضرور نہیں۔	ٹھیرنا ضرور ہے۔
نماز میں قرآن شریف یعنی اصل کلام خدا کا پڑھنا ضروری نہیں۔ ترجمہ بھی پڑھ سکتے ہیں	اصل قرآن شریف پڑھنا ضرور ہے ترجمے سے نماز نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ خدا کا کلام نہیں۔
گھوڑے کا گوشت حرام ہے	حلال ہے۔ تمام حنفی ماوراء النہر اور کاشغر کے بازاروں میں بیچتے ہیں۔
نکاح ہبہ کے لفظ سے بھی ہو سکتا ہے ۔	نکاح لفظ نکاح سے ہی ہونا چاہئے ۔

یہ بتلا دینا بھی ضرور ہے کہ اس قسم کے مسائل میں ہمارا یہ دعویٰ ہرگز نہیں کہ امام ابوحنیفہ کے مسائل غلط ہیں۔ غلط یا صحیح ہونا دوسری بات ہے۔ ہم اس مقام پر صرف یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ یہ مسائل حنفیہ دنیا میں ترک ہو گئے ہیں۔ خواہ اس کی کچھ ہی وجہ ہو۔ اور اس کے بجائے شافعی مذہب کے مسائل کو اختیار کیا ہے تو ضرور کوئی نہ کوئی اندرونی کشش اور وجہ ترجیح مذہب شافعی میں ہے جس کی وجہ سے مسائل شافعیہ نے زبردستی حنفیوں میں گھس کر ان کے مذہب میں بھی اپنا گھر کر لیا ہے ۔

ذمی کے بدلے مسلمان کی جان نہ لینا شافعی مذہب کا ایک مسئلہ ہے جسے اس دلانے کے حق پسند نہیں گے اور ایسے مسئلے کی وجہ سے امام صاحب کو ضرور تنگدل کہیں گے۔ مگر محققین

کی خوبی صرف یہی نہیں کہ بڑے چمکیلے اور خوشنما قانون بنائے بلکہ ایسے قانون بنائے جن پر عملدرآمد ہو سکتا ہو۔ فاتح اقوام نے ہر ملک اور ہر زمانے میں ایسے قانون مفتوح لوگوں کی تسلی کے لئے بنائے ہیں مگر اُن پر کبھی عملدرآمد نہیں ہو سکا۔ کیا اُن خیرخواہاں اور وفاداران ملک کی جان جو بادشاہ کے لئے بیدریغ اپنا خون بہانے کو تیار بیٹھے ہیں اُن لوگوں کی جان کی مانند سمجھی جا سکتی ہے جو ہر وقت سرشوری اور نمکحرامی کے لئے موقعے اور رخنے ڈھونڈھتے رہتے ہیں +

امام اعظم کا مسئلہ کہ ذمی کے عوض اعلےٰ درجہ کا مسلمان حتیٰ کہ خلیفۂ وقت بھی قتل کیا جا سکتا ہے ظاہر میں بڑا ہی خوشنما معلوم ہوتا ہے مگر خود حنفیوں کو ہی اس مسئلے کے دفع کرنے میں ہمیشہ حیلے حوالے کرنے پڑے ہیں اور ابتدائے اسلام سے آجتک تمام حنفی سلطنتوں میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی جس میں اس قانون پر عمل ہوا ہو بلکہ خود **قاضی ابو یوسف** کو جو قانون حنفی کے اصل مقنن اور فقہ حنفیہ کے روح رواں تھے اپنا یا اپنے اوستاد کا بنایا ہوا قانون بار ہا توڑنا پڑتا تھا +

حکایت ہارون رشید کے زمانے میں کسی مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا تھا۔ اولیائے مقتول نے اس مقدمہ کا مرافعہ **قاضی ابو یوسف** کے محکمے میں پیش کیا اور مقتول کا قصاص طلب کیا۔ جبکہ یہ مقدمہ قاضی صاحب کے اجلاس میں دایر تھا اُن کے پاس ایک رقعہ پہنچا جس میں یہ اشعار مندرج تھے:۔

یا قاتل المسلم بالکافر	جُرت وما العادل کالجائر
فاسترجعوا ابکوا جمیعاً معاً	ثم اصبروا فالاجر للصابر

قاضی نے کسی قرینے سے پہچان لیا کہ یہ اشعار زبیدہ نے بھیجے ہیں۔ چنانچہ وہ مقدمہ کو تاریخ آیندہ پر ملتوی رکھ کر **ہارون رشید** کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام صورت مقدمہ سُنائی۔

شاہ عادل نے بھی یہی سمجھایا کہ جس طرح ممکن ہو کوئی ایسا حیلہ نکالو جس سے قصاص ساقط ہوجائے قاضی صاحب جن کی دانشمند طبع کے آگے ایسے حیلے ایک ادنی بات تھی اجلاس میں تشریف لائے اور ورثاے مقتول سے مخاطب ہوئے کہ بے شک تم کو قانوناً مسلمان قاتل سے اپنے مقتول کے قصاص لینے کا استحقاق حاصل ہے مگر بایں شرط کہ تم شہادت کافی سے ثابت کرو کہ جب مقتول قتل ہوا اُس وقت وہ جزیہ ادا کرتا تھا۔ ورثاے مقتول جن کو خبر نہ تھی کہ اُن کو ایسی شہادت پیش کرنی پڑے گی ثبوت مطلوبہ سے عاجز ہو گئے اور قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس حیلہ سے قصاص ساقط کیا۔ امام شافعی نے کبھی عہدۂ قضا اختیار نہیں کیا لیکن ان کی پکی ایمانداری اور راستبازی اس بات کو گوارا نہ کرتی تھی کہ وہ ایسا قانون بنائیں جو صرف کتاب میں لکھے جانے کے لئے ہو۔ اُنہوں نے وہ قانون بنایا جس کی صحت پر نہ صرف شریعت گواہ ہے بلکہ تمام دُنیا کی قوموں کا عملدرآمد ہے۔

علم کلام

جن لوگوں نے امام شافعی پر اس وجہ سے طعن کیا ہے کہ وہ علم کلام نہیں جانتے تھے اُن کا منشا غلطی وہ روایات ہیں جو امام شافعی سے اُن کے اکثر شاگردوں نے علم کلام کی مذمت میں نقل کی ہیں ہم یہاں پر اول اُن روایات کو نقل کرتے ہیں پھر یہ بھی بتائیں گے کہ اُن روایتوں سے یہ نتیجہ نکالنا کہ امام شافعی علم کلام سے واقف نہ تھے یا وہ علی الاطلاق اُس کو بُرا جانتے تھے صحیح نہیں۔ یونس کی روایت ہے کہ امام شافعی فرماتے تھے کہ اگر انسان شرک کے سوا تمام گناہوں کا مرتکب ہو کر خدا کے دربار میں حاضر ہو تو اس سے بہتر ہے کہ علم کلام حاصل کرے ابو ثور کی روایت ہے کہ امام شافعی کہتے تھے کہ علم کلام کی چادر اوڑھنے والے نے کبھی فلاح نہیں پائی۔ زعفرانی کی روایت ہے کہ علم کلام والوں کے حق میں امام شافعی یہ فتوی دیتے تھے

کہ اُن کو لکڑیوں سے مارا جائے اور اُنہیں اونٹوں پر اوندھا لٹکا کر گلی کوچوں میں پھرایا جائے اور خوب تذلیل کی جائے ۔ مزنی کی روایت ہے کہ علم کلام اہل کلام پر لعنت کرتا ہے ۔ امام احمد کہتے ہیں کہ امام شافعی میں سب سے عُمدہ خصلت یہی تھی کہ وہ علم کلام کی طرف متوجہ نہ تھے اور اُن کی ہمت صرف فقہ پر مصروف تھی ۔ اس قسم کی اور بھی بہت سی روایتیں امام شافعی سے منقول ہیں ۔ ان روایات کی بنا پر بعض لوگوں نے امام شافعی پر یہ اعتراض کیا ہے کہ وہ علم کلام سے بغض رکھتے تھے اور اس علم سے ناواقف تھے اور چونکہ علم کلام علم ہے معرفت ذات وصفات اور نبوّت انبیا کا پس جو شخص اس علم سے ناواقف ہے وہ ناواقف ہے ذات وصفات اور نبوّت انبیا سے پھر ایسا شخص مجتہد مستقل کیونکر ہو سکتا ہے جو پورے طور پر ذات وصفات اور نبوّت انبیا سے بھی واقف نہ ہو[۵] ۔ مگر ان لوگوں نے ان روایات کے محامل صحیحہ پر ذرا غور نہیں کیا ۔ بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ مزنی سے روایت کیا ہے کہ ایکبار

---

[۵] اس بات کے ثبوت میں کہ علم کلام علم ہے ذات وصفات باری اور نبوت انبیا علیہم السلام کا علماء متکلمین یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ معرفت نبوت انبیا ضروری تو ہے نہیں بلکہ اُسکا ثبوت دلیل پر موقوف ہے اور دلیل دو قسم کی ہوتی ہے سمعی یا عقلی لیکن نبوت انبیا کی دلیل ۔ دلیل سمعی ہونا تو ممکن نہیں کیونکہ صحت سمع خود معرفت ذات باری اور معرفت نبوت پر موقوف ہے اور اُسی میں کلام ہے پس لامحالہ ثبوت ذات وصفات اور نبوت انبیا علیہم السلام دلائل عقلی ہی پر موقوف ہوا اور علم کلام میں یہی ہوتا ہے کہ ذات وصفات باری تعالیٰ عز اسمہ ونبوت انبیا رضوان اللہ علیہم السلام حشر ونشر وغیرہ امور کو دلائل عقلی سے ثابت کیا جاتا ہے پس معلوم ہوا کہ علم کلام پر معرفت ذات وصفات باری تعالیٰ اور معرفت نبوت انبیا علیہم السلام موقوف ہے ۔ علاوہ ازیں قرآن کریم اول سے آخر تک دلائل عقلیہ توحید ونبوت تقدیس وتنزیہ حشر ونشر وغیرہ امور سے پُر ہے پس علم کلام میں طعن کرنا درحقیقت قرآن کریم میں طعن کرنا ہے ۔

میرے اور ایک ملحد کے درمیان ایک مسئلہ میں مناظرہ ہوا اُس نے مجھ پر ایک کلامی اعتراض وارد کیا جس کے جواب سے میں عاجز ہو گیا اور میرے دل میں اپنے مذہب کی حقیت مشکوک ہو گئی میں اُس وقت گھبرا کر امام شافعی کے پاس دوڑا ہوا آیا اور تمام کیفیت جو مجھ پر گذری تھی بیان کی امام شافعی نے میرا تمام حال سُنکر فرمایا کہ یہ اعتراض ملحدوں کا ہے اور اِس کا جواب اس طرح پر ہے ۔ بیہقی اس روایت کے بیان کرنے کے بعد اپنی راے ظاہر کرتا ہے کہ اِس روایت سے امام شافعی کا علم کلام سے ماہر ہونا ثابت ہوتا ہے ورنہ وہ اُس ملحد کے اعتراض کا جواب کیونکر دے سکتے ۔

بیہقی نے ایک اَور روایت مزنی سے نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ ہم چند آدمی امام شافعی کے دروازے پر بیٹھے ہوئے علم کلام میں مناظرہ کر رہے تھے اتنے میں امام شافعی مکان کے اندر سے باہر تشریف لائے اور ہماری تمام تقریر سُن کر پھر اندر چلے گئے ۔ اور ایک ہفتہ تک گھر سے باہر نہ نکلے ۔ ایک ہفتہ کے بعد ہم لوگوں سے ملے اور کہنے لگے کہ میں ایک ہفتہ تک تم سے صرف اِسی غرض سے نہیں ملا کہ تم لوگ فضول کلام میں گفتگو کر رہے تھے کیا تمہیں یہ خیال ہے کہ میں علم کلام نہیں جانتا ۔ میں علم کلام بہت کچھ جانتا ہوں مگر ہاں علم کلام کی کوئی حد نہیں پس تم علم کلام میں وہاں تک گفتگو کرو کہ اگر بالفرض تم سے کوئی خطا بھی ہو جائے تو تمہاری طرف صرف خطا ہی کا الزام عائد کیا جائے ایسی باتوں میں نہ پڑو جن میں خطا کے ہو جانے سے تمہاری طرف کفر کا الزام عائد کیا جائے ۔ بیہقی اِس روایت کے بیان کرنے کے بعد کہتا ہے کہ اِس روایت سے یہ بات بخوبی ثابت ہوتی ہے کہ امام شافعی علم کلام میں کامل دسترس رکھتے تھے مگر اس علم سے عام لوگوں کی طبیعت میں جو مفاسد پیدا ہوتے ہیں اُن کے خوف سے وہ مناظرہ کا دروازہ نہیں کھولتے تھے اصل بات یہ ہے کہ اُس زمانہ میں چونکہ

عموماً اہل بدعت کا غلبہ تھا اور عنان حکومت بھی اُنہیں لوگوں کے ہاتھ میں تھی اس لئے وہ جس قسم کا مذہب چاہتے تھے اپنی طبیعت کے مطابق ایجاد کر لیتے تھے اور فلسفہ باطلہ سے اُس کی تائید کرتے تھے علم کلام بھی اُن لوگوں نے اپنے ہی عقائد کے مطابق بنا لیا تھا۔ اور دلائل محققین کی طرف گو کہ وہ کیسی ہی پختہ اور مدلل کیوں نہ ہوتیں وہ لوگ مطلقاً التفات نہیں کرتے تھے مثلاً مسئلہ قدم قرآن ایک صاف اور سیدھا مسئلہ ہے جس کے ابطال کی کوئی وجہ نہیں مگر اُن لوگوں کی سمجھ میں یہ سیدھا سادھا مسئلہ نہیں آتا تھا اور ناحق اہل حق سے کج بحثیاں کرتے تھے پس جب امام شافعی کو تجربہ سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ یہ لوگ مناظرہ بغرض تحقیق حق نہیں کرتے اور محض بہ طمع ریاست و امارت اہل حق کو تنگ کرنا چاہتے ہیں تو اُنھوں نے اُس وقت کے کلام باطلہ سے جو اہل بدعت میں رائج تھا کنارہ کشی اختیار کرنی مناسب سمجھی اور عام لوگوں کے عقائد محفوظ رکھنے کی غرض سے اُس کی مذمت کرنی شروع کی[۱] چنانچہ خاص اسی غرض سے امام شافعی سے پیشتر خود حضرت امام ابو حنیفہ نے بھی علم کلام کی بے انتہا مذمت فرمائی ہے[۲]۔

امام شافعی کا یہ بھی خیال تھا کہ ثبوت وحدانیت و نبوّت و معاد وغیرہ امور میں صرف اُنہیں دلائل کی تائید اور نصرت کرنی چاہئے جو قرآن کریم میں مذکور ہیں کیونکہ ان امور کے ثبوت میں جیسی قوی اور مستحکم دلائل قرآن کریم میں بیان کی گئی ہیں اُن سے بہتر دلائل ایجاد کرنا تو ممکن نہیں پھر اُن دلائل کو چھوڑ کر دوسری دلائل کی تلاش کرنا محض فضول ہے چنانچہ اس بات کی طرف امام شافعی نے اپنے اِن اشعار میں اشارہ بھی کیا ہے۔ یعنی خدا اپنی نصرت اور امداد سے

ہمیشہ اپنے بندوں کے ساتھ رہا یہاں	لم یبرح اللہ حتی احد ثوا بدلنا

[۱] مناقب الشافعی امام رازی [۲] میزان کبریٰ شعرانی۔

فی الدّین بالرای لم یبعث به الرسل
حتّٰی استخف بدین الله اکثرهم
وفی الذی حکموا من حقّهٖ شغل

تک کہ اُنہوں نے اپنی اٹکلوں سے دین میں ایسی بدعتیں ایجاد کیں جنکی تعلیم کو رسول نہیں بھیجے گئے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کے دین کو اکثر لوگ خفیف سمجھنے لگے اور اُن باتوں میں مشغول ہوگئے جن کو اُنہوں نے اپنی راے سے خدا کے حق میں تجویز کیا۔ اس بیان سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ امام شافعی نے جس علم کلام کی مذمت کی ہے وہ صرف وہی علم کلام ہے جس سے اہل بدعت اپنے عقائد باطلہ کی ترویج کرتے تھے ورنہ جو دلائل وحدانیت اور نبوت و قدر وغیرہ امور کے ثبوت میں امام شافعی سے منقول ہیں سچ تو یہ ہے کہ اُن سے بہتر آجتک کسی متکلم نے بیان نہیں کیں چنانچہ ہم یہاں بعض دلائل کا جو اُن سے منقول ہیں مختصر طور پر کچھ ذکر کرتے ہیں:۔

ذکر البھقی فی حکایة طویلة ان بشر المریسی قال للشافعی فی مجلس الرشید ما الدلیل علی ان الا اله واحد فقال الشافعی اختلاف الاصوات من المصوت دلیل علی انه واحد وعدم الضد فی الکمال علی الدوام دلیل علی انه واحد واربع نیران مختلفات فی جسد واحد متفقات علی ترتیبه فی استقامة الشکل دلیل علی انه واحد واربع طبائع مختلفات فی الخافقین اضداد غیر اشکال مؤلفات

بیہقی نے بسند صحیح روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ بشر مریسی نے ہارون رشید کی مجلس میں امام شافعی سے دریافت کیا کہ خدا کے واحد ہونے پر کیا دلیل ہے امام شافعی نے جوابدیا کہ آوازوں کا اختلاف خدا کی وحدانیت کی دلیل ہے۔ اور کمال علی الدوام میں ضد کا نہونا خدا کی وحدانیت کی دلیل ہے۔ اور جسم واحد میں چار مختلف آتشوں کا باوجود استقامت شکل کے اپنی ترتیب میں متفق ہونا خدا کی وحدانیت کی دلیل ہے۔ اور چار مختلف

علی صلاحہم الاحوال دلیل علی انہ واحد	اور مقتضا و طبیتوں کا صلاحیت احوال پر مرکب ہونا خدا کی وحدانیت کی دلیل ہے۔
وفی خلق السمٰوات والارض واختلاف الیل والنہار الی قولہ لاٰیٰت لقوم یعقلون دلیل علی انہ واحد لا شریک لہ	اور خلقت آسمان و زمین اور اختلاف روز و شب میں خدا کی وحدانیت کی دلیل ہے۔

یہ چار دلیلیں ہیں جو امام شافعی نے خدا کی وحدانیت کی بیان کی ہیں اور پانچویں دلیل جو اُنہوں نے اخیر میں بیان فرمائی ہے وہ قرآن مجید کی ایک آیت ہے امام فخر الدین رازی نے اِن چاروں دلیلوں کی جو شرح کی ہے ہم اُس کا خلاصہ یہاں درج کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

دلیل اوّل اختلاف اصوات جو اعضاء کہ جسم انسان میں آواز اور حروف پیدا کرنے کے ذریعے اور آلات ہیں وہ خاص خاص آلات ہیں یعنی زبان ۔ دانت ۔ لب حلق ۔ حنجرہ اور یہ بات ظاہر ہے کہ ان آلات میں ہر ایک انسان شریک ہے مگر باوجود اس اشتراک کے ایک دوسرے کی آوازوں میں باہم اس درجہ اختلاف ہے کہ تمام دنیا میں دو آدمی بھی ایسے نہیں پائے جاتے جن کی آواز بہمہ وجوہ ایک دوسرے کے مشابہ ہو بلکہ ہر شخص کی آواز میں ایک خاص قسم کی خصوصیت موجود ہے جس سے اُس کی آواز دوسرے شخصوں کی آواز سے بالکل علیحدہ معلوم ہوتی ہے اور اس خصوصیت کی نسبت نطفہ یا رحم یا افلاک یا انجم وغیرہ کی طرف صحیح نہیں ۔ کیونکہ ان چیزوں کی طرف جمیع انسانوں کی نسبت مساوی ہے ۔ پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی ایسا صانع قادر حکیم مختار نہوتا کہ جس نے ان خصوصیتوں کو ہر انسان کے آلات سے مختص کر دیا ہے تو یہ اختلاف آواز ممکن نہ تھا کیونکہ ان آلات میں تو جمیع انسان برابر ہیں ۔ اور ایسا حکیم صانع مختار صرف ایک ہی ہو سکتا ہے ورنہ درصورت تعدد نظام

عالم روش واحد پر قایم نہ رہتا[ل] ۰

دلیل دوم۔ کمال علی الدوام میں ضد کا نہ ہونا۔ انسان کا بدن ہمیشہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف بدلتا رہتا ہے۔ مثلاً زمانۂ طفولیت۔ زمانۂ شباب۔ زمانۂ کہولت۔ زمانۂ شیخوخت وغیرہ ہیں۔ اور اسی طرح مختلف عوارض سے کبھی انسان لاغر ہوتا ہے کبھی جسیم و توانا۔ کبھی حار کبھی بارد۔ مگر باوجود ان تمام اختلافوں کے آواز اور صورت میں کسی قسم کا اختلاف اور تغیر واقع نہیں ہوتا۔ پس اگر یہ تغیرات طبیعت اور مزاج کی طرف منسوب کئے جائیں تو آواز اور صورت کو بھی طبیعت اور مزاج سے وہی نسبت ہے جو تمام بدن کو مگر جب آواز اور صورت باوجود ان تمام اختلافات کے ہمیشہ ضد سے محفوظ ہے اور ایک ہی حالت پر باقی رہتے ہیں تو لامحالہ اس بات کا اقرار کرنا پڑے گا کہ ان کی حفاظت اور بقا کا سبب محض فاعل مختار ہے جو اُن کو ایک ہی طریق پر قائم رکھتا ہے۔ اور ایسے فاعل مختار کا واحد ہونا ضرور ہے تاکہ نظام

ل جس طرح دو انسانوں کی آواز ایک دوسرے سے مشابہ نہیں اسی طرح دو آدمیوں کی صورت بھی بہمہ وجوہ مشابہ نہیں اور یہ بڑی دلیل ہے وجود صانع مختار پر اور اسی کی طرف اشارہ ہے خدا تعالیٰ کی اس کلام میں من اٰیٰتہ اختلاف السنتکم والوانکم یعنی خدا تعالیٰ کی بڑی نشانیوں میں سے ہے اختلاف تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ بساط شطرنج سے مجھے بڑا تعجب ہے کہ اُس کا عرض و طول صرف ایک ہاتھ کا ہوتا ہے مگر باوصف اس کے اگر دس لاکھ مرتبہ بھی شطرنج کھیلی جائے تو ہر مرتبہ نئی ہی چال کا اتفاق ہوتا ہے۔ یہ سُن کر حضرت عمر نے فرمایا کہ یہ کیا تعجب کی بات ہے میں تجھے اس سے بھی عجیب بات بتلاؤں انسان کا چہرہ صرف ایک بالشت لانبا اور ایک بالشت چوڑا ہے مگر باوصف اس بات کے تمام دنیا میں بھی ایک شخص کا چہرہ دوسرے سے مشابہ نہیں ہے۔ ماخوذ از تفسیر کبیر و مناقب الشافعی للامام الرازی +

عالم میں خلل واقع نہ ہو ٭

دلیل سوم چار مختلف آتشوں کا جسم واحد میں باوجود استقامت شکل کے اپنی اپنی ترتیب میں متفق ہونا۔

(۱) نارِ شہوت یہ بدن انسان میں ایک حرارت ہے کہ قضائے شہوت کے وقت اس کا ظہور ہوتا ہے۔

(۲) نارِ غضب یہ وہ حرارت ہے جس کا ظہور غضب کے وقت ہوتا ہے۔

(۳) نارِ معدہ وہ حرارت ہے جو اعضائے غذا سے مختص ہے اور ہضم میں مؤثر ہے۔

(۴) نارِ حرارت غریزی یہ وہ حرارت ہے جو قلب میں پیدا ہوتی ہے اور جس پر زندگی انسان کی موقوف ہے

یہ چاروں حرارتیں اپنی اپنی ماہیت میں مختلف اور متبائن ہیں اور باینہمہ بدن انسان میں مجتمع ہیں اور ہر ایک اپنی صفت خاص پر موجود ہے۔ یہ چاروں بدن میں ایسی پوشیدہ ہیں کہ بغیر حاجت ان کا ہرگز ظہور نہیں ہوتا۔ مگر جس وقت ان کی حاجت پڑتی ہے وہ فوراً حاضر ہو جاتی ہیں پھر باوجودیکہ ان حرارتوں میں باعتبار ماہیت کے اعلے درجہ کا تبائن اور اختلاف واقع ہے لیکن تحصیل فوائد انسان میں ہر ایک کو ایک دوسرے سے اتفاق ہے۔ اور چاروں استقامت جسم انسان کی موجب ہیں پس ثابت ہوا کہ فاعل مختار ان چاروں مختلف آتشوں کو استقامت جسم انسان کے لئے متفق رکھتا ہے۔ ورنہ ماہیات متبائنہ متضادہ میں اتفاق ممکن نہ تھا۔ اور ایسا فاعل مختار بیشک ایک ہی ہو سکتا ہے ٭

دلیل چہارم چار مختلف متضاد طبیعتوں کا صلاحیت احوال پر مرکب ہونا۔

اطباء کے اقوال کے مطابق بدن حیوان عناصر و اخلاط یعنی آگ۔ پانی۔ خاک۔ ہوا۔ سودا۔ صفرا۔ بلغم۔ خون سے مرکب ہے اور یہ سب چیزیں اپنی اپنی طبیعت میں ایک

دوسرے سے متعاند اور متضاد ہیں پس اس کا اجتماع بدن واحد میں ضرور ہے کہ قسرقاسر اور تدبیر مُدبّر سے ہو ورنہ بذات خود یہ چیزیں ایک دوسرے سے متضاد ہیں اور یہ قاسر اور مُدبّر صرف صانع مختار واحد ہی ہو سکتا ہے ⁂

ثم قال بشر المریسی فی ھذا المجلس ما الدلیل علی ان محمداً رسول اللہ فقال الشافعی الدلیل علی نبوۃ محمدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم القراٰن المنزّل واجماع الناس والایات التی لا تلیق باحدٍ غیرہٖ ⁂

پھر بشر مریسی نے امام شافعیؓ سے اسی مجلس میں دریافت کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی کیا دلیل ہے امام شافعیؓ نے جواب دیا کہ قرآن منزل من اللہ اور تمام مخلوق کا اس پر اتفاق۔ کہ قرآن صرف محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی زبان سے ظاہر ہوا ہے۔ اور وہ خاص نشانیاں جو نبی کے سوا ہرگز کسے کے لائق نہیں۔ اس قول میں امام شافعی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر دو دلیلیں بیان کی ہیں ایک قرآن کریم۔ دوسرے وہ نشانیاں جو بجز نبی کے دوسرے میں نہیں پائی جا سکتیں۔ لیکن چونکہ قرآن کا آپ کی نبوت پر دلیل ہونا اس بات پر موقوف تھا کہ قرآن آپ کے سوا کسی اَور کا کلام نہ ہو اور اس کے ثبوت کا طریق بجز تواتر عامہ کے اور کچھ نہیں تھا لہذا اُس کے ثبوت کی امام شافعیؓ نے یہ دلیل بیان کی کہ لوگوں کا اجماع یعنے ہر موافق و مخالف کا اس بات پر اقرار کرنا کہ قرآن مجید بجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور کسی پر ظاہر نہیں ہوا اَور نہ بجز آپ کے اس بات کا کسی نے دعویٰ کیا ہے۔ قرآن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ایسا غیر فانی اور ابدی معجزہ ہے جس کا معارضہ قیامت تک کسی منکر سے نہیں ہو سکتا اُس کا نور اپنے زور سے خود کروڑوں منکروں کو بغیر ہدایت کسی ہادی کے ہر زمانہ میں اپنی طرف کھینچتا ہے لہٰذا

کفر وضلالت کی تاریکی سے ہدایت کی روشنی میں آتا ہے - قرآن میں بے شمار معجزات اندرونی و بیرونی موجود ہیں جو ہر کسی کو اُس کے بغور دل مطالعہ کرنے سے معلوم ہو سکتے ہیں - خود قرآن مجید علی الاعلان دعوی کرتا ہے کہ بغور دل و توجہ کامل ایکبار اُسے سن لو پھر دیکھو کہ کیونکر تمہارا دل اُس سے پھرتا ہے اور ہدایت قبول نہیں کرتا *

دوسری دلیل جو آپ کی نبوت کی امام شافعی نے بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ آپ کو ایسی نشانیاں دی گئیں جو ایک اعلی مرتبہ کے نبی ہی میں ہو سکتی ہیں - مثلاً آپ کے عُمدہ اخلاق اپنے دشمنوں سے نیک سلوک مصیبت میں اعلی درجہ کا صبر و استقلال - رذایل سے پاک ہونا - نعماے دنیا کو حقیر سمجھنا جس قدر قوتیں انسان میں قدرت نے ودیعت رکھی ہیں اُن سب کا حد اعتدال پر قائم رکھنا - اور ہر ایک سے خدا کی مرضی کے مطابق کام لینا - یتیموں اور بیکسوں کی مصیبت میں کام آنا - باوجود برداشت تکالیف شاقہ کے اپنے ارادہ میں اخیر دم تک قائم رہنا وغیرہ وغیرہ - غرض مجموعہ خصائل حسنہ کا علی وجہ التمام والکمال ایک شخص میں ایسے طور پر جمع ہونا کہ اُس طور پر نہ اُس سے پہلے کسی میں جمع ہوے ہوں نہ اُس کے بعد اور جس سے وہ حسنت جمیع خصالہ کا پورا پورا مصداق اور تمام نیکیوں اور خوبیوں کا نمونہ ہوگیا ہو یہ سب باتیں اُس شخص کی نبوت کا یقین دلاتی ہیں - یہ دلیلیں تو امام شافعی رضہ نے خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بیان کی ہیں جن سے بڑھ کر آجتک کسی متکلم کو نہیں سوجھیں - اور ثبوت نبوت عامہ میں سب سے پہلے براہمہ منکرین نبوت کے رد میں جس شخص نے کتاب لکھی اور اُس پر دلائل قائم کیں وہ صرف حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہی ہیں[۱] پس کسی جاہل کا اُن پر یہ طعن کرنا کہ وہ علم کلام سے ناواقف تھے کسقدر نا سمجھی ہے

[۱] دیکھو رسالہ مناقب الشافعی امام رازی

ثبوت قضا و قدر میں امام شافعی فرماتے ہیں کہ مخلوق کی مشیت خدا تعالی کی مشیت کے

ان المشیۃ لہ دون خلقہ وان مشیتہم لا تکون الا ان یشاء اللہ	بالکل غیر ہے اور مخلوق کی مشیت بغیر خدا کی مشیت کے نہیں ہوسکتی۔ اس قول میں

امام شافعی اُس دلیل کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو مثبتین قضا و قدر کے اقوی دلائل میں سے ہے۔ اس کی تقریر اس طرح پر ہے کہ انسان سے کسی فعل کا صادر ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ اُس فعل کے صدور سے پہلے اُس فعل کے کرنے کا اُس کے دل میں ارادہ پیدا ہو اور اُس ارادہ کا پیدا ہونا دوسرے ارادہ پر موقوف ہے جس سے یہ ارادہ پیدا ہو پس یہ ارادے غیر تناہی تو ہو نہیں سکتے ورنہ لازم آتا ہے کہ کبھی کوئی فعل ہی صادر نہو اور انسان ہمیشہ ارادوں ہی میں رہا کرے لہذا ضرور ہوا کہ ارادہ انسان ارادہ خدا تعالی پر موقوف ہے جو انسان کے قبضہ سے باہر ہے۔ اور جب یہ بات ثابت ہوئی تو تمام افعال خدا تعالی کے ارادہ پر موقوف ہوئے اور اِسی کا نام قضا و قدر ہے۔ پھر ثبوت قضا و قدر میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اشعار لکھے ہیں یعنی

ماشئت کان وان لم اشاء وماشئتُ ان لم تشاء لم یکن خلقت العباد علی ما علمت ففی العلم یجری فتی والمسن علی ذا مننت وھذا خذلت وھذا اعنت وذا لم تعن فمنھم شقیٌ ومنھم سعید ومنھم قبیحٌ ومنھم حسن	جو تو نے چاہا ہو گیا اگرچہ میں نے نہ چاہا اور جو میں نے چاہا اگر تو نے نہ چاہا نہ ہوا تو نے بندوں کو اپنے علم کے مطابق پیدا کیا پس علم الہی میں جاری ہوتا ہے جوان اور بوڑھا اس پر تو نے احسان کیا اور اس کو ذلیل کیا اور اُس کی مدد کی اور اس کی نہ کی پس بعض اُن میں شقی ہیں اور بعض سعید اور بعض قبیح اور بعض حسین۔ امام فخر الدین رازی

لکھتے ہیں کہ جس قدر دلائل ثبوت قضا و قدر کے امام شافعی نے ان ابیات میں جمع کئے ہیں اُس قدر بڑے بڑے متکلمین نے بھی اپنی تصانیف میں ذکر نہیں کئے[1]۔

پہلی دلیل ثبوت قضا و قدر کی یہ ہے کہ کافر ہمیشہ طلب ایمان اور حق کا ہی ارادہ کرتا ہے نہ کفر و جہل کا پس اگر اُس کے افعال خود اُس کے اختیار میں ہوتے تو اُسے حق اور ایمان حاصل ہوتا۔ نہ کفر و جہل اور جبکہ حقیقت الامر بالضد ہے تو معلوم ہوا کہ اُس کے اپنے افعال خود اُس کے اختیار میں نہیں بلکہ جو کچھ وہ کرتا ہے محض خدا کے ارادہ سے کرتا ہے اور یہی مطلب ہے شعر اوّل کا اور یہی مطلب ہے قول امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہ کا عرفت ربی بنقض العزائم وفسخ الھمم یعنے میں نے اپنے رب کو ارادوں کے ٹوٹ جانے اور قصدوں کے فسخ ہو جانے سے پہچانا[2]۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ جمیع معلومات کا عالم ہے اور منجملہ معلومات کے یہ بھی ہے کہ خلاف معلوم خدا کا واقع ہونا ناممکن ہے۔ پس ضرور خدا تعالیٰ اسکا بھی عالم ہوگا کہ خلاف اُس کے معلوم کا محال ہے اور جب یہ بات ثابت ہوئی تو ضرور یہ بات بھی ماننی پڑیگی کہ جس چیز کے وقوع کا اُس کو علم ہے خواہ وہ کفر ہو یا ایمان اُس کے وقوع کا اُس نے ارادہ بھی ضرور کیا ہے اور جس چیز کے عدم وقوع کا اُس کو علم ہے اُس کا اُس نے ارادہ نہیں کیا۔ لہذا جس چیز کے عدم وقوع کا اُسے علم ہے تو ضرور اُس کا وقوع نہ ہوگا اور جس چیز کے وقوع کا اُسے علم ہے اُس کا وقوع ضرور ہوگا اور یہی مطلب ہے شعر ثانی کا اور یہی مطلب ہے امام شافعی کے اس قول کا کہ اذا ناظرت القدری فلا تترک مسئلۃ العلم یعنی قدریوں سے مناظرہ کرنے میں مسئلہ علم کو کبھی

---

[1] دیکھو رسالہ مناقب الشافعی امام رازی [2] اسکے جواب میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کافر کا کفر و جہل اس سبب سے ہے کہ اُسنے کفر و جہل کو حق اعتقاد کر رکھا ہے کیونکہ ہمارا اُس کے اس اعتقاد میں بھی یہی کلام ہے کہ باوجودیکہ کافر حق اور ایمان کا طالب ہے پھر اُس نے کفر اور جہل کو حق کیوں اعتقاد کیا۔

ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے ۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ جمیع مخلوق باوجود طالب ہونے حق اور اجتناب باطل کے اور باوصف استوا فہم وعقل کے ایمان اور کفر اور شقاوت وسعادت میں مختلف ہے پس اختصاص مومن کا ایمان اور کافر کا کفر سے یا بوجہ کسی مخصص کے ہے یا بغیر مخصص کے ۔ بغیر مخصص کے ہونا تو باطل ہے کیونکہ اس سے نفی صانع عالم کی لازم آتی ہے ۔ اور مخصص کا عبد کی طرف سے ہونا بھی غیر ممکن ہے کیونکہ اس صورت میں بھی وہی اعتراض وارد ہوتا ہے کہ ایک کا فعل مخصص کفر اور دوسرے کا مخصص ایمان کیوں ہوا اور معاملہ برعکس کیوں نہ ہوا ۔ لہذا ثابت ہوا کہ مخصص فعل انسان کا محض ذات صانع عالم ہے اسی کی طرف اشارہ ہے شعر ثالث میں کہ اگر خدا کی طرف سے بندے کے دل میں ہدایت اور ایمان کا ارادہ پیدا ہوا تو یہ خدا کا اُس پر احسان اور اعانت ہے اور اگر اُس کے دل میں کفر اور عصیان کی تحریک پیدا ہوئی تو یہ خدا کا اُس کو ذلیل اور رسوا کرنا ہے پس اگر بسبب کفر اور عصیان کے رسوائی ہوئی تو انسان شقی اور بدبخت ہوگیا اور اگر بسبب دین اور اصلاح کے خدا نے اُس پر احسان کیا اور مدد فرمائی تو سعید اور نیک بخت بن گیا ۔ اسی کی طرف اشارہ ہے شعر رابع میں ۔

قدم قرآن کی نسبت امام شافعی اپنے مناظروں میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ کان اللہ و کان کلامہ او کان اللہ وما کان کلامہ یعنی جب خدا تھا خدا کا کلام اُس کے ساتھ تھا کیا کوئی ایسا وقت بھی تھا کہ خدا ہو اور اُس کا کلام اُس کے ساتھ نہ ہو ۔ یہ اشارہ ہے اُس بات کی طرف جو متکلمین نے اپنے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ کلام ایک صفت کمال ہے اور جو شخص متکلم نہیں وہ ناقص ہے پس اگر خدا تعالیٰ ازل میں متکلم نہ ہو تو لازم آتا ہے کہ اُس وقت وہ ناقص ہو سچ تو یہ ہے کہ امام شافعی علم کلام میں بھی متاخرین کے لیئے ایک راہ نکال گئے اور اُن سے

جو علم کلام کی مذمت منقول ہے وہ صرف کلام باطل مخالف کلام حقہ کی طرف راجع ہے نہ اُس کلام کی جو حضرت ابوالحسن اشعری یا ابوالمنصور ماتریدی رحمہا اللہ کا بڑا سرمایہ ناز ہے اور مسلمانوں کا موجب فخر ہے اس قسم کی مذمت کی ایک صحیح مثال یہ ہے کہ باتفاق امت قیاس ایک حجت شرعی ہے اور خود جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بہت سے مسائل میں قیاس کیا ہے مگر باینہمہ صدہا صحابہ اور تابعین سے بے شمار آثار مذمت قیاس میں منقول ہیں لیکن اس مذمت کا مصداق صرف وہی قیاسات فاسدہ ہیں جو اصول شرع کے مخالف ہوں نہ وہ صحیح قیاس صحیح جو خود ایک دلیل شرعی ہیں۔

مطاعن

جن لوگوں کے دل تقلید اور تعصب کی سیاہی سے کالے ہو گئے ہیں اور جن کو حسد کی آگ نے جلا کر کوئلہ بنا دیا ہے اُنہوں نے امام شافعی جیسے پاک شخص پر طرح طرح کے بے ہودہ اعتراضات کرنے کی جرأت کی ہے مگر ہم کو ان متعصب معترضوں اور حاسدوں کی کچھ پروا نہ کرنی چاہئے دنیا میں ایسا کوئی بشر نہیں ہوا جس پر معترضوں نے اعتراض اور حاسدوں نے حسد کیا ہو حتی کہ انبیا جیسے پاک بندے بھی اعتراضوں سے نہ بچے۔ لیکن ان مسلمان بھائیوں کی تسکین کے لئے جو امام شافعی کے صحیح حالات اور مخالفین کے اعتراضات کی اصلیت معلوم کرنا چاہتے ہیں ضرور ہے کہ ہم ختم کتاب سے پہلے اس کی بھی کچھ تفصیل کریں۔ اور بتلاویں کہ معترضین نے کیا کیا اعتراض کئے ہیں۔

سب سے بڑا طعن جو امام صاحب پر کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اُن سے لغت کے متعلق سخت غلطیاں ہوئیں ہیں جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ علم لغت میں کامل نہ تھے

لیکن خدا کا شکر ہے کہ اِن لوگوں کو خود علم لغت کے اماموں اور اِس فن کے موجدوں ہی نے جھوٹا کر دیا ہے ؛

پہلی غلطی علم لغت میں یہ بیان کی جاتی ہے کہ اُنہوں نے آیہ ادنی الاتعولوا کی تفسیر میں کہا ہے لایکثر عیالکم اِس تفسیر پر مخالفین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ لفظ عول جس سے الاتعولوا ماخوذ ہے لغت میں عیال کے معنی میں نہیں آیا ہے بلکہ اُس کے معنی ظلم اور زیادتی کے ہیں مگر امام شافعی نے غلطی سے لفظ تعولوا کو عیال سے مشتق سمجھ کر یہ معنی بیان کر دیئے۔ بعض کم مایہ مفسرین نے امام صاحب پر اس تفسیر میں تحریف کلام اللہ کا بھی الزام لگایا ہے اور یہ بات بیان کی ہے کہ مفسرین سلف وخلف کا اس پر اتفاق ہے کہ مراد آیت میں لاتعولوا سے لاتجوروا ہے۔ مگر جن ماہرین کو علم لغت پر پوری نظر ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں امام صاحب نے کوئی بات ایسی نہیں کہی جو از روے لغت صحیح نہ ہوسکے علم لغت کے چار جلیل القدر اماموں سے ثابت ہے کہ لفظ عول جس طرح جور یعنی ظلم اور انحراف عن الحق کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اُسی طرح عیال کے معنی میں بھی اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے چنانچہ ابو منصور ازہری جو علم لغت کا ایک رکن ہے بیان کرتا ہے کہ احمد بن یحیی ثعلب نے سلمہ سے اور اُس نے فراء سے اور اُس نے کسائی سے نقل کیا ہے کہ وہ یعنی کسائی یہ بات کہتا تھا کہ میں نے بہت سے عربوں کو عال الرجل کہتے ہوے سُنا اور اس کے معنی وہ کثرت عیال کے لیتے تھے پھر کسائی نے یہ بات بھی بیان کی کہ کثرت عیال کے معنی میں اعال کا استعمال

قال الازهری ان احمد بن یحیی ثعلب روی عن سلمة عن الفراء عن الکسائی انه قال سمعت کثیرا من العرب تقول عال الرجل اذا کثر عیاله ثم قال واعال اکثر من عال قال الازهری واذا قال مثل الکسائی فی عال انه بمعنی العیال ولم یخالف الفراء ولا احمد بن یحیی ثعلب دل ذالک علی انه

صحیح من کلام العرب الا ان لغات العرب کثیرۃ فالظاہر ان الشافعی لم یقل ذلک حتی حفظہ وعرفہ

بہ نسبت عال کے اکثر ہے۔ امام ابو منصور ازہری کہتے ہیں کہ جب کسائی جیسے شخص نے عال کو بمعنی عیال کے بیان کیا اور نہ فراء نے اُس میں مخالفت کی اور نہ احمد بن یحیی ثعلب نے تو یہ اس بات کی بڑی دلیل ہے کہ عال بمعنی عیال کے کلام عرب میں صحیح ہے مگر ہاں لغت عرب کے کثرت سے ہیں پس ظاہر یہ ہے کہ امام شافعیؒ نے یہ کلمہ بغیر کامل حفظ اور پوری معرفت حاصل کئے نہیں کہا +

اِسی آیت کی تفسیر میں علامہ جار اللہ زمخشری امام شافعی کا قول نقل کر کے اور اُس کی تصحیح کی ایک معقول توجیہ بیان کر کے لکھتے ہیں۔ یعنی امام شافعی جلیل القدر علماء اور ائمہ شرع

وکلام الشافعی من اعلام العلم و ائمۃ الشرع ورؤس المجتھدین حقیق بالحمل علی الصحۃ والسداد وان لا یظن بہ تحریف کان اعلی کعبا و اطول باعا فی کلام العرب من ان یخفی علیہ مثل ھذہ المواضع

اور سربرآوردہ مجتہدین میں سے ہے اس کا کلام سب سے زیادہ اس بات کے لائق ہے کہ اُسکو صحت و درستی پر محمول کیا جائے اور اُسمیں تحریف کا گمان نہ کیا جائے کیونکہ امام شافعیؒ کلام عرب میں اعلی درجہ کی قابلیت اور لیاقت رکھتے تھے اُن پر اس قسم کے مواضع مخفی نہیں رہ سکتے تھے۔ علامہ جار اللہ زمخشری اور امام ابو منصور ازہری عربیت میں مستند اشخاص ہیں پس کوئی وجہ نہیں کہ ان لوگوں کے قول پر تو التفات نہ کیا جائے اور چند گمنام حاسدوں کے کہنے سے ایک ایسے جلیل القدر امام پر اعتراض کیا جائے جس کی شاگردی پر اصمعی جیسے ادیب کو بھی فخر تھا۔ ہمیں ابو بکر رازی سے سخت تعجب ہے کہ اُنھوں نے بھی بغیر سوچے سمجھے امام شافعی پر طعن کرنے کی جرأت کی مگر جب فراء مبرد کسائی وغیرہ ائمہ لغت اُن کی

غلطی نہ نکال سکے تو بیچارے ابوبکر رازی کس شمار و قطار میں ہیں ۔

معترضین کا یہ کہنا بھی کہ لا تعولوا کے معنی ہیں لا تعولوا پر مفسرین سلف و خلف کا اتفاق
ہے صحیح نہیں ہے زید بن اسلم نے جو حضرت عمر بن الخطاب کے غلام اور اکابر تابعین سے ہیں اور
جنھوں نے صحابہ کی ایک جماعت سے حدیثیں سُنی ہیں اور حضرت امام مالک سفیان بن عیینہ
سفیان ثوری وغیرہ کے اوستاد ہیں اس آیت کی بعینہ وہی تفسیر کی ہے جو امام شافعیؒ سے منقول
ہے ۔ پھر طاؤس کی قراءت اس آیت میں بجائے لا تعولوا کے لا تعیلوا ہے جس کے عیال
کے معنی ہونے میں کسی کو بھی کلام نہیں ہو سکتا اور ایک قراءت کی دوسری قراءت سے
تفسیر کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے اور صحابہ اور تابعین میں ہمیشہ یہی طریق جاری رہا ہے
کہ وہ ایک آیت کی دوسری آیت سے اور ایک قراءت کی دوسری قراءت سے برابر
تفسیر کرتے تھے پس اس تفسیر کی بنا پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پر تحریف کلام اللہ کا الزام
لگانا کس قدر بے جا ہے اگر فقہاء اسلام اور مجتہدین شرع بھی العیاذ باللہ محرف قرآن تھے
تو پھر محافظ قرآن کون شخص ہو سکتا ہے ۔

دوسری غلطی لغت کے متعلق امام شافعی کی یہ بیان کی جاتی ہے کہ اُنھوں نے
لفظ قرء کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس لفظ کے معنی جمع کرنے اور روکنے کے ہیں اہل عرب بولتے
ہیں فلان یقری الماء فی حوضہ وفی سقائہ وفلان یقری الطعام فی شدقہ یعنی
فلاں شخص اپنے حوض یا مشک میں پانی جمع کرتا ہے اور فلاں کھانا اپنی باچھوں میں روکتا ہے
اور چونکہ طہر کا زمانہ رحم میں خون کے اجتماع کا زمانہ ہوتا ہے بخلاف زمانہ حیض کے کہ وہ زمانہ اخراج
خون کا ہوتا ہے اس لئے مراد آیۃ یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء سے طہر ہے معترضین
نے امام صاحب کی اس تقریر پر یہ گرفت کی ہے کہ لفظ قرء محاورہ قری الماء فی الحوض و قری الطعام

فی الشدق سے ماخوذ نہیں ہے کیونکہ لفظ قرء مہموز ہے اور جو لفظ محاورہ قری الماء فی الحوض و قری الطعام فی الشدق میں مذکور ہے وہ مہموز نہیں ہے بلکہ وہ ناقص یائی ہے۔ مگر یہ گرفت بھی مخالفین کی صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ علی بن القاسم صاحب کتاب مختصر العین نے ذکر کیا ہے کہ اس کلمہ میں ہمزہ اور تلیین مشترک ہے یعنی اس لفظ کا استعمال ہمزہ اور الف مقصورہ دونوں کے ساتھ ہوتا ہے لیکن تلیین کو صرف غیر دم میں استعمال کرتے ہیں اور مہموز کو دم اور غیر دم دونوں میں عام رکھتے ہیں[1]۔ عمرو بن کلثوم نے بھی جو جاہلیت کا مشہور شاعر ہے اور جس کا ایک قصیدہ قصاید سبعہ معلقہ میں داخل ہے قرء مہموز کو بمعنی اجتماع استعمال کیا ہے چنانچہ یہ شاعر اپنی اونٹنی کی تعریف میں لکھتا ہے کہ ھجان اللّون لم تقرأ جنینا یعنی وہ سفید رنگ کی ہے اور اس نے اپنے رحم میں کبھی کسی جنین یعنی بچہ کو نہیں جمع کیا۔

تیسری غلطی لغت کے متعلق امام شافعیؒ کی یہ بیان کی جاتی ہے کہ انہوں نے فقیر کے معنی میں بیان کیا ہے کہ فقیر وہ شخص ہے جس کی حالت مسکین سے بدتر ہو امام صاحب کی اس تفسیر پر معترضین کا یہ اعتراض ہے کہ یہ تفسیر غلط ہے اور وہ اس کی غلطی پر چند دلیلیں پیش کرتے ہیں۔ اول یہ کہ مسکین کو مسکین صرف اسی لحاظ سے کہا جاتا ہے کہ وہ بہ سبب اپنے کمال افلاس اور ناداری کے سکون میں مشابہ میت کے ہے اور عجز کے باعث ہل نہیں سکتا دوم او مسکینا ذا متربۃ میں خدا تعالی نے مسکین کو شدت حال کے ساتھ متصف کیا ہے گویا کہ بسبب افلاس اور تنگی کے مٹی میں مل گیا۔ سوم حدیث لیس المسکین الذی تردہ اللقمۃ واللقمتان انما المسکین الذی لا یجد ما یغنیہ یعنے مسکین وہ شخص نہیں ہے کہ جس کو ایک لقمہ یا دو لقمے دروازہ سے ہٹاویں بلکہ مسکین وہ ہے جو اس قدر غنا نہ پائے کہ اس کو

---

[1] دیکھو رسالہ مناقب الشافعی امام رازی

سوال کرنے سے بے پروا کردے۔

مگر یہ سب دلائل نہایت کمزور ہیں۔ پہلی دلیل محض تحکم بیجا اور ایک من گھڑت بات ہے۔ کیا ضرور ہے کہ ہم مسکین کی وہ وجہ تسمیہ تسلیم کریں جو معترضین نے تجویز کی ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ مسکین کو مسکین اس لحاظ سے کہا جاتا ہے کہ اُسکے پاس فقط اِس قدر مال ہے جس سے وہ کسی قدر اپنے دل کو تسکین دے سکتا ہے مگر جمیع حوائج ضروریہ کے لئے کافی نہیں۔ دوسری دلیل آیت او مسکینا ذا متربۃ بھی امام شافعی کے مدعا کے ہرگز مخالف نہیں بلکہ اُس سے تو اُن کے دعوے کی اور تائید ہوتی ہے کیونکہ اگر صرف لفظ مسکین ہی شدت حال اور کمال عجز پر دلالت کرتا تو اُس کے بعد ذا متربۃ کے قید لگانا بالکل بے فائدہ ہے۔ اِس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسکین کے معنی میں شدت حال کو دخل نہیں ہے یہاں تک کہ اُس پر دلالت کرنے کے لئے مسکین کے ساتھ ذا متربۃ کی قید بھی لگانی پڑی۔ تیسری دلیل یعنی حدیث لیس المسکین الذی تردہ اللقمۃ واللقمتان الخ تو امام صاحب کے دعوے کی عین دلیل ہے کہ مسکین وہ شخص ہے جو اِس قدر غنا نہ پائے کہ اُس کو سوال کرنے سے بے پروا کردے پس اِس حدیث کی بنا پر امام صاحب پر اعتراض کرنا بھی بالکل بیجا ہے۔

رہی یہ بات کہ فقیر حقیقتہً مسکین سے افلاس اور ناداری میں زیادہ ہوتا ہے اِس پر کئی مستحکم دلیلیں ہیں۔

اوّلاً آیہ انما الصدقات للفقراء والمساکین یعنے سوا اِس کے نہیں کہ صدقات فقراء اور مساکین ہی کا حق ہے۔ اِس آیت میں خدا تعالیٰ نے فقیر کو مسکین پر صدقات کا مصرف ہونے میں مقدم کیا ہے اور اِس میں کچھ شک نہیں کہ تقدیم شدت اہتمام پر دلالت کرتی ہے اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ فقیر مسکین سے افلاس میں زیادہ ہوتا ہے۔

ثانیاً خدا تعالیٰ نے فقیر کی صفت میں فرمایا ہے للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ لایستطیعون ضربا فی الارض یعنی خیرات اُن فقرا کے لئے ہے جو خدا کی راہ میں روکے گئے ہیں اور زمین میں چلنے کی طاقت نہیں رکھتے اور مسکین کی صفت میں فرمایا ہے واما السفینۃ فکانت لمساکین یعملون فی البحر یعنے وہ کشتی اُن مسکینوں کی تھی جو دریا میں اُس سے اپنا کام کرتے تھے +

ان دونو آیتوں میں خدا تعالیٰ نے فقیر اُسے فرمایا ہے جو افلاس اور فقر کے باعث زمین میں نہ چل سکے اور مسکین اُن لوگوں کو کہا ہے جو ایک کشتی کے مالک تھے پس اس میں کیا شبہ ہو سکتا ہے کہ جو شخص افلاس اور ناداری کے باعث کہیں نہ جا سکے اُس شخص سے جو ایک کشتی کا مالک ہو بدرجہا بدتر ہے اور فقر میں اُس سے بڑھا ہوا ہے +

ثالثاً فقیر فعیل بمعنے مفعول ہے لفظ فقر سے جس کے معنی کمر کے مہرے کے ہیں پس فقیر وہ شخص ہے کہ جس کی کمر کے مہرے شدت فقر اور کمال افلاس کے باعث ٹوٹ گئے ہوں چنانچہ اسی واسطے اہل عرب سخت مصیبت کو بھی فاقرہ بولتے ہیں کیونکہ وہ انسان کی کمر کے مہروں کو توڑ دیتی ہے قرآن مجید میں بھی اس لفظ کو اسی معنی میں استعمال کیا ہے یظن ان یفعل بھا فاقرۃ +

رابعاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فقر سے ہمیشہ پناہ مانگتے تھے اور مسکین ہونے کے آپ ہمیشہ طالب تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فقیر مسکین سے بدتر ہوتا ہے کیونکہ آپ سے ایسی حالت کی تمنا کرنا جس میں انسان ہر محتاج سے بھی محتاج ہو جائے بعید معلوم ہوتا ہے ہاں البتہ کثرت غنا سے جس کے باعث اکثر انسان متکبر اور سرکش ہو جاتا ہے نفرت کرنا انبیا کی شان کے بالکل مناسب ہے +

چوتھی غلطی لغت کے متعلق امام شافعی کی یہ بیان کی جاتی ہے کہ اُنہوں نے لفظ طہور کو بمعنی مطہر کے قرار دیا ہے۔ اس پر معترضین نے یہ اعتراض کیا ہے کہ لفظ طہور طاہر کا فعول ہے اور طاہر غیر متعدی ہے اور غیر متعدی لفظ کا فعول متعدی نہیں ہوتا بلکہ مقصود اُس سے صرف اُس صفت میں جس کا وہ فعول ہے مبالغہ ہوتا ہے مثلاً نائم سے نؤوم اور ضاحک سے ضحوک صرف نوم اور ضحک میں مبالغہ کی غرض سے آتا ہے نیز آیت وسقاهم ربهم شرابا طهورا سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ لفظ طاہر اور طہور کے ایک ہی معنی ہیں اس لئے کہ جنت میں کوئی نجاست ہی نہیں کہ جس کے لئے شراب جنت کو مطہر کہا جائے مگر معترضین کا یہ اعتراض بھی صحیح نہیں۔ خود ائمہ لغت نے لفظ طہور کے معنی میں اختلاف کیا ہے بعض کی یہ رائے ہے کہ طہور بمعنی طاہر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ طہور بمعنی مطہر ہے۔ امام شافعی نے پچھلے قول کو ترجیح دی ہے اور اس کی ترجیح پر چند دلیلیں ہیں ٭

پہلی دلیل حدیث طهور اناء احدکم اذا ولغ فیه الکلب ان یغسله سبع مرات اولهن بالتراب ہے یعنے تمہارے برتن کا طہور جس وقت اُس میں کتا مُنہ ڈال جائے یہ ہے کہ اُسے سات مرتبہ پانی سے دھوؤ اور پہلی مرتبہ مٹی سے مانجھو۔ اس حدیث میں یقینی طور پر لفظ طہور مطہر کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے کیونکہ یہاں پر طہور لفظ اناء کی طرف مضاف کیا گیا ہے اور لفظ طاہر کے اضافت اُس کی طرف صحیح نہیں اس لئے کہ اضافت کے لئے تعلق معنوی غیر کے ساتھ شرط ہے اور طاہر اپنے معنی میں بذات خود مستقل ہے اُس کو اپنے غیر کے ساتھ من حیث المعنی کوئی تعلق نہیں بخلاف لفظ مطہر کے کہ وہ اپنے معنے میں ہمیشہ غیر کے ساتھ تعلق رکھتا ہے بلکہ اُس کے معنی ہی بغیر کسی دوسرے لفظ کی طرف اضافت کئے صحیح نہیں ٭

دوسری دلیل حدیث جعلت لی الارض مسجدا وترابھا طھورا یعنی میرے لئے تمام زمین مسجد اور اُس کی مٹی طہور بنا دی گئی ہے اس حدیث میں بھی لفظ طہور کے معنی مطہر ہونے میں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کیونکہ مٹی آنحضرت سے پیشتر بھی طاہر تھی اس میں آپ کی کوئی خصوصیت نہیں البتہ مطہر نہ تھی کیونکہ تیمم صرف آپ ہی کے لئے جائز کیا گیا ہے۔

تیسری دلیل حدیث التراب طھور المسلم یعنے مٹی مسلمان کا طہور ہے اس حدیث میں بھی طہور بمعنی مطہر ہی استعمال ہوا ہے کیونکہ طاہر المسلم کہنا صحیح نہیں۔ غرض لفظ طہور کا استعمال بمعنی مطہر کثرت سے ہے پس اس میں امام شافعی پر طعن کرنا بالکل لغو ہے۔ باقی رہا معترضین کا یہ کہنا کہ غیر متعدی لفظ کا فعول متعدی نہیں ہوتا سو یاد رہے کہ یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے بلکہ یہ قاعدہ صرف اُنہیں الفاظ میں ہے کہ جن کے معنی میں کمی زیادتی اور شدت وضعف وغیرہ اوصاف ممکن ہیں اور جن الفاظ کے معنی قلت وکثرت اور کمی زیادتی وغیرہ اوصاف کو قبول نہیں کرتے وہاں یہ قاعدہ ہرگز نہیں مثلاً نوم اور ضحک یہ دونو ایسے وصف ہیں کہ جن کے معنی کمی زیادتی اور قلت وکثرت وغیرہ اوصاف کو قبول کرتے ہیں پس ایسے اوصاف میں لفظ فعول محض مبالغہ صفت کے لئے آتا ہے مگر جہاں اصل صفت میں کمی زیادتی ممکن ہی نہیں مثلاً جیسے وصف طہارت کہ اُس میں کمی زیادتی کا بالکل احتمال ہی نہیں کیونکہ طہارت اُس صفت کا نام ہے کہ جس کے ساتھ نماز درست ہو سکے اور یہ وصف ایسا ہے کہ اس کے مفہوم میں کمی زیادتی وشدت وضعف کی گنجایش ہی نہیں پس یہاں پر فعول کا متعدی ہونا ایک لازمی امر ہے اس لئے کہ اصل وصف مبالغہ کو قبول ہی نہیں کرتا کہ جس سے طہور اور طاہر کے معنی میں فرق ظاہر ہوتا پس اگر اس صورت میں طہور بمعنی طاہر قرار دیا جائے تو یہ دونو لفظ محض مرادف بن جائیں گے اور یہ بات ظاہر ہے کہ دو لفظ کے دو معنی قرار دینا بہ نسبت

ترادف کے ابلی ہیں اور آیت وسقاھم ربھم شرابا طھورا میں ممکن ہے کہ مراد اس سے یہ ہو کہ جنت کی شراب حسد اور کینہ وغیرہ اوصاف رذیلہ سے مطہر ہے پس ان تمام امور پر غور کرنے کے بعد یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ طہور کے حقیقی معنی مطہر قرار دیئے جائیں اور مجازاً طاہر کے معنی میں بھی اُس کا استعمال صحیح سمجھا جائے کیونکہ مطہر کے مفہوم میں طاہر بھی داخل ہے لہٰذا مجازاً صحیح ہوگا بخلاف طاہر کے کہ اُس کے مفہوم میں مطہر داخل نہیں ہے پس اگر طہور کے حقیقی معنی طاہر کے لئے جائیں تو اس صورت میں مطہر اُس سے مجازاً بھی مراد نہیں لے سکتے کیونکہ علاقہ مجاز منتفی ہے۔

پانچویں غلطی لغت کے متعلق امام شافعی کی یہ بیان کی جاتی ہے کہ اُنہوں نے باب الاقرار میں کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے اس طرح پر اقرار کیا لفلان علی کذا کذا درھما تو اُس کے ذمہ صرف ایک درہم لازم ہوگا اور اگر اُس نے بجائے کذا کذا کے کذا وکذا با لواو کہا تو اُسپر دو درہم لازم ہوں گے۔ معترضین کہتے ہیں کہ امام شافعی کا یہ قول غلط ہے کیونکہ ادنیٰ درجہ اُس عدد کا جس کو کذا کذا سے تعبیر کرسکیں گیارہ ہے اور اُس کا جس کو کذا وکذا سے تعبیر کیا جاسکتا ہے اکیس ہے۔ لیکن معترضین کا یہ اعتراض بھی بے اصل ہے۔ اوستاد ابو منصور بغدادی کہتے ہیں کہ قول اُن لوگوں کا جو کہتے ہیں کہ کذا کذا سے گیارہ درہم اور کذا وکذا سے اکیس درہم لازم ہوتے ہیں نہایت درجہ کے جہل اور سفاہت پر مبنی ہے اور اُن لوگوں کو علم لغت سے مطلقاً مس نہیں ہے کیونکہ کذا کذا درھما میں لفظ درہم بیان جنس ہے نہ بیان عدد اور اُس کا نصب بنا بر تمیز جنس کے ہے اور یہ قول کہ اول عدد جس میں کذا کذا درھما بالنصب بولا جاسکتا ہے گیارہ ہے محض غلط ہے ورنہ لازم آتا ہے کہ کذا درہم بالکسر کی صورت میں معترضین کے نزدیک کم سے کم سو درہم لازم ہوں کیونکہ اول عدد جس میں تمیز مجرور ہوتی ہے

تسو ہے حالانکہ اُن کے نزدیک اِس صورت میں پورا ایک درہم بھی واجب نہیں ہوتا بلکہ وہ کسر مثل ثلث یا ربع درہم کی واجب کرتے ہیں ۔

چھٹی غلطی لغت کی یہ بیان کی جاتی ہے کہ انہوں نے پانی کے وصف میں بجائے لفظ ملح کے مالح بولا ہے معترضین کہتے ہیں کہ پانی کی وصف میں ملح آتا ہے مالح نہیں آتا اہل عرب اپنے محاورہ میں بولتے ہیں ماء ملح وماء عذب قرآن مجید میں بھی پانی کی صفت میں لفظ ملح ہی آیا ہے مگر معترضین کا یہ اعتراض بھی صحیح نہیں کیونکہ اول تو پورے طور پر یقین نہیں کیا جاسکتا کہ یہ لفظ امام صاحب ہی کا ہے اس لئے کہ جس طور پر اس عبارت کو مزنی نے ادا کیا ہے اُس سے یہ بھی احتمال پیدا ہوتا ہے کہ شاید یہ لفظ مزنی کا خود اپنا ہو اور اگر بالفرض یہ لفظ امام صاحب ہی کا ہو تب بھی اس لفظ کو غلط نہیں کہا جاسکتا ابو منصور ازہری نے ملح اور مالح دونوں کو صحیح قرار دیا ہے اور قرآن مجید میں کسی خاص لفظ کا آنا دوسرے لفظ کی نفی کی دلیل نہیں ہوسکتا علاوہ ازیں قدیم شعرا کے کلام میں بھی مالح کا ثبوت ملتا ہے ایک شاعر کہتا ہے ؎ ولو تفلت فی البحر والبحر مالح ۔ لاصبح ماء البحر من ریقھا عذبا یعنے اگر وہ محبوبہ دریا میں اپنا لعاب دہن ڈال دے اور تمام دریا کا پانی مالح یعنے شور ہو تو اُس کے لعاب دہن سے کل دریا کا پانی شیریں بن جائے ۔ اسی طرح ایک اور شاعر کہتا ہے ؎ کذالک اھل الفضل یعرف فضلھم ۔ ولا یستوی ماء ان عذب ومالح یعنے اسی طرح اہل فضل اپنی بزرگی اور فضیلت کو خود ہی پہچانتے ہیں اور دو قسم کے پانی یعنی شیریں اور مالح یعنی نمکین آپس میں برابر نہیں ہوسکتے ۔ غرض قدیم شعرا کے کلام میں لفظ مالح کا استعمال موجود ہے قطع نظر اس کے مالح کی تاویل ذو ملوحت سے بھی ممکن ہے جس طرح نابل بمعنی ذو نبل اور رامح بمعنی ذو رمح آتا ہے ۔

ساتویں غلطی لغت کے متعلق امام صاحب کی آیت فان احصرتم فما استیسر من الھدی کی تفسیر میں بیان کی جاتی ہے۔ امام صاحب کہتے ہیں کہ اس آیت میں حکم احصار صرف اُس احصار کے ساتھ مخصوص ہے جو بسبب خوف دشمن کے ہو تو گویا اُن کی اس تفسیر کے مطابق لفظ احصار کے معنی صرف دشمن کے روکنے کے ہوئے۔ ابو عبیدہ۔ زجاج ابن سکیت اور اکثر اہل لغت کا قول ہے کہ احصار صرف مرض کے ساتھ مخصوص ہے اور بعض اہل لغت یہ کہتے ہیں کہ احصار کے معنی مطلق باز رکھنے اور روکنے کے ہیں خواہ وہ روک بسبب خوف دشمن کے ہو یا بسبب مرض کے اور یہی مذہب فراء کا ہے۔ امام شافعی کے قول کو لفظ احصار کی تفسیر میں اہل لغت رد کرتے ہیں اور اس مسئلہ میں کوئی لغوی اُن کا ہمزبان نہیں۔ اس مسئلہ میں چونکہ امام صاحب متفرد ہیں اور لغت کے کسی امام کے قول سے اُن کے قول کی تائید نہیں ہوتی بلکہ خود ائمہ لغت ہی اُن کے قول کو رد کرتے ہیں اس لئے اس مسئلہ میں مخالفین کو امام صاحب پر بے دھڑک اعتراض کرنے کا خوب موقع ہاتھ آیا ہے۔ لیکن اگر تھوڑی دیر کے لئے تعصّب کو چھوڑ کر انصاف کی آنکھوں سے دیکھا جائے تو گو اس مسئلہ میں کوئی لغوی اُن کا ہمزبان نہیں ہے اور وہ اپنی اس رائے میں متفرد ہیں۔ تاہم اُن کی تائید میں متعدّد دلیلیں موجود ہیں۔

اوّلاً یہ کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ نے لفظ احصار کے وہی معنی بیان کئے ہیں جو امام شافعیؒ بیان کرتے ہیں[1] اور اس میں کچھ کلام نہیں ہو سکتا کہ یہ دونو جلیل القدر صحابی جن کو وہ علم کہا جا سکتا ہے معرفت لغت میں متاخرین ائمہ لغت پر مقدم ہیں کیونکہ یہ لوگ کیفیت نزول وحی اور اُسکے اسرار سے بخوبی واقف تھے نیز لفظ احصار نہیں کی

[1] دیکھو تفسیر کبیر۔

زبان کا لفظ ہے پس اس میں کون شبہ کر سکتا ہے کہ ان کا قول بہ نسبت اور ائمہ لغت کے اونچا ہے ۔

ثانیاً یہ کہ لفظ احصار افعال ہے لفظ حصر کا اور حصر پر تمام اہل لغت کو اتفاق ہے کہ اُس کے معنی صرف دشمن ہی کے روکنے اور باز رکھنے کے ہیں ۔ اور افعال تین معنی کے لئے آتا ہے (۱) تعدیہ یعنی فعل لازم کو متعدی کر دینا جیسے اذہبتہ یعنے میں اُسے لے گیا (۲) صیرورت یعنے فاعل کا کسی خاص صفت پر ہو جانا جیسے اجرب الرجل یعنے فلاں مرد صاحب خارشتی اونٹوں کا ہو گیا (۳) وجدان یعنے فاعل کا کسی شے کو کسی خاص صفت پر پانا جیسے احمدت الرجل یعنے میں نے فلاں مرد کو محمود پایا لیکن آیت مذکورہ میں افعال کا حمل تعدیہ پر تو صحیح نہیں کیونکہ لفظ حصر خود متعدی ہے پس لامحالہ اُس کو یا معنی صیرورت پر حمل کیا جائے اور یا معنی وجدان پر پس معنی لفظ احصرتم کے یہ ہوے کہ صرتم محصورین او وجدتم محصورین یعنے تم محصور ہو جاؤ یا محصور پائے جاؤ اور اس پر تمام اہل لغت کا اتفاق ہے کہ محصور صرف اُسی کو کہتے ہیں جو دشمن سے روکا جائے پس اس سے ثابت ہوا کہ لفظ احصار کے معنی صرف دشمن ہی کے روکنے کے ہیں ۔

ثالثاً یہ کہ لفظ حصر کے معنی منع اور حبس کے ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ کسی شخص کو کسی فعل سے ممنوع اور محبوس کہنا صرف اُسی وقت تک صحیح ہو سکتا ہے جبکہ وہ بذات خود اُس فعل کے کرنے پر قادر ہو مگر کوئی مانع خارجی اُس کو اُس فعل کے کرنے سے روک دے اور مریض کو سرے ہی سے فعل پر قدرت نہیں کیونکہ قدرت کیفیت اعتدال مزاج اور سلامتی اعضاء کا نام ہے جو مریض میں مفقود ہے بخلاف اُس شخص کے جو دشمن کی وجہ سے محبوس ہے کیونکہ اُس کو نفس فعل پر قدرت حاصل ہے مگر مزاحمت مانع خارجی کی وجہ سے وہ فعل

---

۵۱ دیکھو تفسیر کبیر

نہیں کر سکتا پس اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ لفظ احصار کے حقیقی معنی صرف دشمن ہی کے روکنے کے ہیں ۔

رابعاً یہ کہ لفظ احصرتم کے معنی حُبِسْتُم اور مُنِعْتُم کے ہیں یعنی تم حبس کئے جاؤ یا منع کئے جاؤ اور حبس اور منع کے لئے کسی حابس اور مانع کا ہونا ضرور ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ وصف مرض کا حقیقتہً حابس اور مانع ہونا صحیح نہیں کیونکہ وہ ایک عرض ہے جو ہر وقت زوال پذیر ہے البتہ دشمن کا حابس اور مانع ہونا اُس کا وصف حقیقی ہے اور کلام کا تا امکان حقیقت پر حمل کرنا بہ نسبت مجاز کے اولی ہے پس اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ لفظ احصار کے حقیقی معنی صرف دشمن کے روکنے کے ہیں ۔

خامساً یہ کہ لفظ احصار مشتق ہے لفظ حصر سے اور حصر کے معنی میں مرض داخل نہیں پس ضرور ہے کہ لفظ احصار کے معنی بھی مرض سے خالی ہوں جیسے کہ عام طور پر تمام مشتقات کا حال ہے ۔

سادساً یہ کہ اسی آیت میں خدا نے بعد ذکر کرنے حکم احصار کے جملہ فمن کان منکم مریضا او بہ اذی من راسہ میں مریض کا محصر پر عطف کیا ہے پس اگر محصر کے معنی مریض ہی کے ہوتے یا مریض محصر کے معنی میں داخل ہوتا تو لازم آتا ہے عطف الشی علی نفسہ جو جائز نہیں ہے پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ احصار کے معنی صرف دشمن ہی کے روکنے کے ہیں ۔

سابعاً یہ کہ خدا نے اسی آیت میں بعد ذکر کرنے احکام احصار کے فرمایا ہے فاذا امنتم فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج اور لفظ امن حقیقتہً صرف خوف دشمن ہی میں استعمال کیا جاتا ہے نہ مرض میں بلکہ اس سے خلاصی پانے میں لفظ صحت اور شفا اور عافیت وغیرہ کا استعمال ہوتا ہے پس اس سے بھی معلوم ہوا کہ لفظ احصار کے معنی صرف دشمن ہی کے روکنے کے ہیں ۔

ثامناً یہ کہ مفسرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ آیت واقعہ حدیبیہ میں جبکہ کفار مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عمرہ کرنے سے روکا تھا نازل ہوئی تھی اور یہ مسئلہ مسلمہ ہے کہ شان نزول کسی طرح حکم نص سے خارج نہیں ہوسکتا یعنے نص اس واقعہ کو ضرور شامل ہوگی جس میں وہ نازل ہوئی ہے ورنہ تاخیر البیان عن وقت الحاجۃ لازم آئیگی جو عقلاً جائز نہیں پس اس سے اتنا تو ضرور ثابت ہے کہ لفظ احصار کے معنی میں وہ احصار ضرور داخل ہے جو بسبب خوف دشمن کے ہو اور اس کے معنی صرف مرض ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں۔

باقی رہا یہ امر کہ آیا مرض احصار کے معنی میں داخل بھی ہے یا نہیں سو اگرچہ جمہور فقہاء محدثین کے نزدیک نص باعتبار عموم الفاظ غیر سبب نزول کو بھی شامل ہوسکتی ہے مگر آیت مذکورہ غیر سبب نزول کو ہرگز شامل نہیں ہے کیونکہ آیت میں احصار کے ساتھ حکم مذکور کا تعلق صرف ایک ہی مرتبہ ثابت ہوتا ہے جیسا کہ ان دخلت الدار فانت طالق میں تعلق حکم طلاق کا صرف پہلی ہی مرتبہ کے دخول دار سے ہے۔ پس ان دلائل سے بخوبی ثابت ہوا کہ احصار کے معنی صرف دشمن ہی کے روکنے کے ہیں اور مرض کو اس کے معنی میں مطلق دخل نہیں ہے۔ مشہور لغوی امام احمد بن یحیی ثعلب کا قول ہے کہ مجھے ان لوگوں سے تعجب ہے جو لغت میں امام شافعی پر گرفت کرتے ہیں حالانکہ وہ لغت کا گھر ہیں اور اس قابل ہیں کہ ان سے لغات اخذ کئے جائیں نہ یہ کہ اور الٹی انہیں پر لغات میں نکتہ چینی کی جائے[۵]۔

علم حدیث کے متعلق مخالفین نے امام شافعی پر صرف تین اعتراض کئے ہیں:۔

پہلا اعتراض ان کا یہ ہے کہ امام بخاری اور امام مسلم نے کوئی حدیث ان کے واسطے سے روایت نہیں کی لیکن یہ ایسا اعتراض نہیں ہے کہ اس سے امام شافعی کے علوشان

[۵] رسالہ مناقب الشافعی امام رازی

میں کچھ کمی آئے۔ امام بخاری اور امام مسلم کا کوئی حدیث امام شافعی کے واسطے سے روایت نہ کرنے کی ایک خاص وجہ تھی۔ وہ یہ تھی کہ امام بخاری اور امام مسلم نے خود تو امام شافعی کو پایا نہیں پس اگر وہ اُن کے واسطے سے کوئی حدیث روایت کرتے تو ضرور تھا کہ اُن کے کسی شاگرد کے ذریعہ سے کرتے۔ لیکن اُس وقت امام شافعی کے شیوخ حدیث کے اکثر شاگرد مثل امام احمد بن حنبل رح واسحٰق بن راہویہ وغیرہ کے موجود تھے پس اگر امام بخاری اور امام مسلم امام شافعی کے واسطے سے کوئی حدیث روایت کرتے تو اُن کے اور امام شافعی کے شیوخ کے بیچ میں دو واسطے ہو جاتے اور امام شافعی کے واسطے سے روایت نہ کرنے کی صورت میں اُن کے اور امام شافعی کے شیوخ کے درمیان میں ایک ہی واسطہ پڑتا تھا اور محدثین کا عام قاعدہ ہے کہ وہ ہمیشہ علو اسناد کی طرف مائل ہوتے ہیں اور جہاں تک ممکن ہو سکتا ہے سند حدیث میں واسطے کم کرنا چاہتے ہیں پس چونکہ امام شافعی رح کے واسطے سے کوئی حدیث روایت کرنے میں بلا ضرورت ایک واسطہ بڑھتا تھا اسلئے امام بخاری اور امام مسلم نے اُن کے واسطے سے کوئی حدیث روایت نہیں کی لہٰذا امام بخاری اور امام مسلم کا اُن کے واسطے سے کوئی روایت نہ لینا اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ اُن کو العیاذ باللہ امام صاحب کی ثقاہت میں کلام تھا۔

امام فخر الدین رازی نے حافظ احمد بیہقی سے نقل کیا ہے کہ امام مسلم بن الحجاج کے سامنے کسی شخص نے امام شافعی پر یہ اعتراض کیا کہ وہ بعض ضعیف روایتوں سے بھی استنباط مسائل کرتے ہیں امام مسلم نے اُس کو جواب دیا کہ نہیں تم غلط کہتے ہو وہ ضعیف حدیثوں سے ہرگز مسائل کا استنباط نہیں کرتے البتہ بعض مسائل ہیں جن کو وہ قرآن مجید یا قیاس سے استنباط کرتے ہیں اُن کی تائید میں قوی اور ضعیف دونوں قسم کی روایتیں بیان کر دیتے ہیں پھر امام مسلم نے اس جواب کے بعد اُس شخص سے یہ بھی کہا کہ یہ صرف میرا ہی خیال نہیں ہے بلکہ درحقیقت یوں ہی ہے اور اس پر

دلیل یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک اقوال تابعین حجت نہیں ہیں مگر پھر وہ اکثر مسائل میں عطا اور طاؤس اور حسن وغیرہ علماء تابعین کے اقوال بیان کرتے ہیں اس سے اُن کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سب لوگوں کو یہ بات معلوم ہوجائے کہ جس مسئلہ کو انہوں نے اختیار کیا ہے اُس میں وہ متفرد نہیں ہیں[1]۔ امام مسلم کے اس قول سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو امام صاحب کی ثقاہت پر کچھ اعتراض نہ تھا۔ نیز بخاری اور مسلم کے اکثر شیوخ امام صاحب ہی کے شاگرد ہیں حتے کہ جس شخص کے نام نامی سے بخاری شروع کی گئی ہے یعنے حضرت ابوبکر عبداللہ بن الزبیر الحمیدی وہ بھی امام صاحب کے تلامذہ سے ہیں پس اگر امام صاحب امام بخاری اور امام مسلم کے نزدیک غیر ثقہ ہوتے تو وہ اُن کے شاگردوں سے کیوں روایت لیتے لہذا امام بخاری اور امام مسلم کا امام صاحب سے کوئی روایت نہ لینا نہ کوئی امر مستبعد اور موجب حیرت ہے اور نہ کچھ اُن کی عظمت شان میں قادح ہے البتہ یہ بات کسی قدر حیرت انگیز ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رح کے واسطے سے باوجود تقدم زمان کل صحاح ستہ میں ایک روایت بھی موجود نہیں +

دوسرا اعتراض مخالفین کا علم حدیث کے متعلق امام شافعی پر یہ ہے کہ سرگروہ

ائمہ جرح و تعدیل یعنے حضرت یحیٰی رح بن معین نے اُن کو تشیع کی طرف منسوب کیا ہے یہ طعن حقیقت میں بہت بڑا بھاری طعن ہے اور اگر ہمارے پاس یقینی شہادتیں اُسی زمانہ کی اس کے برخلاف موجود نہ ہوتیں تو آج ہم اس قول کی وجہ سے ہلاک ہوجاتے اور امام شافعی کے غیر ثقہ ہونیکی وجہ سے اپنے جماعہ محدثین کو مخدوش بنا دیتے کیونکہ ہمارے کل محدث امام شافعی ہی کے طفیلی ہیں اور عام طور پر اہل حدیث کا لقب اُنہیں کے اصحاب کا ہے[2]۔ قبل اس کے کہ ہم یحیٰی بن معین رح کے جرح کا جواب دیں اول امام شافعی کے عقائد کا بیان کرنا ضروری خیال کرتے ہیں کیونکہ اُن کا یہ

[1] دیکھو رسالہ مناقب الشافعی امام رازی [2] دیکھو انصاف و رسالہ مناقب الشافعی امام رازی

جرح صرف عقائد ہی کے متعلق ہے۔ امام شافعی کے عقائد بالکل وہی تھے جو تمام اہل سنت الجماعت کے ہیں وہ خلفاے راشدین کی خلافت کو حق جانتے تھے اور اُن کی افضلیت کے علے ترتیب الخلافۃ قائل تھے اُن کی تمام تصانیف میں کوئی بات تشیع کی ظاہر نہیں ہوتی خلفاء اربعہ کی نسبت جو اُن کا خیال تھا وہ بلا اجبار واکراہ کسی سُنی کے صاف صاف اپنے ان اشعار میں ظاہر کرتے ہیں۔ ان اشعار سے بڑے زور شور سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تشیع سے نہایت درجہ متنفر اور بیزار تھے اس سے بڑھکر اور کیا تسنن ہو سکتا ہے کہ وہ حضرات خلفاء راشدین رضہ کو دین کا مقتدا اور امام قرار دیتے ہیں۔ اُن کے بُرا کہنے والوں کو سفیہ اور گمراہ خیال کرتے ہیں۔ اُن کی تنقیص کرنے والوں کو خدا کی رحمت سے دور سمجھتے ہیں۔ ان کے سوا اُن کے اور بھی بہت سے ایسے اشعار موجود ہیں کہ جن میں اُنھوں نے جابجا حضرت ابوبکر رضہ کی فضیلت کا اظہار کیا ہے۔ جس قدر اُن کے فقہ کی کتابیں ہیں سب میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضہ کا نام بڑی تعظیم وتکریم کے ساتھ درج ہے غرض امام شافعی کے اقوال و افعال تو تشیع سے کوسوں دور ہیں البتہ اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ اہل بیت کے ساتھ ازحد محبت رکھتے تھے مگر یہ کوئی تشیع کی دلیل نہیں ہے امام شافعی ہی پر کیا موقوف ہے تمام اہلسنت کا

شهدت بان الله لاشئ غيره
واشهد ان البعث حق واخلص
وان عرى الايمان قول مبين
وفعل ذكى قد يزيد وينقص
وان ابا بكر خليفة احمد
وكان ابو حفص على الحق يحرص
واشهد ربى ان عثمان فاضل
وان عليا فضله متخصص
ائمة دين يقتدى بفعالهم
لحى الله من اياهم يتنقص
فما لغواة يشتمون سفاهة
وما لسفيه لايحاب فيخرص

یہی حال ہے کہ وہ اہل بیت کے ساتھ سچی اور دلی محبت رکھتے ہیں پس امام شافعی پر تشیع کا اطلاق کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ بعض مقدس بزرگواروں نے یہ بات بھی بیان کی ہے کہ یحیی بن معین کو امام شافعی سے حسد تھا اور اُسی کی بنا پر اُنہوں نے امام شافعی پر لفظ تشیع کا اطلاق کیا ہے مگر ہمارے نزدیک یہ نہایت ہی لغو اور بیہودہ قول ہے اگر ہم اپنے بزرگوں کے خیال سے ائمہ جرح و تعدیل کی نسبت ایسا خیال کریں کہ وہ محض حسد اور عداوت کی بنا پر بھی بعض نہایت مقدس اماموں اور دین کے پیشواؤں پر جرح کرتے تھے تو اس سے اُن کے قول سے بالکل اعتماد ہی اُٹھ جاتا ہے اور ہماری تمام کتب اسماء الرجال لغو اور کذب ٹھہرتی ہیں یحیی بن معین جیسے نیک نیت اور باخدا شخص کی طرف حسد اور نفسانیت کو منسوب کرنا صرف اُنہیں لوگوں کا کام ہے جو اُن کے اخلاص اور نیک نیتی سے واقف نہیں ہیں وحاشا جنابہ عن ذلک ہمارے ذمہ صرف یہ بات لازم ہے کہ ہم اُن کی جرح کو اگر کوئی قطعی دلیل اس کے مزاحم نہ ہو تو ظاہر پر محمول کریں ورنہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اُس کے لئے کوئی صحیح محمل تلاش کریں اور جہاں تک ہو سکے اُن کے کلام کی تاویل کریں ٭

امام احمد بن حنبل سے ایک شخص نے آکر یہی اعتراض بیان کیا کہ یحیی بن معین امام شافعیؒ کو تشیع کی طرف کیوں منسوب کرتے ہیں چونکہ امام احمد کو اُس وقت تک اس کی مطلقاً کچھ خبر نہ تھی اس لئے اُنہوں نے اس کے اعتقاد صحیح کرنے کی غرض سے اُس کو سردست یہی جواب دے دیا کہ اُن میں تو کوئی تشیع کی بات نہیں مگر جس وقت کوئی انسان ایسے کمالات پر پہنچتا ہے جو اُسکے اکثر ہم چشموں میں نہیں ہوتے تو وہ اُس سے خواہ مخواہ حسد کرنے لگتے ہیں[۱]۔ غالباً یہیں سے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا ہے کہ یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے حسد رکھتے تھے

---

[۱] رسالہ مناقب الشافعی للامام رازی

غرض جس وقت امام احمد کو یحیی بن معین کی اس جرح کا حال معلوم ہوا تو اُن کو اس بات کی فکر ہوئی کہ یحیی بن معین کی امام شافعی کو بلا سبب شیعہ کہنے کی کیا وجہ ہے - ذرا چلکر اُن سے اس بات کی تحقیق تو کرنا چاہئے - چنانچہ اُنھوں نے اسی غرض سے یحیی بن معین کے پاس جاکر دریافت کیا کہ تم نے امام شافعی کو کس لئے تشیع کی طرف منسوب کیا ہے - یحیی بن معین نے جواب دیا کہ میں نے قتال اہل بغی میں اُن کی کتاب دیکھی ہے - اُس میں اُنھوں نے اول سے آخر تک ہر جگہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہی کے اقوال و افعال سے حجت پکڑی ہے - یہی وجہ میرے اُن کو شیعہ کہنے کی ہے - امام احمد نے یحیی بن معین کی یہ تقریر سُن کر کہا کہ بس صرف اتنی ہی بات پر اُنھیں شیعہ کہتے ہو، بھلا یہ تو بتلاؤ کہ قتال اہل بغی میں وہ حضرت علی رضہ کے سوا اور کس سے حجت پکڑتے حالانکہ اس امت میں سب سے اول جس شخص کو اہل بغی سے قتال کرنے کا واسطہ پڑا ہے وہ صرف حضرت علی رضہ ہی ہیں[۱] - غرض یحیی بن معین نے امام شافعی کے تشیع کی جو دلیل بیان کی وہ تو یہ ہے اور ساتھ ہی اُن کا یہ قول ہے کہ شافعی صدوق ہے اُس سے حدیث لینے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے - اور اگر مطلق کذب بھی ہوتا تو اُن کی مروت اُن کو اُس سے روک دیتی جیسا کہ ہم علم حدیث کے بیان میں ذکر کر چکے ہیں ؎

اصل یہ ہے کہ زمانہ قدیم میں شیعوں کے چار فرقے تھے اُن میں سے ایک فرقہ کے عقائد بعینہ وہی تھے جو خود حضرت امیر علیہ السلام نے تعلیم فرمائے تھے یہ لوگ بعد نبی تفضیل شیخین کے قائل تھے اور اُن کی خلافت کو حق سمجھتے تھے اور حضرت امیر علیہ السلام کو اُن کے زمانہ میں تمام دنیا سے افضل جانتے تھے حضرت عائشہ صدیقہ رضہ و طلحہ و زبیر وغیرہ رضی اللہ عنہما کے مقابلہ میں یہ لوگ حضرت امیر علیہ السلام کی رفاقت اور اُن کی نصرت واجب

---

[۱] دیکھو رسالہ مناقب الشافعی امام رازی

سمجھتے تھے مگر جس طرح خود جناب امیر علیہ السلام اُن لوگوں کو اپنا بھائی اور اُن کے سب و شتم کرنے والوں کو اپنا دشمن خیال کرتے اُسی طرح یہ لوگ بھی اعتقاد رکھتے تھے ان لوگوں نے اپنا لقب شیعہ اولیٰ اور شیعہ مخلصین رکھا تھا اور یہی لوگ اصلی شیعہ تھے باقی شیعوں کے جو اور تین فرقے تھے وہ جناب امیر علیہ السلام کی تعلیم سے پھر گئے تھے اور اُنھوں نے اپنے عقائد خود اپنی طرف سے ایجاد کر لئے تھے۔ بعض جناب امیر علیہ السلام کو خدا کہتے تھے۔ اور بعض اُن میں خدا کے حلول کے قائل تھے۔ اور بعض جناب امیر علیہ السلام کے بھائیوں کو بُرا بھلا کہتے تھے[۵۱]۔ ایک مدت تک تو ان چاروں فرقوں پر لفظ شیعہ کا اطلاق ہوتا رہا جب اس لفظ کا استعمال اہل بدع میں غالب ہوگیا اور نیک و بد لوگوں کے تمیز کرنے میں دشواریاں واقع ہوئیں تو فرقہ اول یعنی شیعہ اولیٰ اور شیعہ مخلصین نے امام ابوالحسن اشعری کے زمانہ میں بغرض تمیز اہل سنت والجماعت اپنا لقب اختیار کیا اور یہی لقب اُن پر غالب آگیا چنانچہ اب تک یہ لوگ اسی لقب سے پکارے جاتے ہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب تحفہ میں لکھتے ہیں کہ "قدیم لوگوں کی تصنیف میں اکثر پاؤ گے کہ وہ کسی شخص کی نسبت بیدریغ لکھ دیتے ہیں کہ فلان من الشیعۃ او من شیعۃ علی یعنے فلاں شخص شیعوں میں سے یا شیعیان علی میں سے ہے حالانکہ جس شخص کی نسبت وہ یہ الفاظ لکھتے ہیں وہ شخص اکابر اہل سنت سے ہوتا ہے"۔ شاہ صاحب کی اس تحریر سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانہ میں اہل سنت پر بھی لفظ شیعہ کا اطلاق ہوتا تھا اور یہ بات کوئی اُن کی شان میں قادح نہ تھی پس کچھ شک نہیں کہ یحیی بن معین نے امام شافعیؒ کی کثرت محبت اور صدق نیت جو وہ اہل بیت کے ساتھ رکھتے تھے ملاحظہ کر کے اُن پر نہایت نیک نیتی سے لفظ شیعہ کا اطلاق کیا ہے جیسا کہ اکثر اہل سنت پر زمانہ قدیم میں اس لفظ کا اطلاق ہوتا رہا ہے

[۵۱] دیکھو تحفہ

ورنہ ممکن نہ تھا کہ یحییٰ بن معین جیسا جرح وتعدیل میں تشدد کرنے والا شخص یہ کلمہ بھی کہتا کہ اُس سے حدیث لینے میں کچھ مضائقہ نہیں یہی وجہ ہے کہ یحییٰ بن معین نے امام شافعی کو تشیع کی طرف تو ضرور منسوب کیا ہے مگر اُن کے کسی قول سے یہ نہیں پایا جاتا کہ کبھی اُنھوں نے اُنکی نسبت لفظ رفض کا بھی اطلاق کیا ہے ہاں اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ یہ لفظ بھی اُن کی جانب منسوب ضرور کیا گیا ہے مگر وہ صرف خوارج نے منسوب کیا ہے جس کا جواب خود امام شافعی نے اپنے ان اشعار میں دیا ہے یعنے مجھے بعضے لوگوں نے کہا کہ کیا تو رفضی ہو گیا ہے

قالوا ترفضت قلت کلا	میں نے اُنہیں جواب دیا کہ ایسا ہرگز نہیں ہے
ما الرفض دینی ولا اعتقادی	رفض میرا دین اور اعتقاد نہیں ہے لیکن
ولکنّنی توالیت من غیر شك	میں نے بے شک بہتر امام اور بہتر ہادی یعنی
خیر امام وخیر هادی	حضرت علی سے ضرور محبت رکھتا ہوں
ان کان حب الولی رفضا	پس اگر ولی خدا سے محبت رکھنا رفض ہے
فانّنی ارفض العباد	تو بے شک میں سب لوگوں سے زیادہ رفضی

ہوں - ایک اور امر قابل بیان یہ ہے کہ ان حالات میں جو اوپر گذرے اگر شیعہ امام صاحب کو شیعہ سمجھیں تو چنداں تعجب کی بات نہیں کیونکہ اُن کی دستاویز کے لئے یحییٰ بن معینؒ کا قول اور امام شافعی کے وہ اشعار جو اُنھوں نے محبت اہل بیت میں کہے ہیں موجود ہیں مگر زیادہ تر تعجب انگیز یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ فرقہ معتزلہ اور مشبّہ نے بھی امام شافعی کو اپنی طرف منسوب کیا ہے ؀

تیسرا اعتراض امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پر علم حدیث کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اُنھوں نے اس حدیث کو روایت کیا ہے لا مهدی الا عیسیٰ بن مریم یعنی مہدی بجز

عیسیٰ بن مریم کے اور کوئی نہیں۔ اس حدیث کو یونس بن عبدالاعلیٰ نے امام شافعی سے روایت
کیا ہے بعض لوگوں نے اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ کامل مہدی بجز عیسیٰ بن مریم کے
اور کوئی نہیں ہے اور انہوں نے لامہدی کی نفی کو نفی کمال پر محمول کیا ہے۔ سنن ابن ماجہ
کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ کسی شخص نے امام شافعی کو خواب میں دیکھا اور اُس نے اُن سے اس
حدیث کی نسبت سوال کیا امام شافعی نے جواب دیا کہ یونس نے مجھ پر جھوٹ بولا لیکن یہ
باتیں کچھ تسلی بخش نہیں ہیں اس لئے کہ تاویل حدیث کی ظاہر حدیث کے خلاف ہے اور
یونس بن عبدالاعلیٰ ائمہ نقل کے نزدیک ثقہ ہے اُس کی تضعیف ایک خواب سے جس
میں تحدیث نفس اور القار شیطان وغیرہ کو بھی دخل ہے ہرگز نہیں ہو سکتی پس حق الامر
یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہ یہ جملہ قول رسول صلعم ہے اور نہ محض موضوع ہے بلکہ کسی راوی کا قول ہے
اور اُس سے نچلے راوی نے اس جملہ کو حدیث کا ٹکڑا سمجھ کر روایت کر دیا ہے پس یہ جملہ مُدرج
ہے اس حدیث کے کئی جملہ ہیں اُن میں ایک یہ بھی ہے۔ راوی نے غالباً حدیث کی
روایت کرتے وقت مہدی کا ذکر سنا ہو گا اس لئے اُس نے اُن غلط اوہام کے دور کرنے کی
غرض سے جو عموماً اُس وقت لوگوں میں مہدی کی نسبت پھیلے ہوئے تھے یہ جملہ کہا اور نچلے
راوی نے غلطی سے جزو حدیث سمجھ کر روایت کر دیا اور اس بات کی دلیل کہ یہ جملہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے یہ ہے کہ اگر آنحضرت نے قبل ارشاد اس جملہ کے
مہدی کی پیشین گوئی کی تھی تو پھر اس جملہ کے کوئی معنی نہیں کیونکہ خبر میں نسخ جائز نہیں اور اگر
اس سے پہلے مہدی کی نسبت آپ نے کوئی پیشین گوئی نہیں کی تھی تو آپ کے خبر دینے کے
پہلے مہدی کا قائل ہی کون تھا کہ آپ کو اُسکی نفی کرنے کی ضرورت پڑتی؟ پس اس حدیث کے
صرف روایت کر دینے سے امام شافعی پر کوئی الزام نہیں آسکتا ہاں اگر وہ اس جملہ کی تصحیح کرتے تو

پھر اُن پر بے شک الزام عائد ہو سکتا سو وہ اُن سے ثابت نہیں۔ ہماری اس تقریر پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کی رُواۃ میں کوئی راوی مہدی کا قائل نہ تھا مگر اس میں کوئی حرج نہیں ہے اکثر محققین کو وجودِ مہدی سے انکار ہے از انجملہ محقق ابن خلدون ہے۔

مسائل کے متعلق بھی امام شافعی پر لوگوں نے بہت سے طعن کئے ہیں مگر اُن میں صرف دو ہی مسئلے ایسے ہیں جن پر مخالفین نے نہایت زور کے ساتھ مخالفت نص اور اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور اُن مسئلوں کو وہ لوگ غیر معقول بھی بتلاتے ہیں دیگر مسائل پر معمولی نکتہ چینی سے زیادہ زور نہیں لگایا اس لئے ہم بھی صرف اُنہیں دونوں مسئلوں میں کسی قدر کلام کرنا چاہتے ہیں۔

پہلا مسئلہ حلت متروک التسمیہ عامداً کا ہے یعنے اُس ذبیحہ کا حلال ہونا جو قصداً بغیر خدا کا نام لئے ذبح کیا جائے۔ اس مسئلہ پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ مسئلہ اُس نص قطعی کے

ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ وانہ لفسق

خلاف ہے جہاں فرمایا ہے کہ اُس ذبیحہ کو نہ کھاؤ جس پر خدا کا نام نہ لیا جائے کیونکہ وہ ذبیحہ فسق ہے نیز امام شافعی نے اس مسئلہ میں خرق اجماع کیا ہے۔ ہمیں یہاں پر اس سے تو کچھ مطلب نہیں کہ واقع میں یہ مسئلہ صحیح ہے یا غلط لیکن یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اس مسئلہ میں امام شافعی پر مخالفت نص اور خرق اجماع کا الزام صحیح نہیں کیونکہ یہ الزام اُن پر صرف اُس وقت عائد ہو سکتا تھا جبکہ آیت معنی مذکورہ میں قطعی الدلالۃ ہوتی حالانکہ یہ امر ثابت نہیں کیونکہ آیت مذکورہ میں یہ بھی احتمال ہے کہ شاید مراد اُس سے یہ ہو کہ جس ذبیحہ پر غیر خدا کا نام لیا جائے اُسے نہ کھاؤ اور آیت ما اھل لغیر اللہ بہ اِسکی تفسیر ہو بلکہ یہ معنی زیادہ تر قرین قیاس ہیں اس لئے کہ جو جانور حرام ہیں وہ سب خدائے پاک نے اس آیت میں بیان فرما دیئے ہیں حرمت علیکم المیتۃ

والدم ولحم الخنزیر وما اھل لغیر اللہ بہ والمنخنقۃ والموقوذۃ والمتردیۃ والنطیحۃ وما اکل السبع الا ما ذکیتم وما ذبح علی النصب یعنے حرام کیا گیا تم پر مردار اور خون اور گوشت سور کا اور جس چیز پر نام پکارا گیا اللہ کے سواے کا اور جو مر گیا گلا گھٹ کر یا چوٹ سے یا گر کر یا سینگ مارنے سے اور جسکو کھایا پھاڑنے والے جانوروں نے مگر جو تم نے ذبح کر لیا۔ اور جو ذبح ہوا کسی تھان پر۔ اس آیت میں کہیں متروک التسمیہ عامدا کی حرمت کا ذکر نہیں ہے بلکہ جملہ الا ما ذکیتم سے صاف اُس کی حلت نکلتی ہے کیونکہ ذکاۃ کے معنی لغت میں صرف شق کرنے کے ہیں پس اُس پر تسمیہ کی شرط لگانا زیادتی علی الکتاب ہے نیز جملہ وانہ لفسق سے بھی یہی مطلب ثابت ہوتا ہے کیونکہ یہ جملہ خبر ہے اور جملہ ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ انشا ہے اور خبر کا عطف انشا پر مستحسن نہیں ہے پس لامحالہ جملہ وانہ لفسق کو ضمیر مجرور علیہ سے حال ماننا پڑیگا اور واؤ حالیہ قرار دی جائیگی۔ اس صورت میں معنی آیت کے یہ ہوے کہ جس ذبیحے پر خدا کا نام نہ لیا جائے اور حال یہ ہے کہ وہ ذبیحہ فسق بھی ہو اُسے نہ کھاؤ۔ اب ہمیں یہ معلوم کرنا چاہئے کہ ذبیحہ فسق کیا چیز ہے جس کے کھانے سے ممانعت کی گئی ہے جب ہم قرآن مجید پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں فسق کی تفسیر میں یہ آیت ملتی ہے او فسقا اھل لغیر اللہ بہ یعنے یا وہ فسق حرام ہے جس پر غیر خدا کا نام لیا جائے پس اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فسق صرف وہی ذبیحہ ہے جو غیر خدا یعنی بتوں وغیرہ کے نام پر ذبح کیا جائے نہ وہ جس پر خدا کا نام نہ لیا جائے کیونکہ مومن کے دل میں ہر وقت خدا کا نام ہے خواہ وہ زبان سے لے یا نہ لے چنانچہ یہ امر خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصریح سے ثابت ہے[۱] پس اس مسئلہ میں امام شافعی پر مخالفت نص کا الزام ہرگز عائد نہیں ہو سکتا اور اس مسئلہ پر اجماع کا دعوےٰ بھی غلط ہے کیونکہ حضرت ابن عباس کا بھی جو فہم معانی قرآن میں تمام صحابہ پر فوقیت رکھتے تھے یہی مذہب ہے کہ تسمیہ ذبح کے لئے شرط نہیں ہے[۲]

[۱] دیکھو ہدایہ [۲] دیکھو ابوداؤد۔

دوسرا مسئلہ طہارت منی کا ہے اس مسئلہ میں بھی بعض جہلا نے امام شافعی پر طعن کیا ہے لیکن یہ طعن صرف اسی بنا پر ہے کہ انہوں نے اپنے خیال میں منی کو ناپاک قرار دے رکھا ہے ورنہ کلام خدا و رسول میں کہیں اس کی پاکی ناپاکی کا کچھ ذکر نہیں ہے پس یہ طعن جناب امام ہمام پر محض جہالت اور بے علمی سے ہے البتہ اگر کسی آیت یا حدیث صحیح سے منی کی نجاست ثابت ہوتی تو اس وقت اُن پر یہ طعن کرنا بیجا نہ تھا ہاں اس میں کچھ شک نہیں کہ ہر ایک مجتہد نے اُس کی طہارت اور نجاست پر قیاسی دلائل قائم کی ہیں مگر اس سے امام شافعی پر کیا الزام آسکتا ہے امام شافعی کی دلائل بھی نہایت مضبوط ہیں احادیث کثیرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ منی کپڑے کو لگ جاتے تو کپڑے کا صرف ہاتھ سے مل دینا کافی ہے اور اُس کے دھونے کی ضرورت نہیں۔ پس اس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ منی ناپاک نہیں ہے کیونکہ اگر وہ ناپاک ہوتی تو کپڑا صرف ہاتھ کے مل دینے سے کیونکر پاک ہو سکتا تھا کیا اُسکی رطوبت کپڑے کے اندر جذب نہیں ہوتی۔ اگر کوی اور نجاست مثل پاخانہ وغیرہ کی کپڑے کو لگ جائے تو کیا کپڑا صرف ہاتھ سے مل دینے سے پاک ہو سکتا ہے؟ غالباً یہی وجہ ہے کہ اکابر صحابہ بھی مثل امیر المومنین علی بن ابی طالب۔ سعد بن ابی وقاص۔ ابن عمر۔ ابن عباس۔ عائشہ صدیقہ ام المومنین وغیرہ کے سب منی کی طہارت کے قائل ہیں[1]۔ اور مجتہدین میں سے بھی جو لوگ اس کی نجاست کے قائل ہیں اکثر وہ بھی متردد ہیں ترمذی کو اسکی نجاست اور طہارت میں شک ہے امام حسن بصری کے نزدیک اگر کسی شخص نے منی کے کپڑے میں نماز پڑھ لی تو اُس پر اُس نماز کا اعادہ واجب نہیں[2]۔ شاہ ولی اللہ صاحب بھی یقینی طور پر منی کو ناپاک نہیں کہتے چنانچہ وہ لکھتے ہیں فالاظہر انہ نجس[3] یعنی بظاہر منی ناپاک ہے اس عبارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے نزدیک اس کی ناپاکی یقینی نہیں ہے ان کے اجتہاد میں ظاہر یہی ہے کہ وہ ناپاک ہے پس اس مسئلہ میں کسی طرح امام

---

[1] نووی شرح مسلم [2] [3] حجۃ اللہ البالغہ

شافعی پر اعتراض صحیح نہیں ہوسکتا اور اگر یہ مسئلہ فقط عرف و عادت کے لحاظ سے غیر معقول سمجھا جاتا ہے تو حضرت امام ابو حنیفہ کا یہ مسئلہ کہ رطوبت شرمگاہ عورت کی پاک ہے اس سے بھی زیادہ غیر معقول معلوم ہوتا ہے۔

زمانہ حال کے ایک مشہور مصنف نے امام شافعیؒ پر یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ انہوں نے ایک حدیث کی بنا پر آیت اذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن میں لفظ فلا تعضلوھن کا مخاطب اولیاء کو قرار دیکر نظم آیت کو مختل کر دیا اور اس کی بے نظیر فصاحت و بلاغت کے جاتے رہنے کا کچھ خیال نہ کیا کیونکہ لفظ اذا طلقتم النساء میں ازواج کے مخاطب ہونے سے تو انکار ہی نہیں ہوسکتا پس امام شافعی کی تفسیر کے مطابق آیت کے یہ معنی ہوئے کہ اے شوہرو جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو پھر وہ اپنی عدت پوری کر چکیں تو اے اولیا تم اُن کو اُن کے ازواج کے نکاح سے نہ روکو۔ یہ بالکل خلاف محاورہ ہے کہ شرط میں کسی کو خطاب ہو اور جزا میں کسی کو۔ اس سے قرآن مجید کی بے انتہا فصاحت و بلاغت میں سخت خلل واقع ہوتا ہے اگرچہ بظاہر یہ اعتراض نہایت مشکل معلوم ہوتا ہے لیکن اگر ہم امام شافعی کی عظمت و جلالت کو مد نظر رکھکر اُنکے کلام کے محامل صحیحہ تلاش کرنے چاہیں تو ہمیں ضرور ایسا محمل مل سکتا ہے جس سے یہ اعتراض بالکل اُٹھ جاتا ہے اس میں تو کچھ شک نہیں ہوسکتا کہ جس حدیث کی بنا پر امام شافعی نے لفظ فلا تعضلوھن کا مخاطب اولیاء کو قرار دیا ہے وہ ایک صحیح حدیث ہے البتہ نظم آیت اُس سے ضرور کسیقدر مختل ہوتی ہے مگر امام شافعی کے کلام سے یہ کہیں نہیں پایا جاتا کہ انہوں نے اس امر سے انکار کیا ہو کہ اس آیت کے مخاطب ازواج ہیں بلکہ اُن کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ فلا تعضلوھن میں صریح خطاب ازواج ہی کو کیا گیا ہے لیکن باعتبار عموم الفاظ ضمناً اولیاء بھی حکم خطاب میں داخل ہیں جس کے معنی یہ ہوئے کہ اے شوہرو اگر تم اپنی عورتوں کو طلاق دو اور پھر وہ اپنی عدت پوری کر کے کسی کو

اپنا شوہر بنانا چاہیں تو تم اُنہیں اس فعل سے نہ روکو تمہارے لئے تو یہ حکم صریح ہے لیکن اگر وہ عورتیں دوبارہ تمہیں سے نکاح کرنا چاہیں اور اولیا اُن کے اس فعل سے مزاحم ہوں تو ضمناً اولیا بھی اسی حکم میں داخل ہیں اُن کا کوئی خاص حکم نہیں ہے ÷

ہم نے جو اس آیت کے یہ معنی بیان کئے اس سے ہمارا یہ مقصد نہیں ہے کہ ہم کسی محذوف یا مقدر لفظ کے معنی بیان کر رہے ہیں بلکہ یہ معنی خود عموم الفاظ قرانی اور محل نزول سے نکلتے ہیں قرآن مجید میں اکثر ایسا ہوا ہے کہ بسبب غایت ظہور کے خاص محل نزول کو مخاطب نہیں کیا اگرچہ آیت خاص اُسی محل کے فیصلہ کو نازل ہوئی ہے اس لئے عموم الفاظ میں ضمناً اُس کا خود داخل ہونا ضروری ہے اُس کے لئے خاص خطاب کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی نظیر خود قرآن میں یہ آیت موجود ہے یاایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن یعنے اے نبی جب تم عورتوں کو طلاق دینا چاہو تو اُن کی عدت کے زمانہ میں دو۔ اس آیت کے شان نزول کئی طرح پر بیان ہوئے ہیں بعض کوتاہ اندیش مفسروں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے ام المومنین حفصہؓ کو طلاق دی تھی اُس پر یہ آیت نازل ہوئی مگر ایسی بات تو اپنی زبان سے صرف وہی لوگ نکال سکتے ہیں جنکو آپ کی شان میں شبہ ہو اس لئے ہم کو اس کا صحیح شان نزول دریافت کرنا چاہئے۔ جب ہم کتب احادیث پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے زمانہ حیض میں طلاق دی تھی اور کچھ شک نہیں کہ اس آیت کا شان نزول وہی طلاق عبداللہ بن عمر ہے۔ بعض مفسروں نے یہ بھی لکھا ہے کہ مثل عبداللہ بن عمر کے صحابہ کی ایک جماعت نے زمانہ حیض میں طلاق دی تھی غرض اس آیت کا شان نزول کچھ ہی کیوں نہ ہو مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی واقعہ اس آیت کا شان نزول نہیں ہے۔ خیر کچھ ہی شان نزول ہو مگر اس میں شک نہیں کہ اس آیت کے معنی میں بھی وہی اشکال نظر آتا ہے جس کے باعث امام شافعی پر اعتراض

کیا گیا ہے اور جب تک اس کے معنی اُسی طرح پر بیان نہ کئے جائیں جس طرح پر ہم نے آیت
فلا تعضلوھن میں بیان کئے ہیں۔ اس آیت کی نظم بھی مختل ہوتی ہے کیونکہ اس آیت کے معنی مطابق
اسکے شان نزول کے یہ ہوے کہ اے نبی اے لوگو جب تم عورتوں کو طلاق دو۔ یہ طریق کلام بھی بالکل
مہمل اور بے محاورہ معلوم ہوتا ہے۔ پس کیا اس سے قرآن کی بے نظیر فصاحت وبلاغت میں خلل
واقع نہیں ہوتا؟ اس میں کچھ شک نہیں ہوسکتا کہ آیت مذکورہ میں لفظ اذا طلقتم اور فطلقوھن
دونوں کے مخاطب صریح طور پر صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں اور بجز آپ کے صریحاً اس خطاب
میں کوئی شخص داخل نہیں ہے کیونکہ لفظ ایھا النّبی صریحاً اس بات پر دلالت کرتا ہے اس لئے
آیت کے فقط یہ معنی ہوے کہ اے نبی جب تم عورتوں کو طلاق دو تو اُن کی عدت کے زمانہ میں دو
مگر اس فعل کو شان نزول سے کوئی تعلق نہیں اور اس کا تعلق شان نزول سے تب کہیں
ہوسکتا ہے جب اس آیت میں بھی بعینہٖ اُسی طرح پر توجیہ کی جاے جس طرح پر ہم نے آیت فلا
تعضلوھن میں کی ہے اور وہ توجیہ یہ ہے کہ اگرچہ صریح طور پر اس آیت کا مخاطب صرف آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں مگر باعتبار عموم الفاظ ضمناً وہ اشخاص بھی اس کے مخاطب ہیں جنھوں نے
طلاق دی تھی۔ لیکن چونکہ آیت کا شان نزول ہی وہ شخص ہیں اس لئے اُنہیں صریح خطاب
کی ضرورت نہ تھی کیونکہ اُن کے مخاطب ہونے پر خود واقعہ اور محل دلالت کرتا ہے۔ پس اسی
طرح پر آیت فلا تعضلوھن کے بھی صریحاً مخاطب ازواج ہی ہیں مگر چونکہ سبب نزول اس کا
عضل اولیاء ہے اس لئے ضمناً اولیا بھی اس کے مخاطب ہیں اور بسبب غایت ظہور کے
اُنہیں علیحدہ طور پر مخاطب نہیں کیا۔

آیت یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء کے شان نزول سے مطابق کرنے کے لئے
مفسرین نے ایک اور عمدہ توجیہ بیان کی ہے یعنی اس آیت میں یا ایّھا النّبی کے

بعد لفظ قُل مقدر ماننا ہے جس کے یہ معنی ہوے کہ اے نبی تو لوگوں سے کہدے کہ جب تم عورتوں کو طلاق دو تو اُنکی عدت کے زمانہ میں دو۔ اس صورت میں آیت شان نزول کے بھی مطابق بن جاتی ہے اور نظم بھی خلل سے سالم رہتی ہے اگر اسی تاویل کو آیت فلا تعضلوھن میں بھی جاری کیا جائے تو اس صورت میں بھی نظم قرآن ہر قسم کے خلل سے سالم رہ سکتی ہے اور امام شافعی کا مقصود بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ اس توجیہ کے موافق آیت کے یہ معنی ہوے کہ اذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فاردن بعد مضی الاجل ان ینکحن منکم فمنعھن الاولیاء فقولوا لھم ایھا الاولیاء لا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن یعنے اے شوہرو جب تم عورتوں کو طلاق دو پھر وہ اپنی عدت پوری کر کے تم سے نکاح کرنا چاہیں مگر اولیا اُنہیں تم سے نکاح کرنے سے روکیں تو تم اُن سے کہدو کہ اے اولیا تم اُنہیں اپنے شوہروں سے نکاح کرنیسے مت روکو۔ اس تاویل میں لفظ ازواج بھی اپنے حقیقی معنی میں رہتا ہے اور وہ تکلف نہیں کرنا پڑتا جو امام رازی کی تقلید سے معترض صاحب نے کیا ہے۔ ہماری تاویل پر شاید صرف اس قدر نکتہ چینی کیجائے کہ ہم نے آیت میں کئی لفظ مقدر مانے ہیں مگر یہ ہم نے کوئی نئی بات اختیار نہیں کی ہے قرآن مجید میں بے شمار آیتوں میں اس قسم کے اکثر مقدرات ماننے پڑتے ہیں فتدبر *

سیرت الشافعی تمام ہوئی